سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۸۱)

بزم مملوکیہ

جس مین

ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین، امرا، اور شہزادون کی عرفان دوستی علم نوازی اور معارف پروری کے حالات اور ان کے دربار سے متوسل علما، و فضلا، اور ادبا، و شعراء کے کمالات پر تبصرہ کیا گیا ہے

مرتبہ

سید صباح الدین عبد الرحمن ایم، اے

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ مین چھپی

کتبہ اقبال

۱۳۷۴ھ
۱۹۵۴ء

فہرست مضامین

بزم مملوکیہ

معزالدین کیقباد

۶۸۶ھ - ۶۸۹ھ
۱۲۸۷ء - ۱۲۹۰ء

۳۲۳ - ۳۴۹

مقدمہ

دار المصنفین میں ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کی ترتیب کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اس کی ایک جلد تاریخ سندھ شائع اور دوسری غزنوی عہد کی مرتب ہوئی تھی کہ بعض اسباب و موانع کی بنا پر فی الحال سیاسی تاریخ کا سلسلہ ملتوی کر دینا پڑا مگر علمی و تمدنی تاریخ کی ترتیب کا کام جاری ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کتاب جو تیموریوں کے علمی کارناموں پر مشتمل ہے، بزم تیموریہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے، ایک کتاب ان کے فوجی نظام پر تیار ہے، ایک اسلامی عہد کی عام تمدنی ترقیوں پر زیر ترتیب ہے اور انشاء اللہ اس سلسلہ کو تکمیل تک پہنچانے کا قصد ہے، اور جب حالات سازگار ہوئے تو سیاسی تاریخ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جائے گا۔

ہندوستان کے مسلمان خاندانوں میں تیموریوں کی عظمت اور ان کے کارناموں پر تو بہت لکھا گیا ہے، مگر ان سے پہلے کے سلاطین دہلی یعنی غلاموں، خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کے عہد کے علمی و تمدنی حالات کی جانب کم توجہ کی گئی ہے، اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کی کوئی اہمیت یا ان کے کارنامے نہیں ہیں، بلکہ ان کے حالات میں اس قسم کا تاریخی سرمایہ ہی کم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ خود ان سلاطین نے اپنی تاریخ لکھانے کی جانب توجہ کی، اور نہ ان کے عہد میں کوئی ایسا مورخ پیدا ہوا جو ان کی عظمت کا مرقع تیار کرتا، جو دو چار معاصر تاریخیں ہیں بھی ان میں تو اس زمانہ کے مذاق کے مطابق رزم کی داستان سرائی میں زیادہ زور قلم صرف کیا گیا ہے، اور علمی و تمدنی حالات بہت کم اور محض ضمناً کہیں کہیں آ گئے ہیں، اور اس کی تلاش کے لیے بڑی محنت اور دیدہ ریزی کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اردو کے اصحاب علم و قلم نے اس دردسری کو کم گوارا کیا ہے، اس کے مقابلہ میں تیموریوں کی تاریخ پر ہر قسم کا نہایت وافر ذخیرہ موجود ہے، اس دور کے عام مورخوں کے علاوہ خود ان کے درباری مورخین نے ان کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں، اس لیے ان کی تاریخ لکھنا نسبۃً آسان ہے، یہی وجہ ہے کہ تیموریوں کے مقابلہ میں سلاطین دہلی کے

کارناموں کی تصویر دھندلی نظر آتی ہے، اگر ان کو بھی ابو الفضل، عبد الحمید لاہوری، عبد الباقی نہاوندی اور محمد کاظم جیسے مورخین مل جاتے تو تیموریوں کی طرح ان کی تاریخ بھی شاندار اور پرشوکت نظر آتی۔

سلاطین دہلی میں بہت سے باعظمت، علم دوست اور علما، نواز حکمران پیدا ہوئے جنھوں نے علم و تمدن کی بھی بڑی خدمت انجام دی، ان کے درباروں میں بڑے بڑے علما، و فضلاء، ادبا، شعرا، اور مختلف فنون کے اصحاب علم و کمال کا اجتماع تھا، وہ صلحا، و اخیار سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے پند و نصائح کو قبول کرتے تھے جس کا اثر ان کی حکومت پر پڑتا تھا، تاج الدین ریزہ، شہاب مہمرہ، خسرو، حسن سجزی، بدر چاچ اور مطہر کڑہ جیسے شعرا، اور مولانا منہاج سراج، مولانا شمس الدین خوارزمی، مولانا معین الدین عمرانی، مولانا عبد اللہ سلطانپوری اور مولفین فتاوی تاتارخانی جیسے علما، ان کے دربار کی زینت تھے، اس لیے علمی حیثیت سے انکا دور نہایت ممتاز ہے، مگر اردو میں اس کے متعلق بہت کم معلومات ہیں،

اس کمی کو پورا کرنے کی بڑی ضرورت تھی، اس لیے بزم تیموریہ کے لائق مؤلف نے تیموریوں کی علمی بزم کی مرقع نگاری کے بعد سلاطین دہلی کی علمی تاریخ بھی مرتب کی ہے، زیر نظر جلد ممالیک کے عہد کے حالات میں ہے، اس میں انکے علمی و ادبی خدمات کی تفصیل اور ان کے دربار سے متوسل علما، و شعرا، کا تذکرہ ہے، ان میں سے بعض علما، و شعرا، کے حالات جس تحقیق و تفصیل کے ساتھ پہلی مرتبہ اردو میں پیش کیے گئے ہیں اور انکی تلاش و جستجو میں مولف نے جو محنت و کاوش کی ہے، اصحاب نظر کو اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوگا، ضمناً تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، اس کے بعد کی جلدیں خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کے علمی حالات میں ہوں گی، اس طرح اسلامی ہند کی علمی تاریخ کا پورا سلسلہ مرتب ہو جائے گا۔

فقیر معین الدین احمد
ناظم شعبۂ علمی، دار المصنفین

۱۱ر جنوری ۱۹۵۵ء

دیباچہ

اہلِ نظر نے میری حقیر تالیف بزم تیموریہ کی قدردانی میری توقع سے زیادہ کی تو خیال ہوا کہ تیموری عہد سے پہلے کے سلاطین کی علم نوازی اور معارف پروری کی بھی تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے، اور جب اس ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر یہ کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اس عہد کے شاہی درباروں سے متوسل علماء و فضلاء اور ادباء و شعراء کے حالات کچھ ایسے پراگندہ، منتشر اور نظروں سے اوجھل ہیں کہ ان کو یکجا کرنے اور تاریکی سے روشنی میں لانے کی کوشش میں، کتاب کی نوعیت بدلنی پڑے گی یعنی بزم تیموریہ کی طرح فضلاء و شعراء پر اجمالی نظر ڈالنے کے بجائے انکا تفصیلی جائزہ لینا ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہر خاندان کیلئے ایک ایک جلد علحدہ کرنی پڑی، موجودہ جلد ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین اور انکے امرا اور شہزادوں کی علم دوستی پر مشتمل ہے، اور اس علم دوستی کی بدولت جو فضلاء و شعراء علم و ادب کے افق پر مہر و ماہ بنکر چمکے، ان کے کمالات کو بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

اگر ناظرین کو یہ کچھ بھی پسند آجائے تو یہی مؤلف کی کاوش و محنت کا صلہ ہو جائیگا، آیندہ جلدوں میں خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کی بزم کی تصویریں ہوں گی،

بزم تیموریہ میں تیموری بادشاہوں کی عرفان دوستی کا ذکر نہیں ہے، لیکن اس کتاب میں بعض سلاطین کے حالات میں وقت کے مشائخ کے فیوض و برکات کا ذکر بھی خاص طور پر کیا گیا ہے، اہل دل بزرگان دین کی نظر کیمیا اثر نے سلطان شمس الدین التمش کو کس طرح خاک سے پاک کر دیا، اسکا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، یہ اس لیے کہ اس سلطان کی سیرت کا یہ پہلو اب تک نظروں کے سامنے نہ تھا، راقم کو ایک گونہ مسرت ہے کہ اسی نے شاید پہلی دفعہ ستمبر ۱۹۴۵ء کے معارف میں اس سلطان کے عرفانی پہلو کو پیش کیا، بزم صوفیہ میں اس کو پھیلا کر لکھنے کا موقع نہ تھا، اس لیے اب

اس کتاب مین اسکو تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی گئی ہی جس کے بعد یہ کہنے مین تامل نہین کہ اس سلطان کا شمار اسلامی تاریخ کے ان حکمرانون مین کیا جا سکتا ہی جن پر انکی اعلیٰ سیرت اور اعلیٰ کردار کی بدولت مسلمانون کو ناز ہی، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کو بھی ایسے ہی فرمانرواؤن کی صف مین لاکر کھڑا کیا جا سکتا ہی، جیسا کہ ناظرین کو خود اس کتاب مین ان کے حالات سے اندازہ ہوگا، گو ناصر الدین محمود اپنے باپ سلطان شمس الدین التمش یا اپنے خسر غیاث الدین بلبن کی طرح ایک حکمران کی حیثیت سے زیادہ کامیاب نہین رہا، ان سلاطین کے اوصاف و محاسن کے ذکر مین جابجا ملفوظات خواجگان چشت کے حوالے ہین بعض اہل علم کا خیال ہی کہ ہندستان مین شروع دور کے خواجگان چشت کے ملفوظات فرضی ہین، اسلیے انکو ماخذ بنانا صحیح نہیں، اسکی طرف بھی توجہ راقم ہی نے پہلی دفعہ جولائی ۱۹۴۸ء کے معارف (ص ۷، ۸) کے ذریعہ دلائی، پھر ۱۹۴۹ء مین بزم صوفیہ کی تمہید مین یہ واضح کیا کہ خواجگان چشت کے ملفوظات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگون نے انکو مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد مین ان کے اسمائے گرامی انکی طرف منسوب کر دیے گئے ہین، پھر اس پر تفصیل کیساتھ اکتوبر ۱۹۵۰ء و اکتوبر ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۴ء کے معارف مین بحث کی، ان تمام مباحث کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہی کہ جو رسالے خواجگان چشت کے نام سے منسوب ہین وہ اگر ان کے قلم اور ہاتھ سے نہیں لکھے گئے تو کم از کم قدیم العہد ضرور ہین، اور ان کو احتیاط کیساتھ ماخذ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے اپنے تذکرہ اخبار الاخیار مین کیا ہے وہ بھی ملفوظات خواجگان چشت کو ان کی تصانیف تسلیم کرنے مین متامل ہین، پھر بھی وہ ان کے حوالے بار بار دیتے ہین، اس کتاب مین بھی ان سے جابجا استفادہ کیا گیا ہی، ناقدین کی تنقیدون سے بچنے کی خاطر ان ملفوظات سے جہان کوئی روایت نقل کیگئی ہی وہان دوسرے مستند مجموعۂ ملفوظات اور تذکرون کے متوازی حوالے بھی دیدیے گئے ہین تاکہ یہ روایتیں محض یہ کہکر مجروح نہ کر دی جائین کہ یہ ان ملفوظات کے مجموعون سے لی گئی ہین جن کو بعض اہل علم فرضی سمجھتے ہین، اس سلسلہ مین بزم صوفیہ کے بعض واقعات کی تکرار بھی اس کتاب مین ہوگئی ہی لیکن یہ واقعات بزم صوفیہ مین محض اجمالی طور پر آئے ہین، انکو تفصیل سے لکھنے کا موقع اس کتاب مین ملا تو تکرار ناگزیر ہوگئی،

راقم کو اس کی بھی خوشی ہی کہ اس کتاب کے ذریعہ بعض فارسی شعراء کا تعارف اردو مین پہلی دفعہ کیا جا رہا ہی، شعراء کے

تنقیدی مطالعہ سے جو طوالت آگئی ہے امید ہے کہ ناظرین پر گران نہ گزریگی بعض طویل قصائد اسلیے بھی نقل کر دیے گئے ہین کہ

گاہے گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را

آج ہمارے اسلاف کے یہ قصائد ہی کیا بلکہ انکی ساری فارسی شاعری دفتر پارینہ ہی کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ہم اپنی رواداری اور وسعت قلب کی بنا پر فارسی زبان کو چھوڑ کر ہندوستان کے رہنے والون کی ملی جلی زبان اُردو کو قبول نہ کر لیتے تو آج ہماری علمی اور ادبی زندگی کو یہ فارسی شاعری کس قدر متمول کر چکی ہوتی، اب یہ تمام شعراء ہمارے لیے گویا اجنبی سے بنگئے ہین، اور ہماری ثقافتی زندگی سے دور ہوتے جا رہے ہین، پھر بھی انکے علمی و ادبی کارنامون کا مطالعہ ضروری ہے کہ ان ہماری ماضی کی علمی تاریخ بنی اور بالآخر ان ہی کے کمالات کی بدولت ہماری موجودہ علمی ذوق کی نشو و نما ہوئی۔

ان شعراء مین امیر خسرو پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے متعلق کوئی نئی بات لکھنی آسان نہین لیکن اس کتاب مین ناظرین کو کوئی بات بھی نئی نظر آجائے تو مؤلف اپنی قلمی کاوشون کو رائگان نہین سمجھے گا،

شعراء کے کلام حتی الوسع بڑی احتیاط سے نقل کیے گئے ہین، مگر بعض بد خط قلمی نسخون اور تذکرون سے انکو نقل کرنے مین بڑی مشکلون کا سامنا کرنا پڑا ہے بعض مطبوعہ نسخون مین بھی اشعار صحیح نقل نہین ہوئے ہین، اس لیے اگر اشعار کی کتابت مین غلطیان رہ گئی ہون تو ہم اس کے لیے پہلے سے معذرت خواہ ہین، مطبع کی غلطیون کی تصحیح آخر مین کر دی گئی ہے انکو ناظرین درست کرلین بعض اشعار کے الفاظ مین "یائے مجہول" کے بجائے "یائے معروف" ہی لکھی گئی ہے، کیونکہ بعض اساتذہ نے ان کو اسی طرح نقل کیا ہے:

اس کتاب مین کہین "جیتل" اور کہین "چیتل" لکھا گیا ہے، جیتل زیادہ صحیح ہے لیکن بعض مستند نسخون مین چیتل بھی مرقوم ہے، اسی طرح تنکے اور ٹنکے دونون اصطلاحات نظر سے گذری ہین،

ممکن ہے اس کتاب کا نام "بزم مملوکیہ" عام فہم نہ ہو، کیونکہ ہندوستان کے غلام سلاطین کے لیے عام طور سے "مملوک" کی اصطلاح استعمال نہین ہوئی ہے لیکن حال کے اہل قلم ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کرنے لگے ہیں، اسلیے بزم تیموریہ کی مناسبت سے "بزم مملوکیہ" ہی نام زیادہ پسند آیا،

اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ مین علی گڈھ کا بھی سفر کرنا پڑا، اور وہان حبیب گنج اور مسلم یونیورسٹی کے کتب خانوں کی کتابون سے استفادہ کیا، بزرگ محترم جناب عبید الرحمن خان صاحب شروانی، جناب ڈاکٹر محمد عزیز صاحب لکچرار شعبۂ اردو، اور ڈاکٹر عشرت حسین انور صاحب لکچرار شعبۂ فلسفہ کی مہمان نوازیون کا صمیم قلب سے رہین منت ہون، جناب عبید الرحمن خان صاحب شروانی انتہائی لطف و کرم کا اظہار کر کے ان خصوصی خاندانی روابط و مراسم کا ثبوت دیا، جو ان کے والد بزرگوار مولانا حبیب الرحمن خاں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے دار المصنفین والون کے ساتھ قائم ہین۔

علی گڈھ کے قیام کے زمانہ مین مجھے خلیق احمد نظامی ریڈر شعبۂ سیاسیات سے معلوم ہوا کہ محترمی پروفیسر محمد حبیب صدر شعبۂ سیاسیات نے کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن سے تاج المآثر کی نقل منگوائی ہے، اس سے پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا جس کے بغیر میری یہ کتاب ایک حد تک ناقص رہتی، ان دونون حضرات کی اس علمی امداد کا بھی تہ دل سے شکر گذار ہوں، سید بشیر الدین صاحب لائبریرین لٹن لائبریری کا بھی ممنون ہون کہ انھون نے امیر خسرو کے مطبوعہ دیوان وسط الحیوٰۃ کا ایک نسخہ دار المصنفین کو نذر کر کے میری بہت سی مشکلات آسان کر دین، یہ نسخہ ناقص رہ جانے کی وجہ سے چھپنے کے بعد شائع نہ ہو سکا، اس کے کچھ نسخے مسلم یونیورسٹی مین محفوظ رہ گئے ہین لٹن لائبریری مین مشتاق احمد صاحب اسسٹنٹ لائبریرین اور شاہد شروانی صاحب جس اخلاق سے پیش آئے اس کا بھی مشکور ہون۔

عم محترم جناب بشیر الحق صاحب بیدل دسنوی عظیم آبادی اور جناب امتیاز علی خاں صاحب عرشی بھی لائق تشکر ہین کہ انھون نے خدا بخش خان لائبریری پٹنہ اور کتب خانہ رام پور سے بعض ضروری اقتباسات نقل کر کے بھیجے۔

ہیچمدان

سید صباح الدین عبد الرحمن (علیگ)

۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطب الدین ایبک

۶۰۲ - ۶۰۷ھ

۱۲۰۶ - ۱۲۱۰ء

سلاطین دہلی کی حکومت غلاموں کی بادشاہت سے شروع ہوتی ہے، اور یہ اسلامی مساوات و اخوت کا ایک بہت روشن پہلو ہے کہ غلاموں نے بھی مسند حکومت پر جلوہ افروز ہو کر اپنے آقاؤں ہی کی طرح کشورکشائی اور جہانبانی کی، اور جس تدبر اور ہوشمندی سے زمام سلطنت کو سنبھالا وہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان غلاموں کی پرورش و پرداخت ان کے آقا اپنے خاندان کے افراد ہی کی طرح کرتے تھے، انھوں نے جو تعلیم و تربیت پائی اس سے ان کی گوناگوں صلاحیتیں ابھر آئیں، اور ان کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھی، اقبال نے بھی بڑھ کر ان کے قدم چومے اور انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں ایسے سیاسی، تمدنی اور علمی کارنامے انجام دیے جن پر آج بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

ایبک کی ابتدائی تعلیم

دہلی کے مملوک یعنی غلام سلاطین کی حکومت کا آغاز قطب الدین ایبک سے ہوتا ہے، وہ نسلاً ترکی یعنی ترکستان کا رہنے والا تھا، بچپن میں ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشاپور لے آیا، یہاں اس نے قاضی فخر الدین عبد العزیز کوفی کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد میں سے

تھے، اور نیشاپور اور اسکے مضافات کے حاکم بھی تھے[1]، اپنے علم فضل، دینداری اور تقویٰ کی وجہ سے اپنے عہد کے امام ابو حنیفہ سمجھے جاتے تھے، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ہے:۔

امامے عالم ذو فنون متبحر متقی بسیار فضل متدین از فرزندان امام عالم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ درایام وعہد خود ابو حنیفہ ثانی بود[2]۔

گویا قطب الدین کو اس کی قسمت نے ایسے گھر پہنچایا جو دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا تھا، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ہے کہ قطب الدین نے امام فخر الدین کے گھر میں کلام پاک پڑھنا شروع کیا، اور ان کی برکت سے کلام پاک کی ایسی تعلیم پائی کہ قرآن خواں کے نام سے مشہور ہو گیا،

قرآن در خانۂ آن امام بزرگ آموخت و از برکت نظر او قرآن خوان شد و بدین نام معروف گشت و ترکان ببازی و دویدن و نرد و شطرنج باختن معروف شدند او بقرآن خواندن مشہور گشت و بہ سبب برکت قرآن خواندن اقبال و دولت و دوشنکامی روے بدو آورد[3]۔"

طبقات ناصری کے مؤلف کا بھی بیان ہے کہ قاضی فخر الدین نے اس زر خرید غلام کو اپنے بچوں ہی کی طرح کلام پاک پڑھوایا، اور سواری اور تیر اندازی کی بھی تعلیم دی[4]، فرشتہ رقمطراز ہے کہ قطب الدین اپنے آقا قاضی فخر الدین کے لڑکوں کے ساتھ مکتب جاتا، اور تھوڑے ہی دنوں میں کلام پاک پڑھنے لگا، لکھنے پڑھنے سے واقف ہو گیا، اور دوسرے آداب اور کمالات میں بھی اچھی طرح مہارت حاصل کر لی[5]، قاضی فخر الدین کی وفات کے بعد ان کے کسی لڑکے نے قطب الدین کو کسی تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا، جس نے اس کو سلطان معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا، سلطان نے بڑی قیمت دیکر خرید لیا، اس کی صورت خراب ہونے کے علاوہ اس کی چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی، اس لیے لوگ اس کو ایک شل

---

[1] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۳۸ [2] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ڈے نی سن روس ص ۲۱ [3] ایضاً

[4] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۳۸ [5] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۱، نولکشور پریس۔

(خستہ انگشت) کہتے تھے[1]، آگے چل کر ایک شل کے بجائے عرف ایبک ہی اس کے نام کا جزء ہوگیا،

حالانکہ ایبک کے معنی صرف انگلی ہی کے ہیں،

ترقی مدارج وہ رفتہ رفتہ اپنے اوصاف و محاسن کا سکہ سلطان شہاب الدین غوری اور اس کے درباریوں پر بیٹھاتا گیا، سلطان شہاب الدین نے ایک رات بزم نشاط منعقد کی، خوشی کے عالم میں اس نے تمام غلاموں کو انعام میں چاندی سونے اور روپے پیسے عطا کیے، قطب الدین کو تمام غلاموں سے زیادہ دیا، لیکن جب یہ محفل عشرت ختم ہوئی، اور قطب الدین باہر آیا تو اس نے اپنے سارا انعام ادنیٰ غلاموں میں تقسیم کر دیا، جب اس کی خبر سلطان کو ہوئی تو وہ اپنے ایک غلام کی بلند حوصلگی اور فیاضی سے خوش ہوا، اور اس کو اپنے امراء میں داخل کر لیا، اور اس کی جگہ اپنے تخت کے سامنے مخصوص کی[2]، اور پھر وہ روز بروز سلطان کی آنکھوں کا تارا ہوتا گیا، پہلے تو وہ امیر خور کے عہدہ پر مامور کیا گیا، اور جب غور، غزنین اور بامیان کے سلاطین نے مل کر خراسان کی طرف سلطان شاہ کے خلاف یورش کی تو اس لشکر میں وہ علفچیوں کا سردار تھا، ایک روز وہ اپنے لشکر کے مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کر رہا تھا کہ غنیم کی فوج نے بڑھ کر اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا، قطب الدین ان سے بہادری سے لڑا، لیکن اس کے ہمراہی تھوڑے تھے، اس لیے وہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، انھوں نے اس کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے قید کر دیا، لیکن جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کا آہنی پنجرہ ایک اونٹ پر لاد کر سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا گیا، سلطان نے اس کو پنجرے سے نکالا، اور طوق آہنی کے بجائے موتیوں کے ہار اس کے گلے میں پہنائے[3]، اس کے بعد قطب الدین کے درجات اور بھی بڑھتے گئے، ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں شہاب الدین اجمیر فتح کر کے اور دہلی کے راجہ کو اپنا باجگذار بنا کر غزنیں واپس

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۳۸ [2] ایضاً و طبقات اکبری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ج ۱ ص ۴۱،

[3] طبقات ناصری ص ۱۳۹، فرشتہ ج ۱ ص ۶۱

جانے لگا تو قطب الدین کو کہرام اور سامانہ کا اقطاعدار (ایال) اور ہندوستان کا سپہ سالار بنایا،[۱] قطب الدین نے اس جلیل القدر عہدہ کے فرائض اچھی طرح انجام دیے اور اسی کے ساتھ میرٹھ، دہلی اور رنتنبھور کو تسخیر کر کے اپنے فن سپہگری کے بھی پورے جوہر دکھائے، چنانچہ ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں سلطان شہاب الدین نے اس کو غزنین بلا کر اس کے کارنامے کی داد دی اور بے شمار قیمتی تحفے عطا کیے، غزنین سے واپس ہو کر قطب الدین نے اپنی فوجی سرگرمیاں اور تیز کر دیں، اور جب شہاب الدین غوری قنوج اور بنارس کے راجہ جے چند سے جنگ کرنے کے لیے ہندوستان پہنچا تو قطب الدین اپنے آقا کی پیشوائی کے لیے آگے بڑھا، اور اس کے حضور میں ایک سو عربی گھوڑے، پچاس ہزار سوار، ہاتھی اور اونٹ پیش کیے،[۲] سلطان ان تحائف سے خوش ہوا، اور اس کو پیشرو لشکر بنا کر آگے قنوج کی طرف بھیجا، اس لڑائی میں قطب الدین نے اپنی وفاداری، جانبازی اور سپہگری کا کچھ ایسا ثبوت دیا کہ سلطان شہاب الدین نے اس کو اپنا فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور ایک سفید ہاتھی عطا کیا،[۳] قطب الدین کا ستارۂ اقبال چمکتا گیا، اور اس کی فوجوں اور اس کے فوجی سرداروں کے لشکری گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز گجرات، راجپوتانہ، گنگ و جمن کے دوآب، بہار اور بنگال، ہر طرف سنائی دینے لگی، اور ہر جگہ اس کی فوجیں فتح کا ڈنکا بجاتی اور نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں، لیکن وہ اب تک اپنے کو آقا کا غلام ہی سمجھتا رہا۔

تخت نشینی | جب شہاب الدین غوری شہید ہوا، اور سلطان محمود بن غیاث الدین اس کا شرعی وارث بنا تو اس نے قطب الدین کی عزت اپنے چچا سے زیادہ کی، تخت پر بیٹھتے ہی قطب الدین کو سلطان کا خطاب دیا، چتر اور امارت بادشاہی عطا کی، اور اسی کے ساتھ آزادی کا فرمان بھیجا،

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۳۹، تاج المآثر (نسخہ پروفیسر محمد حبیب، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ)

[۲،۳] فرشتہ ج ا ص ۶۱

قطب الدین نے خلعت اور فرمان کا استقبال دہلی سے چل کر لاہور میں کیا، اور اپنے آقا کے گھرانے سے اپنی وفاداری کی یہ قدر دیکھ کر پھولا نہ سمایا، محمود کا خلعت لے کر ۱۸ ذیقعدہ ۶۰۲ھ (مطابق جون ۱۲۰۶ء) میں لاہور میں تخت نشین ہوا[1] جس کے بعد ہندوستان کی سیاسی، تمدنی، عمرانی اور علمی تاریخ کا ایک نیا شاندار باب شروع ہوا،

لاہور اس وقت نہ صرف فوجی حیثیت سے ایک اہم مقام تھا، بلکہ یہ اربابِ فضل و کمال اور اصحابِ زہد و اتقیاء اور صوفیہ و مشائخ کا مسکن بھی تھا، تاج المآثر میں ہے:

"وخطۂ لوہور کہ مستقر سریر سلاطین و مطلع خورشید ارباب یقین و منشاء اصحاب فضل و تقوی و مامن زہاد و عباد و مسکن اقطاب و اوتاد گشتہ است دار الملک دولت شد"

قطب الدین ایبک نے ایک اجنبی ملک میں اپنی نئی حکومت کی بنا ڈالی، اس لیے اس کو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کو نہ صرف اپنی سلطنت کے حدود کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی دھن رہی، بلکہ بہتر سے بہتر عدل و انصاف، نظم و نسق قائم کرکے لوگوں کے دلوں کی تسخیر کی بھی فکر رہی۔

شاہی القاب اس نے تخت نشینی کے وقت جو القاب اختیار کیے تھے، ان میں مظفر منصور، عادل، مجاہد، غازی، ظہیر الایام، مجیر الانام، کہف الاسلام والمسلمین اور ناصر الاسلام کے بھی القاب تھے،[2]

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۴۰، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ۱۸ ذیقعدہ مرقوم ہے، [2] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں قطب الدین ایبک کے پورے القاب یہ درج ہیں:

ملک موید مظفر منصور، عادل، مجاہد، غازی، قطب الدنیا والدین، کہف الاسلام والمسلمین، اکرم الملوک والسلاطین ظہیر الایام، مجیر الانام، جلال الدولۃ، کمال الملۃ، قاطع الکفرۃ والمتمردین، قاتل الفجرۃ والمشرکین، حامی البلاد، راعی العباد، ناصر الاسلام کاسر الاصنام، شہریار الزمان، ابو الفوارس ایبک السلطانی، نصرۃ امیر المومنین اعلی اللہ شانہ و خلد ملکہ و سلطانہ (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۳۲)

تاج المآثر میں یہ القاب اس طرح درج ہیں: قطب الدنیا والدین، رکن الاسلام والمسلمین، کہف الملوک والسلاطین قاطع الکفرۃ والمشرکین، قاہرۃ الفجرۃ والمتمردین، صفی الایام، رضی الانام، ظہیر الملۃ، مجیر الامۃ، المؤید من السماء، المنصور علی الاعداء، تاج المعالی، عضد الخلافۃ شہریار، غازی خسرو ہندوستان، ابو الحرث ایبک سلطانی نصرت امیر المومنین خلد اللہ دولتہ و اعلی رایتہ۔

مختلف لڑائیوں میں اپنی شجاعت اور بہادری کا جوہر دکھا کر اس نے مظفر منصور، مجاہد اور غازی کے القاب کو حق بجانب ثابت کیا، طبقات ناصری میں ہے کہ

"حق تعالیٰ او را شجاعت و کرمے بخشیدہ بود کہ در شرق و غرب عالم در عصر او بادشاہے را انبود (ص ۱۳۷)

پھر تخت پر بیٹھ کر جس عدل و انصاف کا نمونہ پیش کیا وہی آئندہ نسلوں کے لیے روایت بن گیا، فخر مدبر کا بیان ہے کہ قطب الدین نے تائید ایزدی، تدبر اور اصابت رائے سے اس ملک میں ایسا نظم و نسق قائم کیا اور ایسے قوانین و قواعد بنائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برابر بادشاہی اور حکمرانی کرتا رہا ہو اور عدل کی ایسی بنا ڈالی کہ اس کے لشکر میں ترک، غوری، خراسانی، خلجی، ہندوستانی، راجے اور ٹھاکر وغیرہ سب ہی تھے لیکن کسی کی یہ ہمت نہ تھی کہ گھاس کی ایک پتی یا ایک چپاتی یا جنگل سے بکری یا آبادی سے کسی کی کوئی چڑیا پکڑ لیتا، یا کسی رعیت کا گھر برباد کر دیتا، تاج المآثر کے مؤلف نے بھی اپنے خاص انداز میں لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک کی عدل نوازی کی بنا پر کبک نے باز، دراج نے عقاب اور تدرو نے شاہین سے امن پایا، لومڑی اور ہرن شیر کے پاس اور بھیڑ یا بکری کے نزدیک رہا کرتا تھا، اسکی حکمرانی کی اس عام پالیسی کی بنا پر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اس کے "عادل" ظہیر الایام (زمانہ کی پشت) ظہیر الامت (امت کی پشت) رضی الانام (مخلوق میں مقبول) اور مجیر الانام (مخلوق کی جائے پناہ) جیسے القاب صحیح تھے،

اتباع خلفائے راشدین وہ کہف الاسلام والمسلمین، ناصر الاسلام اور رکن الاسلام بھی کہلاتا تھا، اس نے ان القاب کا بھی اپنے کو مستحق بنایا، فخر مدبر کا بیان ہے کہ وہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ میں خلفائے راشدین کے نمونے پیش نظر رکھتا تھا، چنانچہ سخاوت میں حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کی، عدل میں حضرت عمرؓ کی تقلید کی، دیانت میں حضرت عثمانؓ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا اور شجاعت و مردانگی میں

حضرت علیؓ کی مثال سامنے رکھکر اپنی سپہگری کا جوہر دکھایا[۱]، ظاہر ہے کہ ان محاسن کے ساتھ اس کی حکومت اہل ہند کے لیے کیسی رحمت الہی رہی ہوگی، افسوس ہے کہ اس عہد کے مورخوں نے ان محاسن کا ایک اجمالی بیان دے کر ان کی تفصیل لکھنا غیر ضروری سمجھا، اگر وہ تفصیل بھی لکھتے جاتے تو آج اس عہد کے حکمرانوں کی تاریخ کس قدر روشن، تابناک اور باوقار ہوتی،

شریعت نوازی فخر مدبر نے مختصر طریقہ پر یہ لکھا ہے کہ قطب الدین نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کی زندگی اسلامی اور شرعی نہج پر تشکیل کرنے کی کوشش کی، مثلاً ان کی جائداد سے جتنے غیر شرعی خراج لیے جاتے تھے، ان کو ختم کر دیا، اور شریعت کے مطابق عشر لینے کا حکم جاری کیا، جس سے عام طور پر مسلمان خوش ہوئے، اس کے علاوہ تمام نامشروع بدعتیں بھی دور کر دیں، اور سنت کی پیروی کرنے اور کرانے کی عام تلقین کی، اور اس کو اس میں کامیابی بھی ہوئی، اس کی تصدیق تاج المآثر کے حسب ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے:

"شعار شرایع اسلام بہ غایت ظہور انجامید، ومناہج وشعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست وآفتاب سعادت از افق تائید بر دیار ممالک نور انداخت وماہ جلالت از سپہر کامگاری بر عرصہ ممالک سایہ افگند وروضۂ دین بہ عقل زرین نضارت از سر گرفت وبیضۂ اسلام برائے متین آرایش بے نہایت یافت

تاج المآثر کے مؤلف کا بیان یہ بھی ہے کہ شرع وسنت کی ترویج میں احکام حنفی کا خاص لحاظ رکھا گیا،

وعذبات وآیات شرع وسنت تنسیم صبح ہدی خافق گشت واعلام احکام حنفی سر بذروۂ کیوان واوج گنبد گردان افراخت۔"

---

[۱] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۵۹-۵۴

چنانچہ شریعت کی پابندی نیکی و خیرات، تسبیح و تہلیل کا عام رواج تھا،

در اظہار شرع و منار اسلام تاکید بسزا رفت و بنائے طاعات و ارکان خیرات افراشتہ آمد، و رسوم بدعت و قوانین ضلالت اندراس پذیرفت .... و زجل تسبیح و تہلیل و الحان مؤذنان بکیواں رسیدہ[1] ....

قطب الدین نے بچپن میں ایسے گھر میں زندگی گذاری تھی جس کے ہر فرد کے رگ و ریشہ میں شریعت اور خصوصاً فقہ سرایت کر گئی تھی، اس لیے وہ بادشاہ بنکر شرعی اور فقہی احکام کی تعمیل کرانے میں سرگرم رہا، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ زمانہ بھی وہ تھا جبکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان میں قدم رنجہ فرما کر اس سرزمین کو اسلام کے انوار و تجلیات سے معمور کر رہے تھے، ایک طرف وہ اپنی بے نفسی، سیرت کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جلالت و عظمت قائم کر رہے تھے تو دوسری طرف قطب الدین اپنی نبرد آزمائی، عدل گستری، شریعت نوازی اور رعیت پروری سے اسلام کی سطوت و حشمت کا سکہ بٹھا رہا تھا، اور دونوں کی نیتوں میں اخلاص تھا، اس لیے جس دین اور سیاست کا پرچم دونوں نے لہرایا وہ اس سرزمین پر برابر لہراتا رہا۔

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نزول اجلال راجہ پتھورا کے زمانہ میں ہوا، اور ان کا وصال سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں ہوا، قطب الدین ایبک اپنے آقا شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان آیا تو اس وقت حضرت خواجہ اجمیر ہی میں مقیم تھے، ان کی مدت قیام میں قطب الدین کئی بار اجمیر شریف گیا، لیکن تذکروں اور تاریخوں میں دونوں کی ملاقاتوں کا کوئی ذکر نہیں، قیاس یہی کہتا ہے کہ دونوں میں ضرور ملاقاتیں ہوئی ہونگی اور قطب الدین کو حضرت خواجہ معین الدینؒ سے مل کر جو فیوض حاصل ہوئے ہوں گے، ان کی بدولت اس میں اسلام کی خدمت کا جذبہ اور بھی زیادہ پیدا ہوا ہوگا۔

---

[1] تاج المآثر قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر محمد حبیب، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

لیکن تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے، اس لیے ہم بھی اس کے متعلق کچھ لکھنے سے قاصر ہیں،

علم نوازی

قطب الدین کو اپنے لوازم شاہی کے سلسلہ میں معارف نوازی اور علم پروری کی بساط بھی بچھانی تھی، اس کا وقت تو زیادہ تر ایک نوزائیدہ سلطنت کے سنوارنے میں گذرا، پھر بھی غزنین اور غور کی روایات کے مطابق وہ علماء، فضلاء اور شعراء کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیتا اور ان کی سرپرستی کرتا رہا، تاج المآثر میں ہے:

"توقیر واحترام علمائے دین کہ ورثۂ انبیاء وخزنۂ علوم شریعت وحقیقت اند و بشرف قربت ومزیت درجۂ اختصاص یافتہ واجب ومتعین دانست واعزاز واکرام ایشان بر وفق کتاب وسنت مقدمۂ بختیاری وعمدۂ جہانداری شناخت۔"

ان علماء کی قدر دانی کا ذکر ایک جگہ اور تاج المآثر میں اس طرح ہے:

"وائمۂ وعلمائے دین کہ نگین خاتم شریعت وواسطۂ قلادۂ سنت ودر درج فتوی وعقد درج تقویٰ ومرکز دائرہ علم وقطب فلک فضل وماہ آسمان معانی وخورشید سپہر معانی اند......
بلطف اعزاز ونواخت کرامت وتشریف اسپ وساخت اختصاص یافتند۔"

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود وسخا میں مشہور تھا، بادشاہ ہونے کے بعد اسکی فیاضی وداد ودہش کے واقعات ضرب المثل ہوگئے، وہ انعام واکرام میں لاکھوں روپئے تقسیم کردیتا، اور اسکی یہ زرپاشی صرف اس کے اہل دربار ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ ہر محتاج اور ضرورت مند اس کی سخاوت سے فیضیاب ہوتا تھا، اسی لیے وہ لک بخش کے نام سے مشہور ہوا۔ شعراء اور فضلاء بھی اس کے خوان کرم سے متمتع ہوتے رہے، جن میں سے ہم یہاں بعض کا ذکر کرتے ہیں

بہاء الدین اوشی

مولانا بہاء الدین اوشی اوش سے ہندوستان آئے، اپنے زمانہ کے مشہور شاعر اور ادیب تھے۔

عوفی نے لباب الالباب میں ان کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا۔

"الامام الاجل بہاء الدین محمد الاوشی، ایک خوشگو واعظ، جوان طبع، انشاء پرداز اور فصیح لطیفہ پرداز تھے۔[1] ہمیشہ اپنے کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ اے بہا اوشی تو بہاؤ اوشی (یعنی اے بہا، او شی تو اوش کی رونق ہے) ان کی نظم بھی پسندیدہ اور خوشنما ہوتی تھی، لیکن ان کی نثر نظم سے بہتر تھی، اور تمام معاصر فضلاء نے انصاف کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ بدیہہ گوئی میں کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا۔[2]

ہندوستان آکر قطب الدین ایبک کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور اس کی شان میں قصائد کہہ کر اپنی خوش گوئی اور فصیح البیانی کی داد لیتے، اور اس کے فیض و کرم سے سیراب ہوتے، مندرجۂ ذیل قصیدہ میں انھوں نے قطب الدین ایبک کی بہادری، فیاضی اور عدل پروری کا ذکر حسین والہانہ انداز سے کیا ہے، وہ سلطان وقت کی ذات سے ان کی شیفتگی اور خود سلطان کی علم پروری کی دلیل ہی،

اے قطب آسماں کہ ز سہم دز باسِ تو ۔۔۔ در روز رزم رستم خونخوار بشکند

از شرم فیض قلزم مواج کفِ تو ۔۔۔ در وقت بزم بحر گہربار بشکند

قطبی و آفتاب ز نور تو وام خواست ۔۔۔ گر رد کنی ز تو دل آن یار بشکند

در قدر تو بگرد فلک برنیامدی ۔۔۔ ہم کار و بار گنبد دوار بشکند

ناہید گر نہ گوید مدحِ تو در نوا ۔۔۔ زخمہ اش بوقت زخم بر او تار بشکند

بے بوئے خلق تو نتواند صبا بعمد ۔۔۔ کز جعد زلف یار یکے تار بشکند

بر ہر کہ بوئے خلق تو روزی گذر کند ۔۔۔ او آرزوے نافۂ تاتار بشکند

اسرار روزگار بہر ست ورائے تو ۔۔۔ ہر روز بکر نامۂ اسرار بشکند

تو مرکزی و چرخ چو پرکار گرد تو ۔۔۔ یکسر اگر شود ز تو کار بشکند

---

[1] ان کے کچھ لطیفے لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۰ پر درج ہیں [2] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۰

خارے کہ پائے بے زرۂ خصم تو بخست	دستِ زمانہ خود سراں خار بشکند
در گردِ صیتِ تو نرسد خوش رو صبا	سیار تیز رو نہ ز طیار بشکند
بازار ظلم اگر بشود گرم در جہان	از عدلِ تو ستم را بازار بشکند
از نشکند ردیف نکردم ز بہر آں	تا یاد شعر طرہ بہنجار بشکند
باد احیات ذات تو جفت ثبات و عز	تا آنگہے کہ طاق نگو نسار بشکند[۱]

اوپر کہا جا چکا ہے کہ قطب الدین اپنی فیاضی کی وجہ سے لک بخش مشہور تھا، مولانا بہار الدین اوشی نے اس خطاب کے ساتھ اس کی مدح اس طرح کی ہے

اے بخشش لک تو در جہان آوردہ	کارا کف تو کار بجان آوردہ
از رشک کف تو خون گرفتہ دل کان	وز لعل بہانہ درمیان آوردہ

ان اشعار کو تمام مورخوں نے نقل کیا ہے، لباب الالباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بہار الدین ہندوستان سے مراجعت کر کے اپنے وطن اوش چلے گئے، اور وہاں وہ شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور ہوئے، روز روشن میں ان کی وفات کی تاریخ ۶۰۷ھ درج ہے۔

جمال الدین محمد

قطب الدین ایبک کے ایک دوسرے درباری شاعر کا نام عوفی نے الصدر الاجل افتخار الملک افضل العصر جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے جس کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ عوفی کے اس بیان سے ہوگا۔

"فضل و بزرگی کے فلک پر ایک قطب اور مجد و بزرگواری کے آسمان پر ایک چاند تھا، اپنے فضائل میں عدیم المثال، اور فنون میں بے نظیر، بلاغت و براعت میں تمام معاصروں سے سبقت لے گیا تھا، برسوں ملوکِ جبال کی دولت سے فیضیاب ہوتا رہا۔......... اس کے مؤلفات

[۱] لباب الالباب از محمد عوفی جلد اول ص ۱۸۹

تمام اطراف میں مقبول ہیں، .... مجلس آرائی شہابی اس کی ایک مختصر لیکن بہت مفید تصنیف ہے، اس سے اس کے فضل و کمال کا اظہار ہوتا ہے، اس کے اشعار میں لطافت اور فصاحت ہوتی ہے، اور دونوں زبان میں اس کے شعر ہیں۔" (جلد اول ص ۱۱۰)

قطب الدین ایبک نے جمال الدین محمد کے علم کی بھی پوری قدر دانی کی اور اس کے التفات شاہانہ سے جمال الدین محمد کی زندگی عیش عشرت میں گذری، عوفی رقمطراز ہے کہ

"واز اقبال سلطان سعید با عیشے حمید روزگار گذاشت"[1]

جمال الدین محمد بھی شاہی لطف و عنایت کا معترف ہو کر آقا کی مدح میں قصیدے لکھتا اور اپنی شاعری کا جوہر دکھاتا، ایک قصیدہ میں لکھتا ہے،

خداوندا شہے گیتی ستانے	کہ شاہاں جہانش بندگانند
گہے آثار او در ہند بینند	گہے فرمان او در روم خوانند
چو خصمانرا از باس او یقین شد	ہم از ہستی خود اندر گمانند
گہے در خدمتش قائم چو تیر اند	گہے نالاں ز بیمش چوں کمانند
ندارند از جنایت مجرمان باک	اگر از رحمت و عفوش بدانند

ایک دوسرے قصیدہ میں کہتا ہے،

آن مظفر کامگار و آن موید نامدار	آن مکرم شہریار و آن مبارک پادشاہ
عاملی در صدر مسند لشکری در خسم زین	آسمانے در قبا و آفتابے در کلاہ
صورت بخشش چو بر تخت مبارک دید گفت	ایزت روشن رائے ذات و ایزت زیبا روئے شاہ
آنکہ حلم طبع او وقت طلوع آفتاب	زرد رخ دارد ز خجلت کوہ را مانند کاہ

[1] لباب الالباب جلد اول ص ۱۱۰

آخر ماہ از شعاع روی او پنہان شود	اول مہ رخ نماید سر فرو افگندہ ماہ
فرط عدلش آہوان را پاسبان خواہد ز شیر	فیض اقبالش ز سنگ خارہ روید گیاہ
پاس او گر شعلۂ در عرصۂ عالم زند	آتش فتنہ بظل رحمتش جوید پناہ
در بدا ند لذت عفوش کہ چند و تا کجاست	ہر زمانے تازہ گردد مہر جانے بر گناہ
چون بعوت ہاے قدرت بر سر کیوان نہاد	گنبد آئینہ گون گرد از زبان صبح آہ
بر بساط بارگاہ و ساحت درگاہ اوست	گاہ قیصر بار خواہ و گاہ خاقان داد خواہ[1]

قاضی حمید الدین قطب الدین ایبک کے دربار کے تیسرے پروردہ شاعر کا نام عوفی نے القاضی الامام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر المحمودی لکھا ہے، عوفی اس کے علمی فضائل اور شاعرانہ کمال کا بہت مداح ہے، اور اس کو "قدوۂ افاضلِ عصر و والی و متصرف بر ولایت نظم و نثر" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ

"رسالت و منشآت او دریں بلاد مشہور ست و بر زبانہاے فضلا مذکور"

ان رسائل و منشآت کا نام معلوم نہ ہو سکا، البتہ اس کے کلام کے نمونے لباب الالباب میں ہیں، سعد الدین مسعود نے ایک بار اس کو ایک قطعہ لکھ بھیجا، اس قطعہ کی ردیف عقیق تھی، جب یہ قطعہ علی بن عمر المحمودی کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں، اسی حالت میں اس نے قطعہ کا حسب ذیل جواب لکھ کر سعد الدین مسعود کو ارسال کیا،

فرزانہ سعد دولت و دین صدر اہل فضل	دور از تو ہست چشم من از درد چون عقیق
در جزع دیدگانم چو درّی کہ داشتم	گشت از رمد بعینہٖ آن در کنون عقیق
از کان عقیق زاید و از بحر چشم من	برعکس آید ہر دم برون عقیق

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۱۹، اس تذکرہ میں جمال الدین محمد کے کلام کے اور بھی نمونے ملیں گے۔

زین پیش بحر رویم ہر گز شبہ نداد	واکنوں چہ شد کہ دادم این دہر دون عقیق
از دیدہ در دو دیدہ چو بہتر شود مرا	سازم ردیف مدح توائے ذو فنون عقیق[۱]

عوفی نے السید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"مدتہا دیوان انشا سلطان شہید بر ہم او بود"

عوفی نے "سلطان شہید" کا لقب قطب الدین ایبک اور معز الدین سام شہاب الدین غوری دونوں کے لیے استعمال کیا ہے، میرا خیال ہے کہ ظہیر الدین سلطان معز الدین ہی کی ملازمت میں ہوگا، کیونکہ عوفی نے قطب الدین ایبک کے حریف تاج الدین یلدز سے ظہیر الدین کے گہرے تعلقات کی کچھ تفصیل لکھی ہے، ظاہر ہے کہ قطب الدین ایبک کے دربار سے وابستہ ہونے کے بعد ظہیر الدین یلدز کے دربار سے منسلک نہیں ہو سکتا تھا، ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اس کی دو رباعیاں پیش ہین، اس سے اسکے کلام کے رنگ کا کسی قدر اندازہ ہوگا،

(۱)

یک ذرہ چو نیست در منت لستگئی	منمائے دل ریش مرا خستگئی
کم کن جفا و جور چند انک دلم	خو باز کند از تو باہستگئی

(۲)

اگر سیفیی با تو طریق جور سپرد	جفات گفت بیاز روت از جنون دعنہ
بعافیت نظرے کن بعافیت میزی	مقابلہ چہ کنی مر سفیہ را بسفہ

تاج المآثر | اس عہد کی مشہور و معروف تاریخ تاج المآثر قطب الدین ایبک ہی کی خواہش پر لکھی گئی ہے، اسکا مؤلف حسن نظامی نیشاپوری تھا[۲]، وطن میں سیاسی اختلال و انتشار سے جب اس کی قدر نہ ہوئی، تو قسمت آزمائی

---

[۱] لباب الالباب ج ۱ ص ۲۰۵ [۲] پروفیسر عندلیب شادانی نے اپنے ایک مقالہ میں حسن نظامی نیشاپوری کو چہار مقالہ

(باقی حاشیہ ص ۱۸ پر)

کے لیے غزنی پہنچا، یہاں کے زمانۂ قیام میں بہت سے علماء و فضلاء کے ساتھ اس کے روابط قائم ہوئے
اور یہیں سے ہندوستان کی دولت کی شہرت سن کر اپنے چند دوستوں کے ساتھ دہلی روانہ ہوا، اور
سفر کی ناقابل برداشت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد دہلی پہنچا، اور قاضی القضاۃ شرف الملک[۱]
کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اس کی بڑی پذیرائی کی جب اس کی علمی صلاحیتوں کی شہرت ہوئی
تو اس کے دوستوں نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ سلطان وقت کی خواہش کے مطابق اس کے عہد کی تاریخ
قلمبند کرے، قطب الدین ایبک نے اسی زمانہ میں اپنے فتوحات کا حال لکھنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ
حسن نظامی نیشاپوری نے ۶۰۲ھ میں کتاب لکھنی شروع کی جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک کے
واقعات پر مشتمل ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد بھی
تصنیف جاری رکھی،

یہ کتاب اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے حالات میں
پہلی تاریخ ہے، شروع میں سلطان معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر
آخری پانچوں حملوں کا ذکر ہے پھر قطب الدین ایبک کے عہد حکومت کی تفصیل ہے، اس کے بعد آرام شاہ
کا تو ذکر نہیں، لیکن شمس الدین التمش کے عہد کے پہلے سات سال کے سیاسی و حربی واقعات ہیں[۲]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴) کے مؤلف نظامی عروضی سمرقندی کا لڑکا بتایا ہے (روداد ادارہ معارف اسلامیہ ۱۹۳۶ء) کشف الظنون
جلد اول ص ۲۱۱ میں تاج المآثر کے مؤلف کا نام صدر الدین محمد بن الحسن النظامی مرقوم ہے،

[۱] پروفیسر حبیب کے نسخہ میں صدر اعلیٰ شرف الملک" مرقوم ہے۔ [۲] اس کتاب کے تاریخی واقعات کی سرخیاں یہ ہیں:
(۱) فتح اجمیر (۲) رسالت فرستادن برائے اجمیر (۳) تفویض ایالت اجمیر بہ پسر رائے پتھورا (۴) فتح دہلی (۵) صفت قلعۂ دہلی
(۶) صفت لشکرگاہ در حدود دہلی بموضع اندپت (۷) ذکر ایالت کہرام و سامانہ (۸) صفت سواری بادشاہ از جہت شکار
و لوازم آں (۹) انہزام جتوان و کشتن او در جنگ (۱۰) ہزیمت کفار (۱۱) استخلاص میرٹ دو ہلی۔ (باقی صفحہ ۱۶ پر)

یہ تاریخ شروع سے آخر تک بہت ہی مرصع، مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے، تحریر میں طرح طرح کی صنعتیں دکھائی گئی ہیں، جنگ کے اسلحہ مثلاً تیغ، نیزہ، تیر، خم کمند وغیرہ، بزم کے لوازم مثلاً ساقی، مے، حباب بر پیالہ، ارباب طرب، چنگ، بربط، کمانچہ، دف، جشن، عشرت وغیرہ، قدرتی مناظر مثلاً ماہ نو، شب کواکب، گل، گلزار وغیرہ، مختلف موسموں مثلاً بہار، خزاں، تابستان وغیرہ، مختلف فصل مثلاً خریف، سشتا، خزان، وغیرہ کے بیان میں ورق کے ورق رنگ دئے ہیں، اسی طرح ہاتھی، گھوڑے، خربزے، قلم، آگ، طبیب، بیماری اور صحت وغیرہ پر صفحے کے صفحے بھرے ہیں، بظاہر صفت (صنعت) وصف نگاری کا کمال دکھانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس وصف نگاری میں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵) (۱۲) عصیان ہیرراج، برادر رائے اجمیر (۱۳) نہضت مبارک بر صوب غزنہ (۱۴) رجوع شاہجہان بمقرہ عز و دولت دمرکز سعادت (یعنی دہلی) (۱۵) مسجد آدینہ (۱۶) نہضت مبارک بو بہست قلعہ کول وخطہ بنارس (۱۷) استخلاص حصن قلعہ کول وضبط آن زمین (۱۸) جنگ بنارس باجے چند کہ رائے قنوج بود (۱۹) اتفاق عزیمت رایات اعلی بہ طرف غزنہ (۲۰) نہضت مبارک بہ طرف کول وتفویض ولایت آن موضع بہ ملک الامرا حسام الدین علیک (۲۱) مراجعت بحضرت دہلی (۲۲) فتح اجمیر کرت دوم (۲۳) فتح قلعہ تھنکر (۲۴) تفویض ایالت تھنکر بہ بہاءالدین طغرل (۲۵) فتح کالیور و مراجعت بدار الملک (۲۶) جنگ نہروالہ و انہزام رائے نہروالہ (۲۷) فتح قلعہ کالنجر (۲۸) صفت حصار کالنجر (۲۹) تفویض قلعہ کالنجر بہ ہزبر الدین حسن ارنب (ارنال) (۳۰) مراجعت خداوند سلطان السلاطین از خوارزم وغزنہ کوکر (۳۱) شہادت خداوند سلطان السلاطین معز الدین والدین محمد سام انار اللہ برہانہ (۳۲) مرتب شدن امرائے اطراف در سلک خدمت ومسلم شدن ممالک ہند وسند بہ ملک قطب الدین ایبک (۳۳) وفات خداوند سلطان سعید قطب الدین والدین ایبک

پروفیسر محمد حبیب (مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ) کے نسخہ میں شمس الدین التمش کے عہد کے واقعات نظر سے نہیں گذرے جو شاید نقل کرنے سے رہ گئے ہیں۔

لفظی صنائع زیادہ ہین، نثر مرجز (یعنی وہ نثر جس کے دونون فقرون کے کلمات مقابل ہم وزن ہون، مگر ہم قافیہ نہ ہون) کے نمونے ہین، کہین سجع مطرف کی مثالین ہین، (یعنی دو فقرون کے کلمے وزن مین اور ردی مین متفق) اور کہین سجع متوازی ہین (یعنی دو فقرون کے کلمے وزن اور ردی دونون مین متفق) اور کہین پہلے فقرے کے تمام الفاظ دوسرے فقرے کے تمام الفاظ کے وزن اور ردی مین پوری مطابقت رکھتے ہین، یعنی بالکل مرصع ہین، یہ آرٹ اس عہد مین وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، مگر اب یہ آرٹ خصوصاً نثر مسجع ونثر مرصع موجودہ ذوق پر گران گزرتی ہین، کہا جاتا ہے کہ اس مین بارہ ہزار سطرین ہین جن مین سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہین، بقیہ سطرون کو منظوم منثورات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا،

اس میں شک نہیں کہ حسن نظامی نے یہ کتاب لکھ کر ادب وانشاء میں اپنی غیر معمولی مہارت و قدرت کا ثبوت دیا ہے، مگر شاید اس زمانہ میں مرصع و مسجع انشاء پردازی کے لیے ہندوستان کی فضا سازگار نہیں ہوئی تھی، اس لیے حسن نظامی کا طرز انشاء مقبول نہیں ہوا، چنانچہ اس عہد کی تاریخوں میں طبقات ناصری کی زبان تو بہت آسان اور عام فہم ہے، تاریخ فخرالدین مبارک شاہ کی تحریر طبقات ناصری کی طرح سادہ تو نہیں لیکن تاج المآثر کی طرح پر تکلف بھی نہیں، ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کہیں کہیں ترصیع تکرار لفظی و معنوی، خطابت اور شاعرانہ تخیل سے کام لینے کی کوشش تو کی ہے، لیکن وہ مرصع نہیں ہونے پائی ہے، بلکہ اس کی رنگیں بیانی میں موجودہ مذاق کے مطابق بھی ادبی شان ہے، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں بھی زیادہ لفظی اور معنوی تصنعات نہیں ہیں، یحییٰ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی کی زبان تو بہت ہی سادہ ہے، مسجع اور مرصع انشاء پردازی، درحقیقت پرشکوہ اور پر تکلف تمدن کا نتیجہ ہے جو اس وقت پیدا نہ ہوا تھا، تیموری بادشاہوں کے دور میں ابوالفضل نے اکبر نامہ میں جو طرز اختیار کیا تو وہ اس دور کے تمدن کا لازمی نتیجہ تھا، سلاطین دہلی کے زمانہ میں تمدن کے مظاہر میں شوکت و جلال کا تو مظاہرہ تھا لیکن تصنع اور تکلف سے وہ

پاک تھا، اسی لیے اس عہد کی زبان بھی بہت زیادہ پر تکلف نہیں تھی۔ اس کا اطلاق امیر خسرو کی زبان پر کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نظم و نثر دونوں میں اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے اور ہر رنگ میں زبان و قلم کا جوہر دکھاتے تھے۔

تاج المآثر کے انشا، کے تکلف، تصنع اور آورد کے باوجود اس کے تاریخی واقعات میں سقم نہیں پایا جاتا۔ اس کا مؤلف ہندوستان کا پہلا مورخ ہے جس کی اصل کتاب محفوظ رہی، اور اسی کی بدولت قطب الدین ایبک کی زندگی کے حالات بعد کی نسلوں کو معلوم ہوئے، ورنہ ہندوستان کے پہلے مسلمان فرمانروا کے بعض اہم کارناموں پر تاریکی کا پردہ پڑا رہتا، تاریخ فخر الدین مبارک شاہی کے مؤلف نے قطب الدین ایبک کے تھوڑے بہت حالات اسی کو سامنے رکھکر قلمبند کیے ہیں، طبقات ناصری سے قطب الدین ایبک کے حالات ضرور معلوم ہوتے ہیں، لیکن وہ کچھ ایسے مختصر ہیں کہ ایبک کی ابتدائی زندگی خصوصاً اس کی سپہگری اور نبرد آزمائی کی تفصیلات اس سے ظاہر نہیں ہوتی ہیں، تاج المآثر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی ہوشمند سپہ سالار اور شیر دل سپاہی تھا، بڑی تیز رفتاری سے اپنے ہمراہ فوجیوں کو راستے طے کراتا، جتوان کے خلاف ہانسی کی طرف فوج لے کر بڑھا تو ایک رات میں تقریباً ۸۰ میل کی مسافت طے کی۔ اپنے نیزوں سے میدان جنگ میں قوی ہیکل ہاتھیوں کو گرا کر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ کول کی جنگ میں تین ہاتھیوں کو اپنے تیروں سے ڈھیر کر دیا، اپنے آقا معز الدین سام کے ساتھ بنارس کی جنگ میں شریک ہونے کے لیے دہلی سے روانہ ہوا تو راستے میں چار خونخوار شیر اپنی تلوار سے ہلاک کر دیئے۔

قطب الدین ایبک کی بعض جنگی فتوحات کو بھی طبقات ناصری کے مولف نے حذف کر دیا ہے، مثلاً ہانسی کے پاس قطب الدین ایبک اور جتوان کی جنگ کا ذکر طبقات ناصری میں بالکل نہیں، حالانکہ اس لڑائی میں قطب الدین کی فتح و کامرانی اس کی سپہگری کا بڑا کارنامہ ہے جو تاج المآثر ہی

کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے، اس کے مؤلف نے اپنے مخصوص زورِ قلم سے اس جنگ کی پوری تصویر کھینچی ہے، جس کے بعض حصے یہاں پر اس لیے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں کہ اس کی عبارت آرائی کے نمونے بھی سامنے آ جائیں،[1]

رمضان المبارک ۸۵۸ھ میں حیوان نے ہانسی میں نصرۃ الدین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا،

"وچوں ماہ معظم رمضان سنہ ثمان ثمانین وخمسمایہ کہ موسم رحمت وموعد مغفرت است استقبال نمود، بدرگاہ ہمایوں خبر تازہ شد کہ حیوان لعین غرور شیطان در دماغ گرفتہ است وکلاہ سروری وسرکشی بر سر نہادہ ودر پایۂ قلعہ ہانسی بجنگ نصرۃ الدین سالارے برآوردہ بالشکرے یک دل کہ موقف جان سپاری وہنگامۂ سواری ....

قطب الدین کو خبر ملی تو اپنی شجاعت کا جوہر دکھانے کے لیے بے تاب ہوگیا،

"واز وصول ایں خبر در دل خسرو شیر دل آتش حمیت زبانہ زد وگوہر شجاعت خاصیت پیدا کرد وبجہت نصرت اسلام سوسن وار کمر بست وچون گل تازہ خندان شد"

اور بڑی تیزی سے دشمن کی سرکوبی کے لیے بڑھا،

"وبادکردار سوئے آتش پیکار روئے نہاد وسمند باد رفتار ابر کردارش در گرد چشمۂ خور نہان کرد وخاک با ماہ ہمراز گردانید"

اس کے ساتھ تیز رفتار سوار بھی تھے، جو شیروں کی طرح بہادر اور بہت ہی مشاق اور چابکدست تیرانداز اور شمشیرزن تھے،

"وشیر فلک پیش شمشیر ایشان چوں شیر عود سوز خوار بودے وشیر بیشہ چوشیر گرمابہ بے قدر نمودے واز عقاب خدنگ ایشان سر طائر پہلوتہی کردے وقبہ زرین شیر گراں گردوں تیغ زنگ

---

[1] ان اقتباسات میں بیچ بیچ کی بعض عبارتیں خصوصاً فارسی اور عربی اشعار حذف کر دیے گئے ہیں،

چون تن خارپشت پر خار پیکان شدے، ماہی سپہر دولابی بساں کشف سر در کشیدے و کژدم این طاس آب گوں نیش در دم نہاں کردے و دل در بر خرچنگ نارنگی بساں آثار شگافتہ گشتے و ہر یک بنوک ناوک در شب بہ حکم بے آزار نقط سپید از سابقہ چشم برداشتے ....

لشکر کے علم پر چاند کا نشان تھا، اور قطب الدین کا چتر سیاہ تھا۔

و از ماہ رایت خسرو تاج خورشید بود، و از گوشۂ چتر سیاہش سایہ بر گردوں افتادہ و ابر خاک مواکب و کتائب او بدیدہ آب می زد و باد غاشیہ رخش آتش پائے او بر دوش می کشید۔

ان سواروں کی ہیبت سے پورا ہندوستان لرزتا تھا،

و کشور ہند از ہیبت سواران دشت محشر شد و مرکز خاک از بے قراری فلکے دیگر گشت گفتی آسمان از عکس تیغ و خنجر دریائے اخضر است و روئے ہوا از رایات سرخ و زرد دیبائے پر از زر ......

سرخ اور زرد علم پر چاند کے علاوہ شیر کا بھی نشان ہوا کرتا تھا،

و اژدہائے فلک از بیم اژدہائے علم نگوں می شد و شیر چرخ از شیر رایت بجاں امان می خواست ....

قطب الدین اپنے لشکر بے کراں کے ساتھ جو ان کے خلاف مہم پر روانہ ہوا،

و خسرو با چنیں لشکر بے کراں .... و از شرہ کارزار و شغف پیکار شتابندہ از ابر و باد بر روئے گردوں و صحن ہامون در دل شب تار رواں شد ....

اس نے اپنی فوج کے ساتھ رات بھر میں بارہ فرسنگ کی مسافت طے کی،

خسرو فیروز جنگ کہ ہمیشہ افسر و گاہ او برتر از گنبد مہر و ماہ باد در یک شب دوازدہ

فرسنگ براند، رہے کشندہ کہ مرغ از فراز کہسار آن دشوار گذشتے و باد از مساحت

دشت آن عاجز آمدے۔

چتوان نے اس فوج کی آمد پر پریشان ہوکر راہ فرار اختیار کی لیکن جب قطب الدین کی فوج

باگر کی سرحد تک پہنچ گئی تو چتوان مجبوراً جنگ کے لیے آمادہ ہوگیا۔

وبا آنکہ چتوان را مکنت مقاومت و مجال جنگ نبود اما چہ بنا کام خود را در کام

اژدہائے قتال دید و راہ ہزیمت و گریز بستہ و رایت دولت و اعلام نصرت خسروی

کشادہ بہ ضرورت حال نہ از سر اختیار کہ .... خنجر کین از نیام عداوت

برکشید و باد کردار گرد فتنہ برانگیخت و بہ تیغ آبدار آتش حرب افروخت

لڑائی شروع ہوئی تو ارنے بھینسے کے چمڑے کے نقارے پر ضرب لگائی گئی اور دوسرے

جنگی ڈھول باجے مثلاً تبیرہ، سپید مہرہ، طبل، دمامہ، نائے رومین کی آواز سے میدان جنگ

گونج اٹھا

و از نعرۂ جدال بر کوس چرم گوزن خروش برآوردہ و بانگ تبیرہ و آواز سپید مہرہ جان

بر سر گرفت........ و رعد آوار طبل دمامہ بعیوق برآمد و دم نئے رومین نفخ صور

پیدا آورد........

دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی ہوتی ہے:

و ہر دو لشکر چون دو دریائے اخضر در تموج آمدند و بسان دو کوہ پولاد بر یک دیگر

حملہ کردند و ہوائے نبرد از گرد سیاہ در شعر سیاہ شد و زمین جنگ از خون دلیران لعل پوش گشت

مؤلف نے قطب الدین کی نبرد آزمائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے جنگ کے ایسے

شعلے بلند کیے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، خون سے میدان جنگ رنگین ہوگیا، مخالف سرداروں کے

سروں کے ڈھیر لگ گئے:

وشہریار سیر شکار بزخم پولاد از سنگ خارہ آتش می افروخت واز کشتہ وخستہ ممر بادبستہ می کرد واز خون بہ نعل اسپ رنگ لعل بدخشاں می داد وسر سروراں در پائے بادپایاں چوگوی وزخم چوگان می افگند واز زبان زبان سنان آبدارش آتش حرب زبانہ می زد وبہ لمعان برق زخم شہاب دار روئے ہوائے فروخت واز خون بہ سنگ وریگ رنگ یاقوت رمانی ولعل بدخشانی می بخشید واز بیم چہرہ بے رنگ زہرہ گونہ زرد زریہ می یافت ....

جتوان کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا

جتوان کہ مایہ شر و فساد و اصل کفر و عناد بود وہم نشین وہم ندیم ندم شد و اعلام شرک ورایات ضلالت او بدست قہر نگوں گشت

مذکورۂ بالا جنگ کی تفصیل کے علاوہ رائے پتھورا کے بھائی ہرراج کی بار بار بغاوتوں کا ذکر بھی تاج المآثر ہی میں ملتا ہے، طبقات ناصری کے مؤلف نے اس کو نظرانداز کر دیا ہے، اسی طرح کول کی فتح، گوالیار پر قبضہ، کالنجر کی تسخیر وغیرہ کی جو تفصیلات تاج المآثر میں ہیں وہ طبقاتِ ناصری میں نہیں ہیں، البتہ جب قطب الدین ایبک نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تو اس وقت سے اس کی موت تک کے حالات تاج المآثر میں زیادہ نہیں ہیں۔ اس مدت کے واقعات کے لیے طبقاتِ ناصری ہی کا مطالعہ مفید ہے،

تاج المآثر میں کہیں کہیں سنین کی غلطیاں بھی ہیں، لیکن بقول پروفیسر عندلیب شادانی، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ غلطیاں مؤلف کی ہیں یا کاتب کی ہیں، طبقات ناصری کے مؤلف نے نثر عاری کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ معلومات کم سے کم سطروں میں فراہم کر دیئے ہیں لیکن تاج المآثر کا مؤلف اپنے قلم کی زنگارنگی اور بوقلمونی دکھانے میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ سطروں میں کم سے کم معلومات فراہم ہوتے ہیں، لڑائی کے بعد منہدم مندروں اور ہندو مقتولین کی

تعداد بتانے میں تو اس کا قلم بالکل ہی بے قابو ہو جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی تحریر میں اور بھی زیادہ غلو پیدا ہو گیا ہے، مثلاً ہانسی میں جب وہ ان کو شکست ہوئی تو لکھتا ہے کہ یہ علاقہ شرک سے بالکل ہی پاک ہو گیا،

و بہ خنجر آبدار خاک رزمگاہ بخون آن مخذول سرشتہ شد و عرصۂ ممالک از نجاست

شرک آن شستہ آمد"

البتہ مؤلف نے اپنے عہد کی دہلی کی جامع مسجد کی جو تصویر کھینچی ہے، اس میں عقیدت اغد مفید معلومات کے علاوہ اثر اور کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً اس کی دیوار کے بارہ میں رقمطراز ہے،

دیوارش کرھی اعلی من مناط الثریا دست ارتفاع در کمر جوزا زد مبسان سد سکندر دیبا،

ہرمان بہ سنگ خارہ استحکام یافت

منبر و محراب پر جو آیتیں لکھی تھیں اور جو نقش آرائی کی گئی تھی، اس کے متعلق لکھتا ہے،

و منبر و محراب بہ لطائف کتابت و دقائق صنعت آراستہ شد و باشکال غریب و نقوش بدیع ساختہ و پرداختہ گشت .... و طاق سپہر آسا و رواق فلک فرسائے آن کہ از غایت نزہت غیرت بہشت برین ست و از کمال صنعت رشک نگارخانہ چین بہ طغرائے رحمانی مزین و موشح شد و بہ توقیع نامۂ یزدانی مشرف و مکرم گشت

پھر اس مسجد کے قبے اور اس کے پورے حسن کے بارہ میں بیان کرتا ہے۔

و قبہائے زرین بت خانہا مانند چتر آئینہ کردار خورشید و تاج گوہر نگار ناہید بر شرفت آں نہادہ آمد و بہ میامن رائے مبارک چنین بقعہ متبرکہ نزہت ہائے اہل صفا و مہبط اجابت دعا شد، گفتی رضوان روضہ از بہشت بدنیا فرستادہ است و ملک آن را چون کعبہ قبلہ و مزار خویش ساختہ ہوائے انس افزائے آں صافی تر از چشم ہائے نور و صحن غم زدائیں آراستہ تر از چہرۂ حور ....

بعض انگریز مورخوں نے اس کتاب کی عبارت آرائی کے طومار سے گھبرا کر اس کی تاریخی اہمیت کم کرنی چاہی ہے، لیکن ہر زمانہ کے مسلمان مورخوں نے اس کو ایک مستند اور معتبر ماخذ قرار دیا ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہیں:

"مورخان آخر دار الملک دہلی نیز از معتبران عہد و صدور عہد بودند، چنانچہ خواجہ صدر نظامی مصنف تاج المآثر و مولانا صدر الدین عوفی مؤلف جامع الحکایات و قاضی صدر جہاں منہاج جوزجانی مؤلف طبقات ناصری و کبیر الدین پسر تاج الدین عراقی کہ در عہد علائی فتحنامہای سلطان علاء الدین نوشتہ است و ساحری ھاکرد، ہر چہار معتبر و معظم و مکرم و مبجل بودند۔" (ص ۱۴)

تاریخ الفی، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، آئین اکبری اور تاریخ فرشتہ کے مولفوں نے تاج المآثر سے پورا استفادہ کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ ابتک کسی اہل قلم یا کسی ادارہ نے اس کو چھاپ کر شائع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے[1]۔

اوپر کہا گیا ہے کہ تاج المآثر میں بارہ ہزار سطریں ہیں، جن میں سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہیں، اس میں موقع بہ موقع مصنف نے اپنا کلام بھی درج کیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھا۔ اپنے ممدوح سلطان قطب الدین ایبک کی تعریف میں ایک قطعہ کہتا ہے

از تیغ او بجائے صلیب و کلیسیا ۔۔۔ در دار کفر مسجد و محراب و منبر است

آں جا کہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں ۔۔۔ اکنوں خروش و نعرۂ اللہ اکبر است

---

[1] ڈھاکہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی نے ۱۹۳۶ء میں ادارۂ معارف اسلامیہ کے دوسرے اجلاس (لاہور) میں تاج المآثر پر ایک پر مغز اور مفید مقالہ پڑھا تھا، جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اس کو اڈٹ کر کے وہ جلد ہی شائع کرنے والے ہیں، لیکن یہ ابتک شائع نہ ہو سکی ہے۔

اس کے عدل و انصاف کے متعلق کہتا ہے:

فلک تختی کہ بید ابخشش | بہم خسپند یک جا باز و تیہو
زعدل او در اقصاے ممالک | کنار شیر بالین کرد آہو

وز تنگنا ے بیضۂ زتدبیر عدل او | نقاش طبع پیکر مرغاں ستاں نہاد

ہماے عدل تو چوں پر و بال باز کند | تذرو چینہ برون آرد از چلاچل باز

گرگ از نہیب عدل تو اندر دیار تو | از بیم میش بار قہ گیرد وسگ از شبان

در انصاف او تا باز بودے | سماع کبک زنگ باز بودے
بجز مطرب کسے رہ زن نبودے | برہنہ کس بجز سوزن نبودے
نکردے ہیچ آب از سنگ فریاد | قباے گل نگشتے پارہ از باد
کبوتر از عقاب آموختے پند | بجان گرگ خوردے میش سوگند

قطب الدین کی سخاوت کے بارہ میں کہتا ہے:

پس بنا شد سخاوت او را | زادۂ کوہ و دادۂ دریا
گر جہانے بیک عطا بدہد | از کف خویش نشمرد بہ سخا

قطب الدین ایبک کی وفات پر بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

مشتری را ز بہر کینۂ او | باز حل کارزار بایستی
روے مریخ ہمچو ایام | زیں فزع ہم چو تار بایستی
از پے تشنگان ماتم او | آفتاب آبدار بایستی
بدل عود زہرہ را زین غم | خون دل در کنار بایستی
تا نوید بجوں مرا ثی او | با عطارد قرار بایستی

ماہ در عقدۂ ذنب زیں ہول — خستہ و سوگوار بالیستی

صبح دراعہ چاک کردہ زغم — شب سر گیسواں بتاب زدہ

فلک خرقہ پوشش بے خلیش — سبحہ بر تارک تراب زدہ

باد بے سایۂ مبارک او — خاک در چشم آفتاب زدہ

آہواں در غمش ز سینۂ گرم — شعلہ در نافہ مشک ناب زدہ[1]

صفت بہار کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں گل افشانی کرتا ہے:

فشاند از سوسن و گل سیم و زر باد — زہے رادی کہ رحمت باد بر باد

بداد از نقش آذر صد نشاں خاک — نمود از سحر مانی صد اثر باد

مثال چشم آدم شد مگر ابر — ولیل نفس عیسیٰ شد مگر باد

کہ در بارید دم دم بر چمن ابر — کہ جان آورد خوش خوش در سحر باد

برائے بلبل مست شبانہ — کند عرض صبوحی جام زر باد

گل خوشبوی ترسم او ورنگ — ازین غماز صبح و پردہ در باد

برائے چشم برنا اہل کوئے — عروس باغ را شد جلوہ گر باد

مورے و موئے کے ساتھ صنعت لزوم مالایلزم میں اس کی ایک نظم بھی ملاحظہ ہو:

اگر مورے سخن گوید وگر موئے رواں دارد — من آں مورم سخن گویم من آں مویم کہ جاں دارد

تنم چوں سایہ مویست و دل چوں دیدۂ موران — زہجر غالیہ موئے کہ چوں موران میاں دارد

بچشم مور در گنجم چو موئے از زاری و نالہ — اگر خواہد مرا موئے بہ موئے در نہاں دارد

تنم چوں موئے زراندود وزیں مور چوں افشاں — نہ موئے کاں گرہ گیرد نہ مورے کاں زباں دارد

---

[1] ان اشعار میں جابجا عربی کے اشعار بھی ہیں جو طوالت کے خیال سے حذف کر دیے گئے ہیں۔

من از با مور و با موئے شبا روزے شوم ہمرہ
نہ مور از من خبر یابد نہ مور از من نشان دارد

من آن مویم کہ از زاری پئے مورے بہ پوشاند
من آن مورم کہ از سستی کم از موئے توان دارد

من ار چہ مور موئے زا کشتم چو دانہ ذی خانہ
ز موئے از مویہ داننم کہ این یک موجان دارد

فخر مدبر | اس عہد کے ایک دوسرے اہل قلم فخر مدبر نے ایک رسالہ بحر الانساب لکھکر سلطان قطب الدین ایبک کے حضور میں پیش کیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لیکر مولف کے زمانہ تک کے ۱۳۶ شجرے قلمبند ہیں، اس کے ابتدائی حصہ سے قطب الدین کے اوائل زندگی کے حالات اور پھر ۵۸۷ھ میں اس کے کہرام اور سمانہ کا اقطاع دار مقرر ہونے سے ۶۰۲ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد تک کے کچھ واقعات معلوم ہوتے ہیں، اس ابتدائی حصہ کو سرای۔ ڈے نی سن روس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرورودزی کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن سے شائع کر دیا ہے، سر دس نے غلطی سے اس کے مصنف کا نام فخر الدین محمد ابن منصور المرورودزی الصدیقی مبارک شاہ بتایا ہے، حالانکہ اصل مصنف مبارک شاہ المعروف بہ فخر مدبر تھا، فخر الدین مبارک شاہ مرورودزی غوری سلاطین میں سے سلطان غیاث الدین غوری کے دربار کا ایک ممتاز شاعر تھا جس کی وفات ۶۰۲ھ میں ہوئی۔ اس نے غوریوں کے نسب ناموں کو منظوم کیا، جس کا نام نسبت نامہ رکھا، شاید اسی نسبت نامہ کے دھوکے میں بحر الانساب کے مصنف کو بھی سر روس نے فخر الدین مبارک شاہ مرورودزی سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، بحر الانساب کے مولف کا نام محمد بن منصور بن سعید بن ابی الفرح تھا[۲]، اس کا لقب مبارک شاہ تھا، لیکن عرف عام میں فخر مدبر کہلاتا تھا، باپ کی طرف سے اپنے کو حضرت ابو بکر رضی کی اولاد میں شمار کرتا ہے، اور ماں کی طرف سے اس کا شجرہ غزنین کے

---

[۱] پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے اس کا نام سلسلۃ الانساب بھی لکھا ہے (اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۹ء ص ۸۰)

[۲] اسلامک کلچر (حیدر آباد دکن)، اکتوبر ۱۹۳۸ء کے ایک مضمون "فخر مدبر" میں ابی الفرج مرقوم ہے۔

سلطان امیر بیاتگین سے ملتا ہے، اس کا پردادا، ابو الفرح سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار کا ایک
معزز عہدیدار تھا، جو مختلف اوقات میں ۲۱ عہدوں پر فائز ہوا، اس کا باپ منصور علم وفضل میں اپنے
زمانہ میں بڑا مشہور رہا، فخر مدبر کے بارہ میں صرف یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس کی زندگی زیادہ تر لاہور
اور ملتان میں گذری جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندوستانی نژاد تھا، اور سلطان شمس الدین
ایلتمش کے عہد میں زندہ تھا، کیونکہ اس نے اپنی کتاب اداب الحرب والشجاعۃ اسی کے نام سے
معنون کی ہے، سلطان شمس الدین ایلتمش ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا، پہلے کہا جا چکا ہے کہ فخرالدین
مبارک شاہ المرو روزی کی وفات ۶۰۲ھ میں ہوئی، اس لیے ظاہر ہے کہ بحر الانساب کا مصنف
جس نے آداب الحرب والشجاعۃ بھی لکھی، مبارک شاہ فخر مدبر ہی ہے نہ کہ فخرالدین مبارک شاہ مرو روزی[1]
ڈے نی سن روس کی شائع کردہ تاریخ فخرالدین مبارک شاہ مرو روزی صرف ۸۰ صفحے پر
مشتمل ہے، جس کے شروع میں ساتوں اقلیم کا بیان ہے، پھر انبیاء کا کچھ ذکر ہے، اس کے بعد علماء،
سلاطین، والیانِ ولایت وغیرہ کی اہمیت بتائی گئی ہے، ۲۱ ویں صفحہ سے قطب الدین کا ذکر
شروع ہوتا ہے، اور اس کی تخت نشینی کے بعد تک کے کچھ واقعات ہیں، لیکن یہ واقعات تفصیل
سے نہیں لکھے گئے ہیں، اسی طرح قطب الدین کے اوصاف مثلاً سخاوت، عدل پروری، دیانتداری
شریعت نوازی، شجاعت، مردانگی اور علم پروری پر ایک عام اجمالی تبصرہ ہے، جس میں غیر متعلق
باتیں مثلاً ترکستان کے عجائب وغرائب، وہاں کے پتھر، وہاں کے قبائل، ان کی خصوصیات، ان کی
زبانیں، ان کے رسم الخط اور ان کی شاعری وغیرہ زیادہ آگئی ہیں، قطب الدین کے اوصاف کو ذکر
کرنے میں اس کو خلفائے راشدین کا مقلد بتایا گیا ہے، لیکن اس سلسلہ میں قطب الدین کے محاسن

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو انگریزی مضمون فخر مدبر، اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۸ء، نیز دیکھو برٹش میوزیم کیٹلاگ، فارسی
مخطوطات، جلد دوم ص ۴۸۷-۴۸۹

کی تفصیل لکھنے کے بجائے خلفاء راشدین ہی کے اخلاق وفضائل کی تفصیلات زیادہ لکھی گئی ہیں، اس طرح قطب الدین کی ذات زیادہ نمایاں ہونے نہیں پاتی، کتاب کے صفحہ ۶۲ سے ۸۴ صفحے تک کتاب الانساب کا دیباچہ ہے، ان صفحات اور دوسری غیر متعلق باتوں کو حذف کر دیا جائے تو قطب الدین سے متعلق صرف چند اوراق ہی کام کے نکلیں گے، لیکن معاصر ماخذ ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ مفید باتیں ضرور پائی جاتی ہیں، طرز تحریر سے مؤلف ایک قادر الکلام اہل قلم معلوم ہوتا ہے، اس کی عبارت تاج المآثر کی طرح بہت زیادہ پر تکلف، مرصع اور مبالغہ آمیز نہیں، اور طبقات ناصری کی طرح سادہ اور سلیس بھی نہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے شستہ اور پاکیزہ ہے۔

امام صغانی اس عہد کے ایک مشہور عالم ربانی امام رضی الدین ابو الفضائل الحسن صغانی تھے، جن پر آج بھی اسلام کی علمی دنیا کو ناز ہے، جلال الدین سیوطی نے ان کا نسب نامہ یہ لکھا ہے، "الحسن ابن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی العدوی والعمری الامام رضی الدین ابو الفضائل الصغانی"[۱] نسب نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، ان کے آباؤ اجداد چاغان (یا چغان) کے رہنے والے تھے، معجم البلدان میں ہے کہ صغان کو اہل عجم نے چغان کر دیا، لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ چاغان (صغان) چاغان (چغان) کا معرب ہے، معجم البلدان کے مطابق صغان ماوراء النہر میں ترمذ کے قریب ایک علاقہ ہے، نزہۃ الخواطر میں ہے کہ یہ مرو کا ایک قریہ ہے، امام صغانی کے والد بزرگوار صغان سے آکر ہندوستان میں سکونت اختیار کی، بغیۃ الوعاۃ، مآثر الکرام، تذکرہ علمائے ہند اور نزہۃ الخواطر میں ہے کہ امام صغانی لاہور میں پیدا ہوئے، موخر الذکر تین تذکروں میں یہ بھی ہے کہ لاہور میں نشو ونما ہوئی، لیکن سیوطی اور معجم المطبوعات کے مرتب نے ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ لاہور میں تو پیدا ہوئے لیکن غزنی میں

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷

میں نشو ونما پائی۔ بغیتہ الوعاۃ[1]، مآثر الکرام، تذکرۂ علماء ہند اور معجم المطبوعات میں انکی ولادت کی تاریخ ۵۷۰ھ لکھی ہوئی ہے لیکن نزہتہ الخواطر میں ۵۵۷ھ ہے جو بظاہر صحیح نہیں۔

ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی، اور بہت جلد ان کا شمار ارباب فضل وکمال میں ہونے لگا، اور ایک فقیہ، محدث اور عالم ربانی کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے، نزہتہ الخواطر کے مولف کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک نے ان کو لاہور کی قضاءت پیش کی، لیکن یہ انہوں نے قبول نہیں کیا، اور مزید علوم کی تحصیل وتکمیل کے لیے ہندوستان سے باہر نکل کھڑے ہوئے، ہندوستان سے نکلے تو پہلے غزنین آئے۔ جہاں کچھ دنوں درس وتدریس میں مشغول رہے، پھر عراق آئے، جہاں علوم وفنون کی تحصیل کی تکمیل کی، اور لغت وحدیث کے امام قرار پائے، بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے لئے اپنی مشہور ومعروف کتاب مشارق الانوار لکھی[2]، جس کے صلہ میں ان کو خلعت بھی عطا ہوا، بغداد سے مکہ معظمہ زیارت خانۂ کعبہ کیلئے آئے، اس کی جاروب کشی کرنے کے علاوہ یہاں کے محدثین سے سماع حدیث بھی کرتے رہے، وہاں سے عدن ہوتے ہوئے پھر بغداد آئے، خلیفہ مستنصر باللہ[3] نے ان کو فرمان دے کر سلطان شمس الدین التمش کے پاس ہندوستان بھیجا جہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے، پھر یہاں سے حج کے لیے مکہ معظمہ گئے، وہاں سے عدن اور پھر بغداد آکر علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، خلیفۂ بغداد کی طرف سے سفیر بن کر

---

[1] معجم المطبوعات، مصر اجز ثانی ص ۱۲۸ [2] دیکھو مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" از مولانا سید سلیمان ندوی، معارف نمبر ۴ جلد ۲۲ ص ۲۵۲ [3] نزہتہ الخواطر میں خلیفہ بغداد کا نام ناصر لدین اللہ لکھا ہے، یعنی التمش کو ابوجعفر منصور المستنصر باللہ نے خلعت بھیجکر اس کی حکومت کے استقلال وخود مختاری کو تسلیم کیا، دیکھو تاج الدین ریزہ کا قصیدہ، باب التمش رضیہ کے عہد میں بھی خلیفہ مستنصر باللہ ہی نے علامہ صغانی کو ہندوستان بھیجا تھا کیونکہ رضیہ کے سکوں پر "المستنصر امیر المومنین" ہی کندہ ہے۔

رضیہ کے عہد میں دوبارہ ہندوستان آئے، اور یہاں کچھ دنوں قیام کر کے ۶۴۷ھ میں پھر بغداد واپس تشریف لے گئے اور ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔ بغیۃ الوعاۃ میں سیوطی نے ان کے شاگرد دمیاطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا تھا، جس نے کسی خاص روز ان کی وفات کی پیشین گوئی کی تھی، لیکن اس روز وہ بالکل توانا اور تندرست رہے اور خوشی میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کی دعوت کی، دعوت کے بعد ان کے مہمان تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک شخص نے ان کی موت کی اطلاع دی، شاید قلب کی حرکت بند ہونے سے موت ہوئی ہو، ابتداءً بغداد میں دفن کیے گئے، پھر ان کی وصیت کے مطابق ان کا جسد خاکی مکہ معظمہ منتقل کر دیا گیا،

لغت، حدیث اور فقہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان کے علمی پایہ کو ہر زمانہ کے جلیل القدر صلحاء و علماء نے تسلیم کیا ہے، علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ وہ علم لغت کے علم بردار تھے[۳]، ذہبی کا قول ہے کہ علم لغت میں حرف آخر تھے[۴]، شیخ شرف الدین دمیاطی کا بیان ہے کہ وہ لغت، فقہ اور حدیث تینوں فن کے امام تھے، شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، ان کے عربی اشعار کے کچھ نمونے بغیۃ الوعاۃ میں درج ہیں۔

ان کی تمام تصانیف میں مشارق الانوار بہت مقبول ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"این کتاب حجت است میان من خدای، و اگر حدیثے بود مشکل شدے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام را در خواب دیدے و صحیح کردے"[۵]

مشکوٰۃ کی طرح یہ بھی حدیث کا ایک مجموعہ ہے جس میں دو ہزار دو سو چھیالیس حدیثیں ہیں، مشکوٰۃ کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے، اور مشارق الانوار کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] نزہۃ الخواطر ص ۱۳۹ [۵] فوائد الفواد ص ۱۰۳

علماء محدثین نے اس کتاب کی بڑی قدر کی، مدارس کے نصاب میں داخل ہوئی اور عالم اسلام کے ممتاز علماء نے اس کے ڈھائی ہزار سے زیادہ شروح اور حواشی لکھے، حدیث میں ان کی اور دوسری تصانیف یہ ہیں:

التکملہ علی الصحاح، یا التکملہ والذیل والصلہ، الدّار الملتقط فی تبیین الغلط۔ رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ، شرح البخاری، الشمس المنیرہ فی الحدیث، فی الضعفاء المتروکین فی رواۃ الحدیث۔ کشف الحجاب عن احادیث الشہاب، مصباح الدجی فی حدیث المصطفیٰ[1]، امام صغانی کی قدر ہندوستان سے باہر ہی زیادہ ہوئی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" میں رقمطراز ہیں کہ ساتویں صدی کے شروع میں مشارق الانوار کے مصنف صغانی نے ہندوستان میں علم حدیث کی روشنی پھیلائی تاہم یہ روشنی گھر میں کم اور گھر سے باہر زیادہ پھیلی۔

امام صغانی نے فن لغت میں "العباب الزاخر واللباب الفاخر" بیس جلدوں میں لکھی، اسی طرح لغت میں ان کی دوسری تصنیف "مجمع البحرین" بارہ جلدون مین تھی، اس فن مین انکی اور دوسری تصانیف کے نام یہ ہین:۔

النوادر فی اللغات، التراکیب، الاضداد۔ الشوارد فی اللغات وغیرہ، ان کی طرف حسب ذیل تصانیف بھی منسوب ہیں: اسماء الاسد۔ اسماء العادۃ، الاضداد، الافتعال، التجرید وحمل الصغانی۔ تعزیہ بیتی الحریری۔ توشیح الدریدیہ، در السحابہ، الذیب، الساکین العروض۔ فرائض الصغانی، مناسک الصغانی وغیرہ[2]

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷، ماثر الکرام ص ۱۸۱، فہرست کتب خانہ خدیویہ [2] کشف الظنون، تذکرہ علماء ہند، ص ۴۸، نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۴۱

شیخ شرف الدین دمیاطی، محمود بن عمر ہروی، ابن صباغ، برہان الدین محمود بن السعد البلخی ان کے ممتاز تلامذہ میں تھے، جنھوں نے اپنے عہد میں بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔[۱]

فوائد الفواد (ص ۱۰۳) میں مولانا رضی الدین صغانی صاحب مشارق کے ذکر میں ہے کہ

"او از بداؤن بود"۔

پھر ان کے ذکر میں یہ بھی ہے کہ مولانا رضی الدین نے بداؤن سے کول آکر یہاں نائب مشرف کا عہدہ قبول کیا، مشرف کی صحبت اور ماتحتی پسند نہ آئی، اس لیے یہ ملازمت چھوڑ کر والی کول کے لڑکے کو پڑھانے لگے جس کے معاوضہ میں ان کو سو ٹنکے ملا کرتے تھے، اس ملازمت سے طبیعت اچاٹ ہو گئی تو حج کے لیے والی کول کے لڑکے کو اطلاع دیے بغیر چل کھڑے ہوئے، تھوڑی دور گئے ہونگے کہ تھک کر بیٹھ گئے، والی کول کے لڑکے نے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کا تعاقب کیا، اور جب ان کے پاس پہنچا تو واپس چلنے کی الحاح وزاری کی، لیکن وہ نہ مانے، بالآخر لڑکے نے ان کو اپنا گھوڑا دیدیا، اسی پر انھوں نے سفر کیا، پہلے بغداد آئے، جہاں اس زمانہ کے مشہور محدث مولانا ابن ازہری کے درس میں شریک ہوئے، مولانا ابن ازہری نے ان کے علم کی قدر کی، پھر ان کے علم کی شہرت خلیفۂ وقت کے پاس پہنچی، تو اس نے ان کو بلا کر ان سے کچھ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد وہ دہلی آئے، اور دہلی سے اپنے ایک استاد سے ملنے کے لیے بداؤن بھی آئے،[۲]

فوائد الفواد کے اسی بیان کو سامنے رکھ کر مخدومی جناب سید ہاشمی صاحب فرید آبادی اپنی تاریخ ہند جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد دکن کے صفحہ ۲۷۲ پر رقمطراز ہیں کہ امام صغانی کے حالات اور تصانیف کا ذکر مآثر الکرام میں موجود ہے، اور اس میں انھیں غلطی سے لاہوری لکھ دیا ہے۔ لیکن سب سے واضح اور معتبر حالات وہ ہیں جنھیں سلطان نظام الدین کی زبانی صاحب فوائد الفواد نے

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص ۱۰۳ [۲] فوائد الفواد ص ۱۰۴-۱۰۳

نقل کیا ہے، جناب سید ہاشمی صاحب نے اپنے اس خیال کو تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت کی جلد اول مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۴۲ میں بھی دہرایا ہے، لیکن نزہۃ الخواطر میں مولانا عبدالحئی مرحوم نے مولانا رضی الدین صغانی کو جن کا ذکر فوائد الفواد میں ہے، مولانا رضی الدین حسن بن محمد صغانی صاحب مشارق الانوار سے علیحدہ شخصیت بتائی ہے، اور اول الذکر کے کچھ حالات فوائد الفواد ہی کے حوالے سے لکھے ہیں (ص ۱۵۶) جو یہ شیخ حسن بن محمد صغانی کے حالات (ص ۱۴۱-۱۳۰) سے جدا ہیں، شاید فوائد الفواد کے مرتب امیر حسن سنجری نے سہواً حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات کو کچھ خلط ملط کر دیا ہو، اور اگر خلط ملط نہیں ہوا، اور اس کو صاحب مشارق الانوار ہی کا ذکر سمجھا جائے تو پھر "او (یعنی صاحب مشارق) از بداؤں بود" کے اجمالی بیان سے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ بداؤں ہی ان کا مولد تھا، ممکن ہے کہ صرف منشاء رہا ہو، شاید اپنے مولد لاہور سے آکر بداؤن میں نشو و نما اور تعلیم پائی ہو، گو بعض تذکرہ میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ان کا منشاء غزنین بھی بتایا گیا ہے،

عہد قطبی کے بعض مدارس سلطان وقت کے ذوق کی تقلید اسکے ملوک و امرا بھی کرتے تھے، چنانچہ بختیار خلجی نے جب بنگال فتح کیا تو اس نے اور اسکے ساتھ کے امراء نے تعلیم کی اشاعت کے لیے جابجا مدارس قائم کیے، طبقات ناصری میں ہے:

"چون محمد بختیار آن مملکت (یعنی بنگال) را ضبط کرد .... بر موضعے کہ لکھنوتی است دارالملک ساخت و اطراف آن ممالک را در تصرف آورد و خطبہ و سکہ در ہر خطہ قائم کرد و مساجد و مدارس و خانقاہات در آن اطراف بسعی جمیل او و امرائے او بنا شد (ص ۱۵۱)

معلموں کی قدر اس زمانہ میں معلموں کی قدر و منزلت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ تاج الدین یلدز کا ایک لڑکا اپنے استاد سے پڑھ رہا تھا، کہ استاد نے تادیب کے لیے غصہ میں ایک کوڑا لڑکے کے سر پر مار دیا، جس سے اس کو سخت چوٹ آگئی اور وہ تڑپ کر ختم ہو گیا، تاج الدین یلدز کو خبر ہوئی تو استاد کو بلایا اور زاد راہ دیکر کہا کہ قبل اس کے کہ لڑکے کی ماں کو خبر ہو تم یہاں سے چلے جاؤ، (طبقات ناصری ص ۱۳۳)

ناصر الدین قباچہ

۶۰۷ - ۶۲۵ھ
۱۲۱۰ - ۱۲۲۸ء

ناصر الدین قباچہ اور شمس الدین التمش دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے،
اور دونوں علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کے مالک ہوئے، التمش دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا اور
قباچہ کا دارالسلطنت اچہ قرار پایا، اس کی مملکت میں ملتان سے دیول تک کے علاقے علاوہ
سیوستان، تبرہندہ (بھٹنڈہ) گہرام اور سرستی وغیرہ بھی شامل تھے، وہ آزاد فرمانروا تو اپنے
خسر قطب الدین ایبک کی وفات ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء کے بعد ہوا لیکن اچہ اور ملتان کی ایالت اس کے
سپرد ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء ہی سے تھی، اس طرح بائیس سال تک یہاں اس کا دربار قائم رہا، ملتان اس وقت
تک بڑا مذہبی، علمی اور ثقافتی مرکز بن چکا تھا، سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کے صوفیہ و مشائخ یہاں
شریعت و طریقت کی شمع روشن کیے ہوئے تھے، مقامی علماء کے علاوہ باہر سے فضلا و شعراء
آکر علم و ادب کی مجلسیں گرمائے ہوئے تھے، چنانچہ اس عہد کے ملتان کا ذکر کرتے ہوئے
سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ

قبۃ دریں ایام ملتان قبۃ الاسلام عالم بود، فحول علماء آنجا حاضر بودند" (ص ۶۰)

اسی قبۃ الاسلام میں ناصر الدین قباچہ نے ایک مدت تک حکومت کی، غزنین، غور
اور پھر دہلی کی روایات اس کے سامنے تھیں، اس لیے عرفان نوازی اور علم دوستی کو اس نے

بھی لوازم شاہی قرار دیا، التتمش کا وہ حریف بن گیا تھا، اس لیے ظاہر ہے کہ مذہبی اور علمی حیثیت سے بھی ملتان کو دہلی سے بہتر بنانا چاہا ہوگا، اس کے دربار میں علم و فن کی جو بساط بچھائی گئی اس کی زینت و آرائش کی تو تصویر دکھائی دیتی ہے، البتہ مشائخ سے اس کے تعلقات کی تفصیل بہت زیادہ نہیں ملتی ہے، حالانکہ قیاس یہی کہتا ہے کہ اس کے پایہ تخت میں جب بڑے بڑے مشائخ کا اجتماع تھا تو اس نے اپنے کو ان سے قریب تر کرنے کی بھی ضرور کوشش کی ہوگی،

مشائخ سے تعلقات

لیکن مشائخ سے اس کے تعلقات کی صرف دو روایتیں ہم کو ملی ہیں، ایک سے تو اس کی عقیدت مندی اور دوسری سے ان بزرگانِ دین کی طرف سے اس کے تکدر کا اظہار ہوتا ہے، ۶۲۱ھ میں چنگیز خانیوں نے سندھ پر یورش کی تو بڑھتے ہوئے قباچہ کے دار السلطنت ملتان تک پہنچ گئے، سراسیمگی کی حالت میں قباچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ تینوں مشائخ اس وقت ملتان ہی میں یکجا جلوہ فرما تھے، قباچہ نے ان تینوں سے روحانی امداد کی درخواست کی، حضرت خواجہ قطب الدین نے قباچہ کو ایک تیر دے کر کہا کہ لڑائی کے وقت اس کو اپنے برج حصار سے دشمن کی طرف پھینکو، پھر قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھو، دوسرے دن قباچہ نے ایسا ہی کیا، اور اس کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی، قطب صاحب اور حضرت جلال الدین تبریزی ملتان چھوڑنے لگے تو قباچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور منت سماجت کی کہ وہ ملتان کو خیر و برکت سے محروم نہ کریں، کیونکہ ان ہی کے فیوض سے ملتان میں امن و امان ہے لیکن قطب صاحب نے فرمایا، جلال الدین غزنی جائیں گے اور ہم دہلی، ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، ان ہی کی حمایت تم لوگوں کو حاصل رہے گی،[1]

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۰۵ و سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۸۴

دوسری روایت ہے کہ جب ناصر الدین قباچہ اور سلطان شمس الدین التتمش کے درمیان نزاعی صورت پیدا ہوئی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التتمش کی طرف ہوا، کیونکہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، یہ سلطان اپنے زہد و تقویٰ اور دینداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا تھا، ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی جو ایک متدین عالم تھے، اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التتمش کو قباچہ کی معاندانہ سازش سے مطلع کر دیں، دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التتمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ نے مولانا شرف الدین اصفہانی کو تو فوراً موت کی سزا دیدی، اور حضرت بہاء الدین زکریا کو اپنے یہاں طلب کیا، اور جب وہ اس کے یہاں پہنچے تو اس نے تعظیماً ان کو اپنے داہنی جانب بٹھایا، قباچہ نے ان کا مکتوب ان کے ہاتھ میں دیا، شیخ نے اس کو پڑھ کر پوری درویشانہ شان و عظمت سے کہا کہ بیشک یہ میرا خط ہے، تحریر بھی میری ہے، قباچہ نے پوچھا، آپ نے یہ کیوں لکھا، شیخ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا، میں نے حق تعالیٰ کے لیے لکھا ہے اور حق لکھا ہے، تمھارا جو جی چاہے کرو، اور تم کر ہی کیا سکتے ہو، تمھارے ہاتھ میں کیا ہے، قباچہ نے یہ جواب سنا تو مشتعل ہونے کے بجائے خاموش ہو گیا، اور پھر کھانا لانے کے لیے حکم دیا، اس کو علم تھا کہ حضرت بہاء الدین زکریا کسی دوسرے کے یہاں کھانا تناول نہیں فرماتے، قباچہ نے سوچا کہ اگر شیخ کھانے میں شریک نہ ہوں گے تو اسی بہانہ ان کو ایذا پہنچانے کا موقع مل جائے گا، مگر جب کھانا آیا تو شیخ بہاء الدین زکریا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے، یہ دیکھ کر قباچہ کا سارا غصہ جاتا رہا اور معذرت کر کے عزت کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔[1]

شعراء کی سرپرستی

قباچہ کا دربار شعراء و فضلاء کا گہوارہ رہا، تاتاریوں کی غارتگری، دہشت انگیزی اور

[1] فوائد الفواد ص ۲۰-۱۱۹، سیر الاولیاء ص ۷۹، سیر العارفین ج ۱ ص ۲۹-۲۸

خوں ریزی سے گھبرا کر خراسان، غور اور غزنین کے جن اکابر و اشراف نے ہندوستان کا رخ کیا، ان میں شعراء و علما بھی تھے، قباچہ کے دربار میں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی، طبقات ناصری میں ہے کہ

او (یعنی قباچہ) درحق ہمگنان انعام واکرام وافر فرمودہ" (ص ۱۴۳)

محمد عوفی جس کا ستارۂ اقبال قباچہ ہی کے دربار میں چمکا، اپنے تذکرہ لباب الالباب میں رقمطراز ہے،

"یہ دربار علما، و فضلا سے پُر ہے، یہ ایک ایسا آسمان ہے جس میں ارباب کمال کے ستارے چمکتے ہیں، یہ ایک ایسا بوستان ہے، جہاں فضل کی کلیاں اور ہنر کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں (ج ۲ ص ۴)

عوفی نے ان علما، فضلا، اور شعراء میں صرف دو چار کا ذکر کیا ہے، ان کے نام مع القاب کے حسب ذیل ہیں،

(۱) الاجل المحترم شمس الدولہ والدین سید الندما رتاج الفضلا مفخر القدما، محمد الکاتب البلخی۔

(۲) الاجل فخر الشعراء ضیاء الدین السجزی، بقیہ دو کے نام لباب الالباب کے مرتب ای، جی، براؤن کو غالباً قلمی نسخے کے کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں ہوسکے، اس لیے لباب الالباب کے مطبوعہ نسخہ کے ص ۴۱۸ وص ۴۲۲ میں ان کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، مگر اورنیٹل کالج میگزین لاہور (نومبر ۳۸ء) کے ایک مضمون نگار نے گلِ رعنا مولفہ لچھمی نرائن کی مدد سے نمبر ۱۶۸ کے شاعر کا نام فضلی ملتانی بتایا ہے۔

شمس الدین محمد بلخی عوفی شمس الدین محمد بلخی کے شاعرانہ کمال اور ذاتی اوصاف و محاسن، لطافت طبع، خلق و کرم اور دوست پروری وغیرہ کا بڑا معترف ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

"وہ ایک ایسا جوان ہے جس کی نظیر چرخ پیر نے نہیں دیکھی ہے اور چکر لگانے والے آسمان نے اس کے جیسا جامع صفات کسی اور کو نہیں پایا" (ص ۴۲۱)

شمس الدین بلخی اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا، عوفی کا بیان ہے کہ وہ اس فن میں مشہور خطاط ابن البواب اور ابن مقلہ سے بھی بہتر تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"درخط بدرجۂ کہ ابن البواب انگشت برحرف او نتواند نہاد و ابن مقلہ دیدہ ازمشاہدۂ دلبران خط او برنتواند داشت" (ص ۴۲۱)

عوفی رقمطراز ہے کہ شاعری میں شمس البلخی الانوری کا ہم پایہ تھا۔ "درشعر عدیل الانوری" (ص ۴۲۱) اور تاج الفضلا، اور مفخر القدما جیسے القاب سے اس کو یاد کیا ہے، قباچہ کے دربار میں اس کی شاعری کو اور بھی زیادہ فروغ ہوا، اور اس نے سلطان کی مدح کے قصائد میں اپنی شاعری کا جوہر خوب دکھایا، اس کا سرپرست اور مولی قباچہ کا وزیر عین الملک بھی تھا۔ اس کی مدح میں بھی شمس الدین نے قصیدے لکھے جن کا ذکر آئے گا۔

فضلی ملتانی | فضلی ملتانی بخارا میں عوفی کے ہم درس اور ہم مکتب تھے یہیں دونوں نے امام فخرالدین کی "جامع الصغیر" حفظ کی جب مولانا فضلی ملتانی قباچہ کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوئے تو اپنے علم و فضل کی بدولت انکو ایسا عروج ہوا کہ ابنائے کبار و علمائے نامدار میں ان کا شمار ہونے لگا (لباب الالباب جلد دوم ص ۲۳۴)، وہ اپنے زمانہ کے ممتاز شاعر بھی تھے اور خود قباچہ ان کی شاعری کا قدر دان تھا، اس قدر دانی کی وجہ سے ان کو بھی سلطان کی ذات سے گرویدگی تھی، چنانچہ اس کی شان میں قصائد لکھکر اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار کیا ہے، ایک قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں،

اے ظفر ہمدم ترا از بخت برنا آمدہ — نامۂ تائید تو انّا فتحنا آمدہ

ناصر دین خسرو دنیا قباچہ شاہ شرق — اے مہ چتر تو بر گردونِ مینا آمدہ

از پئے اعلائے دین نصر من اللہ در ازل — بر سر منصور شاہی تو طغرا آمدہ

منظر قصرت ز کیوان در گذشتہ از علو — مسند قدرت بر از عرش معلا آمدہ

ظلم بے افتنہ پنہاں کردہ روی از ہیبتت — امن سر پوشیدہ از عدلت بصحرا آمدہ

گر مثالت فی المثل رفتہ سوی فغفور چین — بے توقف ز وجواب تو الطعنا آمدہ

ابر نیساں کم زدہ لاف سخاوت چون کفت | در گہر بخشی فزوں از ہفت دریا آمدہ
بادۂ جام تو اے اسکندر ثانی بہ بزم | چوں زلال چشمۂ حیوان مصفا آمدہ
چون کشتی لشکر بعزم رزم لشکر گاہ تو | جملۂ ہامون و دشت و نشیب و بالا آمدہ[1]

ناظرین کی ضیافت کے لیے مولانا فضلی کی کچھ رباعیان بھی پیش کی جاتی ہیں:۔

کروی سیم زآن شرب گیسو کزراست | نیکو ست رخت ولیک بد خو کز راست
در پہلوے تیر مژۂ مردم کش | احسنت زہے کمان ابرو کز راست

آغاز نہاد فتنہ بازش چہ کنم | چوں داشتہ ام محرم رازش چہ کنم
بسیار ز خشم دست بر دست زدم | کوتاہ نشد دست درازش چہ کنم

ہر لالہ کہ چشم کوہساری بودست | صد قطرہ ز خون تاجداری بودست
مپسر بقدم سبزۂ بستان گستاخ | کان وسمۂ ابروی نگاری بودست

ضیاء الدین سجزی | ضیاء الدین سجزی کو عوفی نے فخر الشعراء لکھا ہے، یہ اپنے زمانہ کا قادر الکلام شاعر تھا، اس کے قصیدہ کا نمونہ آگے پیش کیا جائے گا۔

مولانا منہاج الدین جوزجانی | طبقات ناصری کے مولف مولانا ابو عمر منہاج الدین عثمان الجوزجانی کا علمی اقبال بھی ہندوستان مین قباچہ ہی کے دربار مین چمکا، انھون نے اپنا نسب نامہ یہ لکھا ہے، منہاج الدین ابو عمر عثمان بن سراج الدین محمد بن منہاج الدین عثمان بن ابراہیم بن امام عبدالخالق جوزجانی. یہ خاندان دراصل غوزگان یا جوزجان کے علاقہ کا رہنے والا تھا، جو غور سے شمال مغربی گوشہ مین اور ہرات سے شمال مین دریاے مرغاب سے آگے جبال ہرات کے قریب واقع ہی، اسی لیے اس خاندان کے ہر فرد کے نام کے ساتھ وطنی نسبت جوزجانی کا بھی جزء ہے، اس خاندان کی

[1] لباب الالباب ج ۲ ص ۲۵۴

مورثِ اعلیٰ امام عبد الخالق اپنے زمانہ کے جید عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے، ان کی شادی غزنین کے سلطان ابراہیم شاہ کی لڑکی سے ہوئی، اس شادی سے جو فرزند تولد ہوا، اس کا نام بھی ابراہیم رکھا گیا، یہ خاندان اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے ہمیشہ ممتاز رہا، طبقات ناصری کے مؤلف کے والد سراج الدین محمد اعجوبۃ الزمان افصح العجم کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے[1]، ان کی ماں سلطان غیاث الدین محمد سام کی بیٹی شہزادی ماہ ملک کی رضاعی بہن اور ہم مکتب تھین، وہ شہزادی کے ساتھ فیروزکوہ کے شاہی محل مین رہتی تھین، ذہین منہاج الدین ۵۸۹ھ مین پیدا ہوئے، انھون نے شہزادی ماہ ملک کے محل مین شاہی خاندان کے بچون کی طرح پرورش پائی، چنانچہ خود لکھتے ہین،

"آن ملکۂ جہان این ضعیف را در حجرۂ بادشاہی خود چون فرزندان در پرورش بادشاہانہ داشتے وشب و روز در صغر سن در حرم او بودے و در نظر مبارک او تربیت یافتے" (طبقات ناصری ص ۲۸)

شہزادی ماہ ملک کے محاسن کا اعتراف جابجا کیا ہے، لکھتے ہیں کہ اس کو پورا کلام اللہ حفظ تھا، اور اسی کے ساتھ اس کو شہادت کے تمام واقعات بھی زبانی یاد تھے، اور ہر سال دو رکعت نماز مین پورا کلام پاک ختم کیا کرتی تھی، اسی مذہبی فضا مین مولانا منہاج کی تربیت ہوئی، ان کے ننہالی خاندان کی عظمت کا اندازہ ان کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے کہ اس خاندان کو خلافت بغداد کے فرامین بھی عطا ہوئے تھے، خلیفہ مستضی باللہ نے ان کے نانا کو تولک، قہستان اور جبال ہرات کی قضاءت دی تھی، ان کے دادا کو بھی پایۂ تخت سے خلعت عطا ہوا تھا[2]، ان کے والد کو ۵۸۳ھ مین سلطان شہاب الدین غوری نے علی کرماخ ناظم لاہور کے ماتحت عساکر سلطانی کا قاضی مقرر کیا، فوج کے کوچ کے وقت بارہ اونٹ ان کے دفتر کے سامان کی باربرداری کے لیے سرکار شاہی سے مقرر تھے[3]، ۵۹۱ھ مین بہاء الدین سام بامیان اور طخارستان کا فرمانروا ہوا تو اس نے اپنی

---

[1] طبقات ناصری، ۱۱۷، [2] ایضاً [3] ایضاً

سلطنت میں ہر دیار کے علما، و فضلا کو جمع کرنا شروع کیا، خود طبقات ناصری کے مولف کا بیان ہے کہ علمائے عالم کا اس پر اتفاق تھا کہ اس عہد کے مسلمان بادشاہوں میں بہاء الدین سام سے بڑھ کر کوئی حکمراں علم پرور نہ تھا، اسی علم پروری کی خاطر مولف طبقات ناصری کے والد مولانا سراج الدین کو اپنی سلطنت میں آنے کی دعوت دی، جب طلبی پہنچی تو اس وقت فیروزکوہ میں مقیم تھے، وہ جب اس کے یہاں پہنچے تو اس نے ان کا خیر مقدم بہت عزت و احترام کے ساتھ کیا، اور ان کو اپنی مملکت کا قاضی، خطیب اور محتسب بنا کر اپنی قدر دانی کا ثبوت دیا، اور دو مدرسوں کی تولیت بھی تفویض کی[1]، طبقات ناصری کے مولف کی عمر اس وقت تین سال کی تھی، جس زمانہ میں سلطان تکش خوارزم شاہی نے خلیفہ ناصر لدین اللہ سے بغاوت کی تو خلیفہ نے دارالخلافت سے سلاطین غور و غزنیں کے پاس امداد طلب کرنے کے لیے سفراء بھیجے، سلطان غیاث الدین محمد سام نے اس کا جواب امام شمس الدین ترک اور مولانا سراج الدین کے معرفت بھیجا[2]، یہ سفارتی مشن مکران کی راہ سے بغداد روانہ ہوا، راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا، اور مولانا سراج الدین ان ہی ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے،

اٹھارہ سال کی عمر تک مولانا منہاج الدین فیروزکوہ ہی میں رہے[3]، اسی زمانہ میں سلطان غیاث الدین محمود بن غیاث الدین ابوالفتح محمد سام کو خوارزمی پناہ گزینوں نے قتل کیا، ۶۱۳ھ میں انھوں نے سیستان کے دارالخلافت زرنج کی راہ لی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ غور اور غزنیں کی تمام مملکت خوارزم شاہیوں کے زیر نگیں آگئی تھی، مولانا منہاج الدین بست ہوتے ہوئے سیستان کے دارالخلافت پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا، اور وہاں کے سلطان ملک الغازی یمین الدولہ بہرام شاہ نے ان کو بڑے اعزاز و احترام سے سات مہینے تک رکھا، ان کو خلعت عطا کی اور ان کے اخراجات کے لیے روپیہ اور غلہ برابر دیتا رہا، وہاں سے خراسان آئے، ۶۱۷ھ میں وہ

[1] طبقات ناصری ص ۱۰۷، [2] ایضاً ص ۱۴۶، [3] ایضاً ص ۸۸ [4] طبقات ناصری مرتبہ عبدالحبیب حبیبی ص ۴۳۲، اور طبقات ناصری کلکتہ ص ۳۴۴

تولک میں تھے، اور یہاں تقریباً چار سال تک چنگیز خانیوں کی یورش دیکھتے رہے، اسی دار وگیر کے زمانہ میں جب کہ ان کی عمر تیس سال کی تھی، ان کی شادی ایک رشتہ دار امیر کی لڑکی سے ہوئی، شادی کے بعد چنگیز خانیوں کی شورش سے گھبرا کر ہندوستان منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا، لیکن ابھی یہ ارادہ کر ہی رہے تھے کہ سنہ ۶۲۱ھ میں حصار تولک سے ملک تاج الدین حسن سالار خرپوست نے ان کو رسالت کے فرائض انجام دینے کے لیے اسفزار بھیجا، مغلوں کی یورش سے قافلوں کی آمد و رفت بالکل بند ہو گئی تھی، مولانا منہاج اسی راستہ کو دوبارہ کھلوانے کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ اسفزار سے قہستان گئے، وہاں سے تون، قائن اور اسفزار ہوتے ہوئے پھر تولک واپس آئے، سنہ ۶۲۲ھ میں غور کے حکمران ملک رکن الدین محمد عثمان مرغنی کے یہاں خانسار پہنچے، اور اس کے حکم سے دوسری بار قہستان گئے، اس مرتبہ بھی ملک رکن الدین کی خواہش کے مطابق قافلوں کی آمد و رفت کے راستے جاری کرنے کیلئے وہ وہاں پہنچے، پھر فراہ، سیستان، کرہ، طبس، مومن آباد اور قائن ہوتے ہوئے خانسار آئے، یہاں آکر ہندوستان کے سفر کی تیاری میں سامان سفر خریدنے کے لیے فراہ گئے، اس وقت ملک تاج الدین نیالتگین خوارزمی ملاحدین سے شکست کھا کر وہیں مقیم تھا، اس نے مولانا منہاج کی آمد کو غنیمت سمجھا، اور ان کو قہستان کے والی شمس الدین محتشم کے پاس پیام مصالحت لے جانے پر آمادہ کیا، مولانا منہاج قہستان پہنچکر شمس الدین محتشم سے نبیہ میں ملے، اور شرائط صلح طے کر کے فراہ واپس آئے، لیکن تاج الدین نے شاید ان شرائط کو تسلیم نہیں کیا، اور وہ ملاحدوں سے جنگ پر آمادہ ہو گیا، اس سلسلہ میں اس نے مولانا منہاج کو پھر قہستان بھیجنا چاہا، لیکن دوسری مرتبہ انھوں نے جانے سے انکار کیا، تاج الدین نے برہم ہو کر ان کو سجستان میں قید کر دیا، ۴۳ دن قید میں رہے تھے کہ ملک رکن الدین خنسار نے ان کی رہائی کی سفارش کی، اور وہ رہا کر دیے گئے، مولانا منہاج نے شکریہ میں اس کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا،[1]

---

[1] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۷۰۔۱۷۱

سنہ ۶۲۴ھ مین عازم ہندوستان ہوئے، غزنین ہوتے ہوئے ملتان کوٹ پہنچے، وہان سے کشتی پر بروز سہ شنبہ ۲۶ جمادی الاول سنہ ۶۲۴ھ کو اوچ آئے، اور پھر ناصر الدین قباچہ کے دربار مین حاضر ہوئے، جہان ان کی بڑی پذیرائی ہوئی، اوچہ کا مدرسہ فیروزی ان کے سپرد کیا گیا، اور قباچہ کے لڑکے علاء الدین بہرام شاہ کے لشکر کے قاضی بھی مقرر ہوئے[۱]، یہان ان کو معاشی اور قلبی اطمینان حاصل ہوا، تو انھون نے اپنے علم و فضل کا جوہر دکھایا، ان کا ذکر سلاطین دہلی کے سلسلہ مین بھی آئے گا، جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ اپنے عہد کے کس قدر جید عالم اور ممتاز فاضل تھے،

وزیر عین الملک کی علمی سرپرستی | قباچہ کے دربار کی علمی فضا اس کے وزیر عین الملک ملک الوزراء فخر الدین الحسین بن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری کی علم دوستی اور علم پروری سے اور بھی زیادہ روشن اور منور تھی، وہ علوم و فنون کا دلدادہ اور اپنے آقا کی طرح شعراء کا بڑا مربی اور سرپرست تھا، شعراء سلطان اور وزیر دونون کی شان مین قصیدے کہتے، اور دونون سے داد پاتے تھے، عین الملک کی مدح مین تاج الفضلاء مولانا شمس الدین بلخی ایک قصیدہ مین کہتے ہین :-

یوسف کنعان حسنی دو دعناب تو ہست	سال و ماہم پائمال دست گرگان یافتہ
در دریاے ملاحت صورت زیبائے تو	اشکم اندر عشق خود ہم رنگ مرجان یافتہ
آب حیوان لعل تست و معجز عیسی خرد	دایم از خاک در دستور گیہان یافتہ
صاحب جمشید رتبت فخر دنیا عین ملک	آنکہ ملک از رائے او تمکین و امکان یافتہ
از سواد موسی کلکت ید بیضائے ملک	ہمچو موسیٰ از عصا اعجاز ثعبان یافتہ
خصم بدکیش ترا چرخ کمان دش زہ عید	از حسامت بر بساط کینہ فرمان یافتہ
تا جہان باشد بقائے دولت و جاہ تو باد	اے جلالی عز و جاہ از فضل یزدان یافتہ[۲]

[۱] طبقات ناصری بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۴۲ [۲] لباب الالباب ج ۲ ص ۴۲۱ - ۴۲۳

ضیاء الدین سجزی نے بھی عین الملک کی مداحی کی ہے جس کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں،
ان سے قصیدہ نگار کے ممدوح کی فیاضی اور علم دوستی کے ساتھ اس کے کلام کا رنگ اور اس زمانہ
کی قصیدہ گوئی کے طرز کا بھی کچھ اندازہ ہوگا،

زین طراوت تا ابد خالی نہ بینی باغ را ‖ زانکہ او دولت سرائے صاحب دریا عطاست
خواجۂ آفاق عین الملک کز تعظیم او ‖ آسمان مرتبت را آفتاب کبریاست
آصف جمشید رتبت فخر دین و دولت آن ‖ کاستان چرخ سایش سجدہ جائے اصفیاست
اے حسن خلق حسین اسمی کہ از بہر شرف ‖ بخت بر درگاہ امرت بندۂ فرمانرواست
صاحبا در بندگیت ایام برنائی تمام ‖ صرف کردم جاہ تو بر صدق وین دعوی گواست
ملجاء خود جز جناب جاہ تو نشناختم ‖ از جوانی تا گر پیری کہ ہنگام عناست
عہد برنائی گذشت اکنون و مویم شد سپید ‖ در زمانہ نا امید یہاے دیگر در قفاست
در جوانی چون عزیزم داشتی از راہ لطف ‖ حق پیری را کنون گر شاکرم داری رواست
با دعا سازم کہ در مدح تو عاجز یافتم ‖ خاطر خود را اگر چہ مبلغ حمد و ثناست
رتبت صدر و زارت جاودان جاہ تو باد ‖ کز ترقی جاہ تو پیرایۂ عز و بقاست[1]

عین الملک کی مدح میں لباب الالباب میں ایک قصیدہ درج ہے، مگر قصیدہ نگار
کا نام مرتب لباب الالباب کو معلوم نہیں ہو سکا۔ گو اس کے کچھ حالات کتاب میں موجود ہیں، وہ
بامیان کا رہنے والا تھا، صاحب قلم اور صاحب سیف بھی تھا، اس نے منگان اور سیرک کی ایالت
بھی کچھ دنوں تک کی ہے، سلطان جلال الدین کی طرف سے اس کو بغروش کا لقب عطا ہوا تھا،
لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان ممالک میں اس کی قدر دانی کم ہو گئی تھی، اسی لیے وہ قسمت آزمائی کے لیے

---

[1] لباب الالباب ص ۲۷-۴۲۶

ہندوستان پہنچا، یہاں قباچہ کے دربار سے وابستہ ہوا، اور عین الملک کے دامنِ عاطفت میں پناہ لی اور بقول عوفی اپنے قلم مشکبار سے اس کی مداحی شروع کی، اس کی شان میں ایک قصیدہ سوال و جواب کی شکل صنعت میں لکھا ہے، لیکن اس صنعت کے باوجود قصیدہ کا ہر شعر زورِ بیان، سلاست اور روانی کی اعلیٰ مثال ہے، بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

گفتم بدان نگہ کہ خورشید انوری — گفتا ز دی نکوترم ار نیک بنگری
گفتم کہ دل ربائی جانان ز عاشقان — گفتا بزلف عنبری و چشم عبہری
گفتم مہ چہاردہ بر سپہر حسن — گفتا مہ مراست ہزار از تو مشتری
گفتم بہ بندگئی تو اقرار می کنم — گفتا چو تو بسیت کنونم بجا کری
گفتم کہ جان بہ نزد تو آرم بخدمتے — گفتا کہ تحفہ الیست ز بے سیمی و زری
گفتم گہر فشانی ز اوصاف شاعریست — گفتا کہ زر ستانیست آئین دلبری
گفتم کہ شعر من گہر بحر خاطر ست — گفتا کہ شعر خواہم دیبای ششتری
گفتم ثنائے صاحب آفاق خوانمت — گفتا کہ چون بخوانی ؛ خوانم برابری
گفتم کہ عین ملک جہان فخر دین حق — گفتا کہ آن حسین ابو بکر اشعری
گفتم بیان اوست بہ از تیغِ خسروی — گفتا بنان اوست بہ از رمحِ صفدری
گفتم گہر برآرد غواص کلک او — گفتا ز بحر وصل گہ آشناوری[1]

سدید الدین محمد عوفی — عین الملک کے گلدستۂ علم و ادب کا گل سرسبد سدید الدین[2] (یا نور الدین)

---

[1] لباب الالباب جلد دوم ص ۱۹۱ [2] مولانا ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی (ص ۱۷۴) میں عوفی کا نام صدر الدین بتایا ہے، لیکن ڈاکٹر محمد نظام الدین صدر شعبۂ فارسی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد نے بڑی محنت و کاوش کر کے صحیح نام سدید الدین بتایا ہے گو عام طور سے وہ نور الدین کے لقب سے مشہور ہے، دیکھو ڈاکٹر نظام الدین کی کتاب
Introduction to The Jawami'ul Hakayat wa Lawamiu riwayat, p. 4, 5

محمد عوفی تھا، وہ مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اولاد سے تھا، اسی لیے اپنے نام کے ساتھ عوفی لکھتا ہے، عوفی کے دادا قاضی الامام شرف الدین سید المحدثین ابو طاہر یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی ماوراء النہر کے مشہور علماء میں تھے، اس کے ماموں سید الحکماء ملک الاطبا شرف الزمان امام مجد الدین محمد بن عدنان السرخکتی اپنے عہد کے ممتاز طبیب تھے، اور ماوراء النہر کے سلطان قلیج طمغان خاں ابراہیم بن حسین کے دربار سے منسلک تھے،

عوفی بخارا میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم یہیں امام رکن الدین مسعود بن امام زادہ، تاج الدین عمر بن مسعود بن احمد اور مولانا قطب الدین سرخسی سے حاصل کی، مزید تحصیل علم کے لیے تقریباً بیس سال تک ماوراء النہر اور خراسان کے مختلف دیار مثلاً سمرقند، اموی، خوارزم، مرو، شہر نو، نساء، نیشاپور، ہرات، اسفزار، اسفرائن، سجستان اور فرہ کی سیاحت کی، اور یہاں کے علماء، فضلا اور شعراء سے مستفید ہوا ۵۹۷ھ میں سمرقند میں اس نے مولانا صدر الامام شرف الدین محمد بن ابی بکر النسفی سے حدیث پڑھی اور ان سے روایت حدیث کی اجازت لی یہیں وہ شاہ قلیج طمغاج خان ابراہیم کے لڑکے قلیج ارسلان خاقان نصرۃ الدین عثمان کی ملازمت میں داخل ہو کر اس کے دیوان انشاء کا نگراں مقرر ہوا، اس ملازمت کے دوران میں سمرقند کے دربار کے تمام فضلا، اور شعراء کی صحبت میں رہا،[۱] مگر یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہرا اور وہاں سے اپنے وطن لوٹ آیا، جہاں سے پھر نکل کر خوارزم پہنچا، یہاں کے مشہور شیخ شرف بن المؤید بغدادی سے فیوض حاصل کرنے کے علاوہ شیخ الاسلام علاء الدین الحارثی سے حدیث کی قرأت بھی کی،[۲] خوارزم سے شہر نو آیا لیکن راستہ میں اس کا مال و اسباب لٹ گیا، شہر نو پہنچ کر اس نے نصرۃ الدین کبود جامہ کی خدمت میں حسب ذیل رباعی لکھ کر بھیجی،

---

[۱] لباب الالباب ج ۱ ص ۸۵ و ۹۴ [۲] ایضاً ص ۲۰۹

اے شاہ بہذل بحر و کانے دگری | در قالب ملک و عدل جانے دگری

زان روے کبود جامہ می خوانندت | کز رفعت و قدر آسمانے دگری

نصرۃ الدین نے عوفی سے ملاقات تو نہیں کی لیکن اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھیجدیا،[1]

عوفی شہر نو سے خراسان کی طرف بڑھ گیا، اور نسا پہنچا، جہان وہ مجد الدین محمد الپایئزی سے ملا،

جو اس وقت خوارزم شاہیون کا شہنشاہ نامہ مرتب کر رہا تھا،[2] نسا سے عوفی ۶۰۳ھ مین نیشاپور

آیا، اور وہان کے گاؤن مین بھی گھوما، وہان سے اسفرائن پہنچا، یہان سلطان خوارزم شاہ

کے دبیر عماد الدین کے یہان مقیم رہا،[3] یہان سے پھر نیشاپور آیا، اس مرتبہ نیشاپور کے قیام کے

زمانے مین تمام اکابر فضلاء و شعراء کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا، سلطان خوارزم شاہ کے

صاحب دیوان استیفا صدر الدین کے ساتھ وہ کر شعر و شاعری کی مجلس گرم رکھی، دونون ایک

دوسرے کی سخن سنجی و سخن فہمی کی داد دیتے تھے،[4] اسی شہر کے مشہور ادیب، شاعر اور کاتب اور

سلطان سنجر کے دبیر منتخب الدین کی صحبت مین وہ کر ان کی تصنیف رقیۃ القلم پڑھی، جس سے

اس کو فن کتابت مین بھی درک حاصل ہوا،[5] یہین مولانا سرخسی کے ساتھ ان کے اشعار پر اشعار کہکر

اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا،[6] یہین اور دوسرے شعراء اور ارباب ذوق کے سامنے اپنے فارسی

اور عربی اشعار سنا کر ان سے داد لی،

نیشاپور سے ہرات آیا تو وہان کے فاضل اجل امام بدر الدین بن نور الدین ہروی اور شیخ

فخر الدین خطاط کی صحبت مین علمی و ادبی فیوض حاصل کیے،[7]

ہرات سے سجستان کی طرف روانہ ہوا، پہلے وہ اسفزار آکر مقیم ہوا، جہان وہ سلطان

---

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۲۳۰ [2] ایضاً ج ۲ ص ۵۴۳ [3] ایضاً ج ۱ ص ۷۴ [4] ایضاً ص ۴۴-۱۴۳۔

[5] ایضاً ص ۸۰، [6] ایضاً ص ۲۱۸ [7] ایضاً ص ۲۴۶-۲۵۰

محمد خوارزم شاہ کے وزیر ضیاء الدین ابوبکر بن احمد البجاجی سے ملا جس کی فیاضی اور داد و دہش کا برابر معترف رہا، یہیں اس نے امام شرف الدین عنبری سے سنکر شہاب الدین محمد بن ہمام کے کچھ اشعار جمع کیے، جو خراسان کے مشہور شاعر، عالم اور خطاط تھے[1]، یہیں اس نے مہذب الدین منصور بن علی سے گہرے تعلقات پیدا کیے۔ جس نے اس کی شان میں ایک عربی قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے[2]:

مالبصرت ایام عمری طرفی　　فرما گریما کالسدید العوفی

اسفزار سے فرہ آکر امام شرف الدین محمد بن محمد فراہی سے ملا جو علم و عمل دونوں کے جامع تھے، اسفزار سے سجستان کے دار السلطنت پہنچا، جہاں کے تمام مشاہیر فضلاء سے ملا، سجستان سے اپنے وطن بخارا کی طرف مراجعت کی[3]، دوران سفر میں وہ مرو اور اموی کے فضلاء سے بھی ملا، ان فضلاء اور شعراء کی صحبت میں اس کے علم و ادب کی جلا اچھی طرح ہوئی اور جب وہ وطن پہنچا تو اس وقت اس کا شمار ایک جید اہل علم میں کیا گیا لیکن جب خراسان پر تاتاریوں نے یلغار کی تو اس کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، اور وہ غزنین ہوتا ہوا ہندوستان کی طرف بڑھا، لاہور پہنچا تو اس زمانہ کے مشہور شاعر حمید الدین مسعود بن سعد شالی کوب اور ادیب شرف الدین احمد وماوندی کی صحبت سے متمتع ہوا[4]۔ لاہور سے ۶۱۷ھ سے پہلے ناصر الدین قباچہ کے دربار میں اچھ پہنچا، یہاں اس کو شاہی امام و واعظ کے عہدہ پر مامور کر کے اس کے علم و فضل کی قدر دانی کی گئی، ۶۱۷ھ

---

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۷۵ [2] ایضاً ص ۱۵۹ [3] لباب الالباب میں عوفی نے اپنی سیاحت کا ذکر ضمنی طور پر کیا ہے، اس لیے ہم نے اس کے سفر کی جو ترتیب قائم کی ہے ممکن ہے وہ صحیح نہ ہو، اس کی سیاحت کی تفصیلات لباب الالباب جلد اول کے مقدمہ، جوامع الحکایات ولوامع الروایات کے اردو ترجمہ کے دیباچہ اور ڈاکٹر نظام الدین کی تصنیف میں بھی ہیں، ہم نے ان سب سے بھی استفادہ کیا ہے [4] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۱۴ و ج ۲ ص ۲۸۳

میں عید الفطر کے موقع پر اس نے عربی میں جو خطبہ دیا تھا، وہ لباب الالباب جلد اول ص ۱۱۵ پر منقول ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہو کر کنبھایت پہنچا، یہاں اس نے قاضی ابی علی المحسن بن علی محمد بن داؤد المتوفی ۳۸۴ھ کی کتاب الفرج بعد الشدۃ کا فارسی ترجمہ شروع کیا، اور اپنے آقا کے نام سے اس کا انتساب کیا، اس انتساب میں اس نے سلطان کے لیے جو القاب استعمال کیے ہیں، اس سے اس کے ساتھ اس کے احترام وعقیدت کا پتہ چلتا ہے، لکھتا ہے:

قدر فرمان ملک معظم خسرو اعظم مالک رقاب امم مولی ملوک الترک والعجم ناصر الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین اعدل الملوک واکرام السلاطین سلطان ارض اللہ ناصر عباد اللہ حافظ بلاد اللہ المؤید بنصر اللہ محرز ممالک الدنیا مظہر العلیا ابو الفتح قباچہ[1]

جب عوفی کو ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک نے اپنی سرپرستی میں لیا، اور اس کو مالی و معاشی اطمینان حاصل ہوا، تو اس نے شاہی ملازمت کے زمانے ہی میں اپنے وہبی اور کسبی علوم کا جوہر اپنی کتاب لباب الالباب لکھ کر دکھایا، یہ کتاب دو جلدوں میں اڈورڈ براؤن نے اڈٹ کر کے محمد بن عبد الوہاب قزوینی کی تعلیقات کے ساتھ ۱۹۰۳ء میں انگلستان سے شائع کی ہے، پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلے چار ابواب میں شعر و شاعری کی فضیلت اور معنی پر بحث ہے، پانچویں اور چھٹے میں مختلف سلاطین، ملوک، امراء اور وزرا کی فارسی شاعری کا ذکر ہے، ساتویں میں ماوراء النہر، خراسان، نیمروز، عراق، غزنین اور جبال کے ائمہ، علماء، اور فضلاء کی شاعری پر

[1] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۵۰۴، نمبر ۳،

تبصرہ ہے، دوسری جلد کی پانچ فصلوں میں آل طاہر، آل لیث، آل سامان، آل ناصر، آل سلجوق، اور ناصر الدین قباچہ کے درباری شعراء کا بیان ہے، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب فارسی کے ابتدائی دور کے شعراء کا تذکرہ ہے، جو دولت شاہ کے تذکرۃ الشعراء سے ڈھائی سو سال پہلے لکھا گیا ہے اس لحاظ سے فارسی شعراء کے تذکروں میں قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے[1]، فارسی کے بہت سے قدیم شعراء کے حالات اور ان کی شاعری کے نمونے صرف اسی کتاب کی بدولت ملتے ہیں، گو مصنف نے اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق شعراء کے حالات زیادہ تفصیل سے تو نہیں لکھے ہیں، پھر بھی فارسی کے قدیم شعراء کی شاعری کے مطالعہ کے سلسلہ میں یہ کتاب اب تک بہت زیادہ قابل قدر سمجھی جاتی ہے، اس کی عبارت شروع سے آخر تک مسجع اور مرصع ہے، جو عوفی کے ایک باکمال ادیب اور نثر نگار ہونے کا ثبوت ہے،

یہ کتاب عین الملک کی سرپرستی میں لکھی گئی، اس لیے مؤلف نے دیباچہ کے ابتدائی چھ صفحوں میں اپنے مربی اور محسن کی مدح و توصیف نثر اور نظم دونوں میں کی ہے، نثر میں جو القاب اپنے ممدوح کے لیے لکھے ہیں وہ عین الملک سے اس کی عقیدت کے ساتھ اس کے اشہب قلم کی جولانی کی بھی دلیل ہیں، دیباچہ کے علاوہ بھی جابجا وہ عین الملک سے اپنے عقیدت مندانہ جذبات کا اظہار والہانہ انداز سے کرتا ہے، ایک قصیدہ میں کہتا ہے

مردم دیدہ نگر چوں روح در خود آمدہ	بارہا از زیر موج اشک بر سر آمدہ
دور بینی بیں کہ چون زو یک گرد غم بدو	چوں عروس شادمان در فر دگوہر آمدہ
آن بہشتی لعبت میمون لقا را روز و شب	منزل و مادی نگر در آب کوثر آمدہ
چوں مشعبد ہندوی زنگی مزاجست او بہ بیں	دست لعبت ہر زمان از رنگ دیگر آمدہ

[1] دیکھو مقدمہ لباب الالباب ج اول از براؤن ص ۱۱ و لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص ۴۷۷،

همچو لطف صاحب صاحب قران تصویر او ... نزد اہلِ عقل و دل با جان برابر آمده
آصفِ ایام عین الملک فخر الدین کہ ہست ... قدر او از مرکز افلاک برتر آمده
قدوۂ دوران حسین آن صاحبی کز عزم و جاہ ... راہ را خاکِ درش اورنگ و افسر آمده[1]

ایک قطعہ میں رقمطراز ہے :

تو آن وزیرے کانصاف پادشاہ جہان ... بحکمِ قست منور زہے ستودہ وزیر
ہر آنکہ جز تو کسے را وزیر پندارد ... جلال و قدر تو واجب کند بہ تعزیر
تو فی سزاے وزارت بہ لیکس نرسد ... گزافہ دولت واللہ بالعباد نصیر[2]

اپنے مربی کے لیے بار بار دعائیں کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

تا فلک گردان بود دستور عین الملک باد ... دیدۂ ملک جہاں را نور عین الملک باد
چون بناے ظلم از والی عدلش شد خراب ... تا بود قصر سما معمور عین الملک باد
راے پیرش چون غم کار ممالک می خورد ... دایم از بخت جوان مسرور عین الملک باد

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے،

اے آنکہ پاسبانی قدر تراز حل ... چون ماہ و آفتاب بجاں گشت مشتری
تا نفخ صور نقش طراز جلال باد ... صدر جہان حسین ابو بکر اشعری

عین الملک کے حق میں دعائیں کرتا ہوا عوفی اپنی کتاب کو ختم کرتا ہے، دعا کے آخری دو شعر یہ ہیں۔

زمانہ را بیسار، تو باد جملہ یسار ... سپہر را بہ یمین تو باد جملہ یمین
ز خلق بر تو ثنا باد و از فلک احسنت ... ز بخت بر تو دعا باد و از ملک آمین

---

[1] لباب الالباب جلد اول ص ۴ [2] ایضاً ص ۵

یہ جذبات محض شاعرانہ نہیں ہیں، بلکہ اپنے سرپرست کی علم پروری اور علم دوستی کا سچے دل سے اعتراف ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے،

شعر را ہیچ فضیلت نیست جز آنکہ جلوہ گری جلال صدر ایوان جمال و ماہ آسمان کمال و یگانہ بشر و دوم مطرہ سیوم شمس و قمر صاحب کبیر عالم عادل موید مظفر منصور مجاہد عین الملک ملک الوزرا را است ضاعف اللہ جلالہ تمامت۔" (ص ۱۶ جلد اول)

ایک دوسرے موقع پر عین الملک کے متعلق رقمطراز ہے،

"بآداب فضائل قدوہ سحبان وائل و صاحب و صابی در دیوان معالمت پیش او کی صبی و دیگرے باقل۔" (جلد اول ص ۱۶۳)

عوفی کی دوسری مشہور تصنیف **جوامع الحکایات ولوامع الروایات** ہے جسکو اس نے سلطان ناصر الدین قباچہ ہی کے حکم سے لکھنا شروع کیا تھا مگر ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ قباچہ التمش کے ہاتھوں شکست کھاکر دریائے سندھ میں ڈوب کر اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کردی، عوفی بھی[1] دوسرے فضلاء و شعراء کی طرح التمش کے دربار میں چلا گیا، اور اس کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعد الجنیدی کی سرپرستی میں اس نے جوامع الحکایات ولوامع الروایات کو مکمل کرکے اس معارف پرور وزیر کے نام سے معنون کیا، (دیکھو دیباچہ جوامع الحکایات) یہ کتاب چار جلد وں میں ایک سو ابواب پر مشتمل ہے، اس میں دو ہزار ایک سو تیرہ حکایتیں ہیں، یہ اپنی خصوصیات مثلاً حکایتوں کی رنگارنگی، بوقلمونی، دل نشینی اور سچائی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی، اور بقول مخدومی سید ہاشمی فرید آبادی "اول سے فارسی علم و ادب کی نہایت مقبول و منتخب کتاب مانی گئی ہے"

[1] جوامع الحکایات پر بحث عہد شمسی کے ذکر میں آنی چاہیے تھی، لیکن عوفی کے ذکر کے تسلسل کو قائم رکھنے کی خاطر اس کتاب پر تبصرہ یہاں کر دیا گیا ہے جس کے لیے ہم ناظرین سے معذرت خواہ ہیں۔

مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے، اور ہر زمانہ میں ہر ملک کے مصنف اور مولف اس سے برابر استفادہ بھی کرتے رہے ہیں، اس کی بعض حکایتیں تاریخی لٹریچر کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض قصوں میں مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی اور عمرانی نکات پیش کیے گئے ہیں، اور زیادہ تر ایسی کہانیاں ہیں جن میں اخلاقی اوصاف مثلاً عدل، حیاء، تواضع، عفو وکرم، حلم، بردباری، ہمت، رحم، ایثار، سخاوت، صبر، شکر، حزم، زہد، جد وجہد، سکوت ونطق، وفاداری، محافظت عہد، امانتداری اور دوسرے مکارم اخلاق کے سبق آموز پہلو کی وضاحت کی گئی ہے،

عوفی نے یہ تمام حکایتیں تاریخ اور دوسرے فنون کی کتابوں سے جمع کی ہیں، جن کے نام بھی جابجا لکھ دیے ہیں، مثلاً آثار الباقیہ، کتاب الہند، تاریخ یمینی، تاریخ ناصری، تاریخ ملوک العجم، تاریخ العباس، مجمع الامثال، ادیان العرب، عین الاخبار، شرف النبی، الفرج بعد الشدۃ، خلق الانسان، فوائد کتب حکایتی، مفتاح الحج، سر الدای، تفسیر ابن القلبی، تاریخ مقدسی، دستور الوزراء، خواص الاشیا، کتاب الحیوان وغیرہ، ان ماخذوں سے عوفی کی وسعتِ نظر، کثرتِ مطالعہ اور کتاب کی تدوین میں غیر معمولی تحقیق وکاوش کا اندازہ ہوتا ہے،

عوفی نے جوامع الحکایات میں اپنے مربی اور محسن نظام الملک کی شان میں بھی بہت سے قطعات اور قصائد لکھے ہیں، ایک قطعہ کی ابتدا اس طرح کرتا ہے۔

آصف ثانی فرخندہ نظام الملک آن — کاسمانست پے خدمت اوپشت دوتاہ
آن جنیدی نسب وخلق کہ در راہ کرم — اوست بر جند اکابر بمثل خسرو شاہ

پھر اسی قطعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نظام الملک کا دربار اشراف وملوک کا قبلۂ حاجات تھا، اور اس کا جود وکرم بے پایاں تھا،

آنکہ درگاہ جلالش را اشراف وملوک — قبلۂ حاجت سازند بعلل جباہ

بحر الفاظش بر خلق جہاں گشت محیط   کہ در و دہم مہندس نہ کند ہیچ شناہ

اے شدہ بحر کفت عبرتِ کان و دریا   اے شدہ خاکِ درت مایہ دہ دولت وجاہ

نظام الملک کے صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف ہونے کی تعریف میں ہے۔

ہست از روئے کلکت سر نصرت بہتر   ہست از تیغ کبود تو رخِ خصم سیاہ

عرفی کو اعتراف ہے کہ اس کے علم و ہنر کی قدر نظام الملک کے دربار میں ہوئی، اس کا اظہار ایک لطیف پیرایہ میں کر کے اس کی مزید عنایتوں کا ملتجی ہوتا ہے۔

صاحبا قصۂ داعی بکرم اصغا کن   کہ مثل گشت کنوں قصۂ او در افواہ

داعی مخلص عرفی کہ از احداثِ زمان   می شود خون دل مسکینش بروزی صد راہ

گرچہ در مرتبہ رابع عقد ہنر ست   صفر و آحاد بود حاصل او یعنی آہ

مدتے عمر برامد بحصول اغراض   ہمچو دربان گران معتکف ہر درگاہ

رنگ و بوئے کرم از کس چو ندید و نشنید   با چنیں تحفہ دگر باز تو آورد پناہ

ذات او ہست نباتے بہ کرم آبش دہ   چہ شود تازہ پس از وے ثمر تازہ بخواہ

او رواں کرد زبان را بمدیح تو دراز   تو از دست حوادث بکرم کن کوتاہ

تا کہ در نور و ضیا ماہ نباشد چون خور   تا کہ در مرتبہ فرزین نبود ہم چوں شاہ

دشمن جاہ تو در حبس ابد باد چنان   کہ بروں ناید ازو ہرگز چون سایہ زچاہ

ایک اور قطعہ میں نظام الملک کے بذل اور اخلاق کے متعلق کہتا ہے۔

نظام الملک و سپہر کرم قوام الدین   کہ گرد بذل کفش خستہ سینہ کانرا

محمد ابن ابی سعد صاحبے کہ دہد   برائے قوت نشو و نما مرار کانرا (۹)

اگر نہ نفحہ اخلاق او مدد کردے   کجا بدی لطراوت اثر گلستان را

اگر نہ پرتو رائے منیر او بودے — زسایہ رنج بدی آفتاب رخشاں را

ہمیشہ صدر وزارت باد مشرف باد — مدام تا کہ بود دور چرخ گرداں را

ایک دوسرے موقع پر نظام الملک کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

آں صاحب ستودہ کہ دام فضائے عرش — شہباز قدر و جاہ ورا آشیان سزد

عادل نظام ملک محمد کہ دہر را — معمار رائے قاہر او قہرمان سزد

ہر قصر قدر او را از دولت جوان — ہندوے بر قدر زحل پاسبان سزد

برجیس کو بہ سعد جہانراست میزبان — در منزل سعادت او میہمان سزد

مریخ کو است شعلۂ از نار چشم او — در روز حشر بر سر زخمش سنان سزد

ناہید آنکہ عود طرب بر کنار اوست — از بہر بزم قدر او درمیان سزد

تیر فلک محرر دیوان او بود — زبیک تیز تازوی او قہرمان سزد

پیوستہ شاد باش کہ این ملک شرق را — قدرش روان فزاید و رایش جوان سزد

جوامع الحکایات میں نظام الملک کی مدح میں بہت سے اشعار ملیں گے، جن میں کبھی اس کے تدبر و دبدبہ، کبھی اس کی علم نوازی و ہنر پروری کبھی اس کی عدل گستری اور غربا نوازی اور کبھی اس کی شجاعت و نبرد آزمائی وغیرہ کی تعریف و توصیف کرتا ہے، ایک جگہ نظام الملک کی ستایش کے سلسلہ میں سلطان شمس الدین التمش کی بھی مدح کی ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے عہد کا ادنی آدمی بھی قیصر و کسریٰ اور خاقان و چین سے بہتر ہے۔

نظام ملک محمد قوام دولت و دین — کہ مصر جامع دین راز رائے اوست حصار

دگر بہ عہد شہنشاہ ما دی پہ دینہ — ز رشک و غیرت نشناختی یمین و یسار

خدایگان سلاطین عہد شمس الدین — کہ کان دریا از یمین اوست یسار

مکین بندۂ او بہ قیصر و کسریٰ — کمین چاکر او بہ ز خان چین تتار

خدائے جل جلالہ وزیر سلطان را — بفضل خویش ز احداث چرخ مامون دار

ہم نے عوفی کے مختلف قصائد و قطعات اوپر اس لیے درج کیے ہیں کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ وہ ایک ممتاز نثار اور ادیب ہونے کے علاوہ ایک جلیل القدر اور قادر الکلام شاعر بھی تھا، اس کی وعظ گوئی، نثر نگاری، سخن سنجی اور پایۂ علمی کی داد دیتے ہوئے اس کے معاصر محمد بن عمر بن محمد سمرقندی نے جو اس کے فارسی ترجمہ الفرج بعد الشدۃ کا کاتب ہے، اس کو "واعظ الملوک والسلاطین"، "منشی النظم والنثر" "ملک الکلام" اور "افضل العالم" کے القاب سے یاد کیا ہے،

عوفی کی ایک کتاب مدائح السلطان بھی تھی، جو غالباً اس کے قصائد کا مجموعہ تھا،

چچ نامہ ناصر الدین قباچہ ہی کے عہد میں سندھ کی مشہور و معروف تاریخ چچ نامہ عربی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی، اور اس کے وزیر عین الملک کے نام سے معنون ہوئی، یہ تاریخ دراصل عربی میں لکھی گئی تھی، جس کو فارسی میں محمد بن علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے منتقل کیا، اور اب اس مترجم کی حیثیت مستقل مصنف کی ہو گئی ہے، محمد بن علی کا آبائی وطن کوفہ تھا، چچ نامہ کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن مالوف سے اچہ آیا، اور اپنی عمر کے ۵۸ ویں سال میں اس کو سندھ خصوصاً محمد بن قاسم کی فتوحات کی ایک تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اس ارادہ کی تکمیل کے سلسلہ میں وہ اچہ چھوڑ کر الور اور بھکر آیا، بھکر میں اس کی ملاقات اس زمانہ کے بہت بڑے عالم مولانا کمال الدین اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب الدین عثمان ثقفی سے ہوئی، جن کے بارہ میں وہ لکھتا ہے کہ

در فصاحت کان فضل است و در ملاحت جان عقل است، و در فنون علوم فارسی بے نظیر و در .... بلاغت بے عدیل شدہ بود"

مولانا کمال الدین اسمٰعیل سے محمد بن علی کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس عربی میں سندھ کی ایک تاریخ ہے، جس کو ان کے کسی مورث نے قلمبند کیا تھا محمد بن علی نے اس کا مطالعہ کیا تو اس کو یہ کتاب بہت پسند آئی، وہ خود لکھتا ہے،

چون بندہ را بر آن کتاب اطلاع افتاد کتابے بود بجواہر حکمت آراستہ و بدرر و مو عظت پیراستہ و اوصاف شجاعت و مردانگی اہل عرب و شام در وے مبرہن، و الزواع شہامت و فرزانگی در وے متمکن ....

چنانچہ اس نے اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا، اور ۶۱۳ھ میں جب ترجمہ ختم ہوا تو اس کا نام فتح نامہ رکھا لیکن بعد میں یہ کتاب چچ نامہ کے نام سے مشہور ہوئی، شروع میں سندھ کے راجہ چچ بن سلائج کی حکومت اور فتوحات کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے چچ نامہ کی شہرت زیادہ ہوئی، حالانکہ اس میں سندھ کے فاتح محمد بن قاسم ثقفی کے جنگی و حربی واقعات کی تفصیلات زیادہ ہیں اور اسی لیے اس کا نام فتح نامہ رکھا گیا تھا لیکن یہ نام مقبول عام نہ ہوا، اس کا نام منہاج الدین والملک اور تاریخ قاسمی بھی بتایا گیا ہے۔

اس تاریخ کا ایک آدھ واقعہ تو افسانوی رنگ میں ہے خصوصاً یہ روایت تو بالکل بے سروپا ہے کہ داہر کی لڑکیاں جب مال غنیمت کے ساتھ خلیفہ ولید کے پاس بھیجی گئیں تو انھوں نے محمد بن قاسم پر تہمت لگائی اور خلیفہ نے غصہ میں محمد بن قاسم کو چرم گاؤ میں سلوا کر مروا ڈالا، اور جب اس کی لاش داہر کی لڑکیوں نے دیکھی تو اقرار کیا کہ انھوں نے محمد بن قاسم پر تہمت اپنے باپ کا بدلہ لینے کی خاطر لگائی تھی، خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنی بوٹیاں کاٹنے لگا۔ اس روایت کو موجودہ دور کے تمام محققوں نے بالکل غلط بتایا ہے، دوسرے اس لیے بھی ناقابل قبول ہے کہ محمد بن قاسم کی معزولی سلیمان بن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں ہوئی، اور اس کی معزولی کے بعد یزید بن ابی کبشہ سکسکی جب سندھ کا والی

مقرر ہوا تو اسی نے محمد بن قاسم کو سلیمان بن عبد الملک کے حکم سے گرفتار کیا، مجرموں کی طرح اسکو ٹاٹ کے کپڑے پہنائے اور پاؤں میں بیڑی ڈال کر معاویہ بن مہلب کے ساتھ عراق روانہ کر دیا، جب محمد بن قاسم عراق پہنچا تو واسط کے جیل خانہ میں بھیج دیا گیا اور یہیں تکلیف اور مصیبت جھیل کر مسلمانوں کی تاریخ کے ایک بہت ہی جلیل القدر فاتح نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی[۱]۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف کا چچازاد بھائی اور داماد تھا، اور حجاج سلیمان کے حریف ولید کے لڑکے کا طرفدار تھا، حجاج کی موت کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے اس کے تمام متعلقین کو تہ تیغ کرنے ہی میں اپنی حکومت کی سلامتی دیکھی۔

لیکن اس روایت سے قطع نظر ...... چچ نامہ سندھ کی ایک مستند تاریخ ہے، بعد کے تمام مورخوں مثلاً نظام الدین بخشی مولف طبقات اکبری، فرشتہ صاحب تاریخ فرشتہ، میر معصوم مولف تاریخ سندھ (یا تاریخ معصومی) اور میر علی قانع ٹھٹوی صاحب تحفۃ الکرام نے چچ نامہ سے پورا استفادہ کیا ہے، اس تاریخ سے اس زمانہ کے سندھ کے مذہبی، عمرانی اور معاشرتی حالات سے متعلق بہت سے مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، سندھ میں عربوں کے فتوحات، بنو امیہ اور بنو عباس کے مقرر کردہ والی اور انکے عہد کے واقعات تو صرف اسی کتاب سے معلوم ہوتے ہیں، اور ادبی حیثیت سے بھی یہ کتاب اپنے طرز بیان کی روانی، سادگی اور سلاست کے لحاظ سے بلند پایہ سمجھی جاتی ہے، ڈاکٹر داؤد پوتہ (ڈائرکٹر تعلیمات سندھ) نے اس کو اڈٹ کر کے ۱۹۳۹ء میں مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع کیا ہے، انھوں نے اس کے شروع میں ایک پرمغز مقدمہ اور آخر میں توضیحات، تعلیقات اور استدراکات کا اضافہ کر کے بہت سی مفید باتیں لکھی ہیں، اس کتاب کے ادب و انشاء کے متعلق وہ بھی رقمطراز ہیں کہ اس کی عبارت سادہ سلیس اور بے ساختہ ہے، الفاظ میں معانی گم نہیں ہوتے، اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ

---

[۱] یعقوبی ج ۱ ص ۳۵۶ بحوالہ تاریخ سندھ از مولانا ابو ظفر صاحب ندوی دار المصنفین اعظم گڈھ ص ۱۲۲-۱۲۱

طرز انشاء کے لحاظ سے یہ سفر نامہ، سیاست نامہ، چہار مقالہ اور راحت الصدور کے پایہ کی کتاب ہے۔

۱۹۰۰ئہ میں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرزا قلیج بیگ فریدون بیگ نے شائع کیا تھا، اس کے حواشی میں جابجا تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کے حوالے سے کارآمد تبصرے بھی ہیں۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ کتاب ناصرالدین قباچہ کے وزیر عین الملک کے نام سے معنون ہے، اسی لیے اسکے مترجم علی بن حامد کوفی نے دیباچہ اور خاتمہ میں اس علم پرور وزیر کے لیے بہت سے توصیفی الفاظ استعمال کیے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وزیر عین الملک کے دربار میں اس کی بھی رسائی تھی، اور اس کی بزم کا وہ ایک ممتاز اہل علم تھا۔

تعلیمی درسگاہیں اچہ، ملتان اور بھٹہ اس وقت مشائخ، علماء اور فضلاء کے بہت بڑے مرکز تھے، وہ خانقاہوں، مسجدوں اور نجی مدرسوں میں تعلیم دیکر اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، ان نجی مدارس کے علاوہ حکومت کی سرپرستی میں بھی دو مدرسوں کا ذکر آتا ہے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ مولانا منہاج الدین جوزجانی اچہ آئے تو ناصرالدین قباچہ نے یہاں کے مدرسہ معزی کا اہتمام وانتظام ان ہی کے سپرد کیا، پھر جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو ناصرالدین قباچہ نے ان کے لیے خاص طور پر ایک مدرسہ قائم کیا، جہاں وہ برابر درس وتدریس میں مشغول رہتے، تاریخ فرشتہ میں ہے

"چون مولانا قطب الدین کاشانی از ماوراءالنہر بہ ملتان رسیدہ شاہ ناصرالدین قباچہ والی ملتان سرائے با مدرسہ برائے او بنا نمودہ و مولانا کہ علامۂ روزگار بودند بامداد و دران مدرسہ نماز گزاردہ تدریس گفتن بہ پرداخت۔"

شمس الدین التمش

۱۲۱۰ - ۱۲۳۶ء

۶۰۷ - ۶۳۳ھ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں شمس الدین التمش ایک عدیم المثال فرمانروا گزرا ہے، وہ غلامی سے ترقی کر کے نہ صرف دہلی کے تاج و تخت کا مالک بنا، بلکہ اپنی سپہ گری، سیاسی ہوشمندی، عشق الٰہی اور علم نوازی میں اپنی نظیر آپ ہوا، تاریخوں اور تذکروں میں اس کا ذکر ایک ۔ ۔ ۔ ۔ بہادر سپاہی، بیدار مغز حکمران، برگزیدہ ولی اللہ اور جلیل القدر اہل علم کی حیثیت سے کیا گیا ہے، ہماری اس کتاب کا دائرہ محدود ہے، اس لیے ہم یہاں اس کی عرفان نوازی اور علم پروری ہی کا ذکر کریں گے۔

ابتدائی زندگی التمش ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا[۱]۔ اس کا باپ ایلم خان اپنے قبیلہ کا سردار تھا، اور اپنی دولت و ثروت اور خدم و حشم کی وجہ سے اطراف و جوانب میں بڑی شہرت رکھتا تھا، اس کے کئی لڑکے تھے، لیکن وہ التمش کو اس کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت ہی عزیز اور

---

[۱] تاریخ فرشتہ میں ہے:-

"کتاب طبقات ناصری ناطق است بآنکہ سلطان شمس الدین التمش از بزرگ زادگان ترکان قراختائی است و پدر او کہ از قبیلۂ البری ست و بایلم خان اشتہار داشت بکثرت خیل و حشم و تبع معروف و مشہور عصر بود" (ج ۱ ص ۶۴، نولکشوریہ)

مگر طبقات ناصری کا جو مطبوعہ نسخہ ہے، اس میں التمش کے ذکر میں صرف اتنا ہے کہ

"از قبائل البری ترکستان" (ص ۱۶۵، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)

رکھتا تھا، ایلم خان کی یہ محبت اس کے دوسرے بیٹوں کو اچھی نہ معلوم ہوئی، اور انھوں نے التمش کے ساتھ وہی سلوک کیا جو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا تھا، التمش کے بھائیوں اور بھتیجوں نے اس یوسفِ ترکستان کو گلہ بانی اور شکار کے بہانہ دور دراز باغ و صحرا میں لے جاکر ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا، سوداگر اس کو بخارا لے گیا، جہاں اس شہر کے صدر جہان کے ایک عزیز نے اس کو خرید لیا، یہ خاندان اپنی بزرگی اور مذہبی فضیلت کے لحاظ سے ممتاز تھا، یہاں التمش اپنے آقا کے لڑکوں ہی کی طرح پرورش پاتا رہا، اس نے بھی اپنے آقا کی خدمت گزاری میں غیر معمولی اخلاق و دیانت کا ثبوت دیا، اس زمانہ کا ایک واقعہ طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ صدر جہان کے خاندان کے کسی فرد نے التمش کو ایک قراضہ بازار سے انگور لانے کو دیا، راستہ میں یہ قراضہ گم ہوگیا، وہ بیٹھ کر رونے لگا، رو رہا تھا کہ ایک درویش اس کے پاس پہنچا، اس نے اس پر شفقت کی، اور اس کو انگور خرید کر دیدیا، اور اس سے یہ وعدہ کرایا کہ جب اس کو دولت اور ملک حاصل ہو تو فقراء اور اہل خیر کی تنظیم میں لگا رہے گا اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرلیگا، التمش نے یہ وعدہ کیا، اور جب وہ دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس کو یہی خیال رہا کہ اس کو دولت اور سلطنت اسی درویش کی بدولت ملی ہے[1]

تقدیر نے اس کو صدر جہان کے خاندان سے بھی جدا کیا، اور بخارا کے ایک سوداگر حاجی بخاری نے اس کو خریدا، جس نے اس کو ایک دوسرے سوداگر حاجی جمال الدین چست قبا کے ہاتھوں فروخت کیا، اپنے اسی آقا کی معیت میں وہ بغداد پہنچا، جہاں وہ کچھ دنوں مقیم رہا، بغداد اس وقت جلیل القدر مشائخ و علماء کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے فیوض و برکات کے چشمے جاری تھے، التمش اپنی صغر سنی کے باوجود ان تمام بزرگان سلسلہ کے حلقہ میں حاضر ہوتا رہا، حضرت خواجہ

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۷، تاریخ فرشتہ جلد ا ص ۶۶ [2] طبقات ناصری ص ۱۶۸-۱۶۷، فرشتہ جلد اول ص ۶۴، طبقات اکبری جلد اول ص ۵۶۔

قطب الدین بختیار کاکی فوایدالسالکین میں التمش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بغداد میں ایک روز حضرت خواجہ معین الدین، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین ایک ساتھ کہیں تشریف فرما تھے، وہ بھی اس مجلس میں شریک تھے، پرانے زمانے کے اولیاء اللہ پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک بارہ سال کا لڑکا ادھر سے گزرا، تمام بزرگوں کی نظریں اس پر اٹھ گئیں، حضرت خواجہ معین الدین کی زبان مبارک سے فوراً یہ نکلا کہ

"این کودک بادشاہ دہلی خواہد شد، وحق او را از جہان نبرد تا بپادشاہی نرساند"

(فوائدالسالکین مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۶)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بھی شمس الدین التمش کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"او خدمت شیخ شہاب الدین سہروردی را و شیخ اوحد کرمانی را رحمۃ اللہ علیہم دریافتہ بود و یکے ازینہا گفتہ بود کہ تو بادشاہ خواہی شد" (فوائدالفواد ص ۲۱۲، لکھنؤ اڈیشن)

سیر العارفین میں ہے کہ ایک بار التمش شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں حاضر ہوا، اس وقت شیخ اوحدالدین کرمانی بھی وہاں موجود تھے، التمش نے چند فراضے کمر سے کھول کر شیخ الشیوخ کے سامنے رکھے اور دعاؤں کا طلبگار ہوا، شیخ الشیوخ نے فاتحہ پڑھکر زبان مبارک سے فرمایا "اس شخص کے چہرہ سے انوار سلطنت چمکتے نظر آتے ہیں"۔ شیخ الشیوخ اوحدالدین کرمانی نے بھی التمش کو مخاطب کرکے کہا تمہاری برکت سے تمہاری دنیاوی سلطنت میں تمہارا دین بھی سلامت رہے گا۔[1]

بغداد ہی میں ایک بار اس کے آقا کی قیامگاہ پر اہل حال درویش مدعو تھے، جن میں حضرت قاضی

---

[1] سیر العارفین ج ۱ ص ۲۸، اردو ترجمہ، اس تذکرہ میں یہ روایت طبقات ناصری کے حوالہ سے درج ہے لیکن میرے پیش نظر نسخہ طبقات ناصری میں یہ روایت مذکور نہیں،

حمیدالدین ناگوری بھی تھے۔ ان درویشوں کے لیے مجلس سماع منعقد کرائی گئی، یہ مجلس رات بھر رہی، التمش مجلس کی شمع کو روشن رکھنے کی خاطر تمام رات سرِ شمع کو وقتاً فوقتاً قینچی سے کاٹتا رہا، درویشوں کو اسکی یہ خدمت پسند آئی، اور انھوں نے اس پر ایسی نظر ڈالی کہ مورخوں کا بیان ہے کہ اسی کی بدولت وہ ایک سلطنت کا مالک بن گیا[1]۔

کچھ عرصہ کے بعد حاجی جمال الدین نے التمش کو قطب الدین ایبک کے ہاتھوں فروخت کردیا، ایبک نے اس کو اپنے لڑکے کی طرح اپنے ساتھ رکھنا شروع کیا، التمش نے ایبک کی خدمت میں ایک غیر معمولی ذہانت اور طباعی کا ثبوت دیا، اس لیے وہ مختلف عہدوں پر فائز ہوکر جلد ترقی کرتا گیا، پہلے وہ سرجاندار مقرر ہوا، پھر امیر شکار بنایا گیا، اور جب گوالیار فتح ہوا تو یہاں کا امیر مقرر کیا گیا، جہاں اس نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کی بھی خوبیاں دکھائیں، میدان جنگ میں بھی اس نے اپنی شجاعت اور نبرد آزمائی سے نمایاں کارنامے انجام دیے، چنانچہ اپنی بہادری ہی کے صلہ میں گوالیار سے برن کے نظم و نسق کیلئے بھیجا گیا، جس کے بعد وہ بدایون کے مقطع کے عہدہ پر مامور ہوا، بداؤن کے قیام کے زمانے میں اس سے ایک ایسا غیر اختیاری فعل سرزد ہوا کہ اس کا حوالہ حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے ملفوظات میں بھی دیا ہے، ایک روز التمش چوگان کھیلنے کے لیے باہر نکلا، راستہ میں ایک بہت ہی ضعیف و نحیف فقیر ملا، اس نے التمش سے بھیک مانگی لیکن التمش اس کو کچھ دیے بغیر آگے بڑھ گیا، فوراً ہی ایک توانا

---

[1] فتوح السلاطین، مدراس اڈیشن ص ۱۱۹، طبقات اکبری میں ہے کہ بغداد میں التمش کے آقا کے یہاں ہر رات کو مجلس سماع منعقد ہوتی تھی، التمش سراپا خدمت بنکر اس مجلس میں حاضر رہتا اور سماع کے دوران میں رویا کرتا تھا، اسکے بعد طبقات اکبری میں ہے۔

"چون خدمت ملک التمش درویشان را خوش آمد، نظر برے انداختند، حضرت حق سبحانہ تعالی برکت

آن نظر او را بدرجۂ سلطنت رسانید (ج ۱ ص ۶۲) نیز دیکھو فرشتہ ج ۱ ص ۶۷۔

تندرست سائل ملا جس نے التمش کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلایا بھی نہیں تھا کہ التتمش نے اشرفی کی تھیلی کھول کر اس کو خیرات دی۔ یہ خیرات دے کر التیمش نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو اس بوڑھے نے مجھ سے مانگا لیکن میں نے اس کو کچھ نہ دیا، اگر میں اس بوڑھے کو کچھ دیدیتا تو یہ اچھا تھا، لیکن دینے والا تو خدا ہے، ہم کون ہیں کہ یہ کہیں کہ ہم نے فلاں کو دیا اور فلاں کو نہیں دیا، خدائے عزوجل جس کو چاہتا ہے دلاتا ہے (فوائد الفوائد ص ۳۰) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اس واقعہ اور التتمش کے عارفانہ قول کو اپنے مریدوں سے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ

"معطی خداست، چوں خدائے تعالے کسے را بدہد، مانع کر تو اند بود" (فوائد الفوائد ص ۱۲-۲۱۱)

جب شہاب الدین غوری نے گکھروں کے خلاف فوج کشی کی تو التتمش بھی بداؤں سے ایک بڑی فوج لے کر اس کی مدد کے لیے پہنچا، لڑائی شروع ہوئی تو التتمش نے اپنی بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے، لشکر میں اس سے زیادہ دلیر اور بہادر فوجی کوئی اور نظر نہ آتا تھا، گھکروں کی فوج دریائے جھلم کے اس پار تھی، شہاب الدین غوری کے لشکریوں کا کوئی قابو غنیم پر چل نہیں رہا تھا، لیکن التیمش نے برگستوان پہنے اپنا گھوڑا مردانہ وار دریا میں ڈال دیا، اور دریا پار کر کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، اور اس کی تلوار نے ہزاروں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، التیمش کی اس جرأت اور بہادری کا نظارہ شہاب الدین غوری نے بھی کیا، اور جب گھکر پسپا ہو کر فرار ہو گئے تو شہاب الدین غوری نے التیمش کو طلب کر کے شاہی انعامات عطا کیے اور قطب الدین ایبک کو مخاطب کر کے کہا

"التیمش را نیکو داری کہ از وے کارے خواہد آمد"[1]

اور ایبک سے اس بات کی بھی سفارش کی کہ خط آزادی لکھ کر التتمش کو آزاد کر دے، قطب الدین نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی، اسی کے بعد اس نے امیر الامراء کا خطاب پایا، ایبک نے اپنی لڑکی کو بھی اس کے

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۰ - ۱۶۹

حبالۂ عقد میں دیا[1]، تمام اعیان سلطنت اس کی دینداری، سپہگری اور نظم و نسق میں اس کی بیدار مغزی کے معترف ہوتے گئے، اور جب قطب الدین کا انتقال ہوا، اور آرام شاہ حکمرانی کے لیے موزوں ثابت نہ ہوا تو ارباب حل و عقد نے التیتمش ہی کو تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی۔

بادشاہ بنا تو ایک نئی سلطنت کی جڑ مضبوط کرنے میں منہمک رہنے، مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق کو بہتر بنانے اور بڑی سی بڑی فوجی مہم کی رہنمائی کرنے کے باوجود صوفیہ، علماء، فضلاء اور شعراء کی مجلسیں بھی یکساں طور پر گرم رکھیں،

مشائخ سے عقیدت بادشاہت کے زمانے میں التیتمش درویشوں خصوصاً بزرگان چشت کا اور بھی زیادہ معتقد اور گرویدہ ہو گیا، تذکروں میں ہے کہ اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ہاتھ پر بیعت بھی کی،

مراۃ الاسرار میں ہے،

"سلطان شمس الدین مرید پاک اعتقاد خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی بود۔"[2]

خزینۃ الاصفیاء میں ہے

"از خلفائے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است" (ج ا ص ۲۷۶)

اسی تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ

"او (یعنی سلطان التیتمش) از محبوبان و نظر منظور ثانی خواجہ معین الدین سجزی بود و کمال اعتقاد بخدمت اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد۔"

التیتمش اور حضرت عثمان ہرونی اگر ہم گنج اسرار کو حضرت خواجہ معین الدین کی تصنیف تسلیم کرلیں تو پھر اس کی روایت کے مطابق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان ہرونی نے ۶۱۲ھ میں جب دہلی میں

[1] فرشتہ ج ا ص ۶۵ [2] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، نیز دیکھو سبع سنابل ص ۲۳۴

نزول اجلال فرمایا تو التتمش نسبت اعلیٰ حاصل کرنے کے لیے ان سے بھی بیعت ہونے کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ عثمانؒ نے اس کو "طالب صادق" اور انسان کامل پایا، اور اس کو کلاہ ارادت عطا فرمائی۔ گنجل اسرار میں ہے کہ التتمش نے حضرت خواجہ عثمانی کی صحبت میں رہ کر علم لدنی اور معرفت باطن کے تمام رموز حاصل کیے، اصلی الفاظ ملاحظہ ہوں:

"خلیفہ دہلی مدت از صحبت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ رموزات تلقین ارشادات وحروف ہائے لدنی واستقامت معرفت باطن واطاعت وپاسبانی عالم جبروت وملازمت عبادات خفیات وتلاوت حفظ قلوب باطن بدل وجان گرفت۔"

حضرت خواجہ عثمان ہرونی نے التتمش کے دل کو غیر اللہ اور نفسانی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے مرید کامل حضرت خواجہ معین الدینؒ کو ایک رسالہ لکھنے کا بھی حکم دیا، اسی حکم کی تعمیل میں حضرت خواجہ معین الدین نے گنجل اسرار نامی رسالہ لکھکر شمس الدین التتمش کے پاس بھجوایا، [ل] گنجل اسرار کے دیباچہ میں ہے کہ

"مصنف بحکم فرمان خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ مدتے برائے تصنیفات ملفوظات از تعبرات معانی آیات وحدیثات حضرت رسالت مآب وتعریفات وقول مشائخ دریافتن معانی اسرار حقیقت بروایت صحیح از ہفتاد وچند نسخہائے سلوک برائے استفہام سالکان متعدد

[ل] اسکو حضرت خواجہ کی تصنیف تسلیم کرنے میں اسلیے تامل ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی خیر المجالس میں فرماتے ہیں:

"میرے حضرت پیرومرشد سلطان الاولیا قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اس واسطے کہ حضرت شیخ الاسلام حضرت فریدالدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرہ میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔" (اردو ترجمہ صـ ۳۵)

لیکن ممکن ہے کہ گنجل اسرار کا شمار تصنیف میں نہ کیا گیا ہو، بلکہ پند ونصائح کا محض ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہو۔

طالبان راہ حقیقت آغاز بتاریخ دہم ماہ محرم احدی ثنین و ستہ مایہ ۶۲۱ھ کردم، و این ملفوظات را برلبست و پنج معرفت جمع آور دم و گنج الاسرار (کنجیل الاسرار) نام نہادم و بخدمت سلطان شمس الدین رسانیدم چنانچہ سلطان مذکور از دریافتن رموزات ملفوظات سالک راہ گشت و بہ عنایت اللہ تعالیٰ عنقریب الایام بکشف و کرامات کمالیت یافت و یکے از واصلان گشت ''

التمش اور حضرت خواجہ معین الدینؒ | سلطان شمس الدین التمش کو جو روحانی مدارج حاصل تھے، اور اس سے حضرت خواجہ کو جو روحانی لگاؤ تھا، شاید اسی بنا پر ایک بار ان کو اجمیر سے چل کر دہلی مین آ کر سلطان سے ملنے میں تامل نہ ہوا۔ ان کے صاحبزادوں کے قبضہ میں اجمیر کے پاس ایک گاؤں تھا، وہاں کے مقطع نے لگان مقرر کرنے میں ان کو کچھ زیادہ تنگ کیا، تو انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ وہ دہلی جا کر سلطان سے ایک فرمان لے آئیں، حضرت خواجہ نے اپنے صاحبزادوں کی خاطر دہلی کا سفر کیا، اور جب وہ اپنے مرید حضرت خواجہ بختیار کاکی کے پاس پہنچے اور ان کو اپنے مرشد کی تشریف آوری کی وجہ معلوم ہوئی تو انھوں نے مرشد کو سلطان کے پاس جانے سے روک دیا، اور خود سلطان کے یہاں قدم رنجہ فرمایا، وہ کبھی سلطان کے پاس نہیں گئے تھے، حالانکہ سلطان اس کا برابر متمنی رہا، سلطان اپنے مرشد کو اپنے یہاں دیکھکر متعجب ہوا، اور جب اس کو معلوم ہوا کہ انھوں نے کس لیے زحمت فرمائی ہے تو اسی وقت ایک فرمان لکھا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی بھی پیش کی۔[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۳۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عہد شاہجہانی کے تذکرہ مرأۃ الاسرار کے مولف نے لکھا ہے (ص ۲۹۷)

'' اس واقعہ کے ساتھ ایک بڑا نازک نکتہ ہے، اس پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ سلطان شمس الدین خواجہ قطب الاسلام کا مرید تھا، اگر خواجہ بزرگ کا کوئی خادم ہی اس کے پاس چلا جاتا تو سلطان اسی کو اپنے دونوں جہان کی سعادت مندی سمجھتا اور فرمان درست کر کے بھیج دیتا، لیکن کامل اولیاء اللہ بیشتر جاہ اور مشیخت کو ترک کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ اور اپنے کو لوگوں کی نظروں میں حقیر دکھاتے رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کمالات کے خرید و فروخت

(باقی ص ۶۹ پر)

اسی آمد کے موقع پر حضرت خواجہ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے دہلی کے تمام خواص و عوام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ان کے پیر بھائی نجم الدین صغری ان سے ملنے نہ آئے، جن کو التتمش[1] نے شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کر رکھا تھا، حضرت خواجہ خود ان سے ملنے گئے، اس کے باوجود نجم الدین صغری ان سے گرم جوشی کے بجائے سرد مہری سے ملے، حضرت خواجہ نے یہ محسوس کر کے ان سے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ جب سے ان کے حکم سے قطب صاحب دہلی میں مقیم ہیں، یہ شیخ الاسلام کی عزت و قعت باقی نہیں رہی ہے، حضرت خواجہ نے ان کے بار خاطر کو دور کر دینے کا یقین دلایا، اور قطب صاحب کے پاس آکر ان کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، یہ حکم سن کر دہلی کے تمام باشندے ششدر رہ گئے، خود التتمش دم بخود تھا، لیکن اپنے شیخ الاسلام سے باز پرس کرنے کے بجائے اس نے حضرت خواجہ سے اس حکم کو بدل دینے پر بڑی منت و زاری کی لیکن حضرت خواجہ نے اس کی بات نہ مانی، جب دونوں بزرگان دین دہلی سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ شہر دہلی معرفت کے آفتاب و ماہتاب کی تجلیوں سے محروم ہو رہا ہے، ہر طرف کہرام مچ گیا، تمام اہل شہر ان

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) کے لیے خود ہی بازار تشریف لیجاتے، اس کے علاوہ اولیا اللہ کا کام راستی اور دیانت ہے، اگر وہ کسی شخص سے ضرورت اور حاجت رکھتے ہوں تو وہ اسکو کس لیے چھپائیں، اور اپنے ناموس کا لحاظ کس مصلحت سے کریں، کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کا دل کھینچنے والا ہے، عارفوں کے نزدیک لوگوں کے ظاہری مراسم اور ان کا برا بھلا کہنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، خواجہ کا امیر کے پاس حاجت لیکر جانا انکے مریدوں کیلیے رحمت تھی، تاکہ ان میں سے کوئی ایسے کام سے انکار نہ کرے اور شیخ بن جانے کے رتبہ پر نازنہ کرے، اصل تو یہ ہے کہ یہ گروہ اپنے حال پر مامور ہوتے ہیں اور اپنے اختیار کو درمیان میں نہیں لاتے، جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

عشق آمد چوں خونم اندر رگ و پوست — تا کرد تہی مرا و پر کردہ بہ دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت — نامے است زمن برمن و باقی ہمہ اوست

[1] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۷۳

دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلے، ان ہی کے جلو میں سلطان التتمش بھی تھا، قطب صاحب کی ذات سے لوگوں کی شیفتگی و فریفتگی کا یہ حال تھا کہ جس جگہ وہ قدم مبارک رکھتے تھے، لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اٹھا لیتے تھے، اور اس فراق پر عاشقِ زار کی طرح آہ و بکا کرتے تھے، حضرت خواجہ نے یہ منظر دیکھا تو ارشاد فرمایا بابا بختیار تم یہیں رہو، تمھارے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب رہے گا، جو مجھکو پسند نہیں، اس فیصلہ سے دہلی کے لوگ خوشی مین پھولے نہ سمائے، خود سلطان التتمش نے خوشی میں بڑھ کر حضرت خواجہ کے قدم چومے، اور قطب صاحب کے ساتھ خوش خوش دہلی واپس آیا[1]،

التتمش اور حضرت بختیار کاکیؒ

قطب صاحب سلطان التتمش سے قریب بھی رہے اور دور بھی اور یہ قربت و دوری کی عجیب و غریب مثال ہے، وہ التتمش کو عزیز رکھتے تھے، لیکن اس کے جاہ و حشمت اور مال و منال سے رتی برابر بھی فائدہ اٹھانا شان درویشی کے خلاف سمجھتے تھے، ان کے گھر میں فاقہ پر فاقہ ہوتا، لیکن اس کی خبر التتمش کو ہونے نہ پاتی، التتمش نے اپنے حاجب اور وزیر کے ذریعہ کئی بار اس کی کوشش کی کہ وہ کچھ گاؤں قبول فرمالیں، لیکن ہر بار انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، اور فرماتے کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے، اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے[2]، التتمش کو اپنے مرشد کی اس شان بے نیازی میں طرح طرح کے جلوے نظر آتے، اسی لیے اس نے اپنی شاہانہ شوکت و سطوت کے باوجود ان کے آستانہ کی جبین سائی کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کیا،

مراۃ الاسرار میں ہے کہ

"خواجہ قطب الاسلام ...... چون در شہر دہلی رسید سلطان شمس الدین مقدم اورا

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۵ - ۵۴، سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۵۳ - ۵۰، خزینۃ الاصفیا ج ا ص ۲۷۳

[2] راحت القلوب ص ۳۲، فوائد السالکین ص ۲۵، سیر الاولیا ص ۵۳،

سعادت مندی دارین خود دانستہ از کمال اخلاص و ارادۂ صادق بخدمت پیوست، و در ہفتہ یک بار برائے زیارت خواجہ می آمد" (قلمی نسخہ دار المصنفین ج ۱ ص ۳۰۹)

سلطان ان سے عرفان و طریقت کی علمی و عملی تعلیم آخر عمر تک حاصل کرتا رہا[1]

قطب صاحب کے ملفوظات فوائد السالکین میں بھی التتمش کا ذکر بار بار اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے، ایک جگہ فرمایا

"آن مرد یکے از واصلانِ حق بود" (ص ۲۷)

التتمش کو ان سے جو غیر معمولی عقیدت تھی، اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ایک رات وہ (یعنی التتمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ مجھکو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا اپنی عنایت سے آپ رب العزت سے مجھ کو مملکت تو دلا دی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت واپس گیا جب کہ میں نے اس کی بات قبول کی" (فوائد السالکین ص ۲۹)

بزرگان دین کی دعاؤں اور خواجگان چشت کی تعلیمات کی وجہ سے التتمش ویسا ہی مسلمان فرمانروا ہوا جیسا اس کو ہونا چاہیے تھا، قطب صاحب خود ہی فرماتے ہیں۔

---

[1] موجودہ دور کے اصحاب تحقیق نے یہ بھی بتایا ہے کہ التتمش نے اپنے مرشد سے انتہائی عقیدتمندی کا اظہار کرنے کی خاطر دہلی میں وہ مینار بنانا شروع کیا جو قطب صاحب کی لاٹ کے نام سے مشہور ہے، اور دنیا کا بلند ترین مینار سمجھا جاتا ہے، اس کی اونچائی ۲۳۸ فٹ ایک انچ ہے، نیچے میں اس کا قطر ۴۷ فٹ ۱۳ انچ اور اوپر قطر تقریباً ۹ فٹ ہے، شاید حضرت خواجہ معین الدین سے اظہار عقیدت ہی کی خاطر اجمیر میں سلطان نے سنگ سرخ کی ایک عالیشان مسجد بنوائی جو ڈھائی دن کے جھونپڑا کے نام سے مشہور ہے کہ یہ مسجد ڈھائی دن میں بنائی گئی، اسی لیے اسکا یہ نام رکھا گیا لیکن یہ قرین قیاس نہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسجد میں ڈھائی دن اکر قیام کرتے ہیں، اس لیے اس نام سے مشہور ہوئی۔ یہ مسجد محمد عارف کے اہتمام میں علی احمد معمار نے تیار کی، اس کی دائیں محراب پر ۶۱۴ھ تاریخ تعمیر مرقوم ہے۔ بدایون اور قصبۂ منڈوار (ضلع بجنور) کی وسیع جامع مسجدیں التتمش ہی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

"اس کا یعنی التمش کا عقیدہ صحیح تھا، وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھ کر وضو کرتا اور مصلے پر جا بیٹھتا، اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے۔ رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو، اور کسی شخص کو ساتھ لیکر باہر نکل جاتا، اسکے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، اس کے حالات پوچھتا، اور اس کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا، اور ان مقامات کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح سے معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دیکر تلقین کرتا کہ جب اس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ یہاں آکر عدل و انصاف کی زنجیر جو باہر لٹکی ہوئی ہے ہلائیں تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔" (فوائد السالکین ص ۲۹ - ۲۸)

فوائد السالکین کے مذکورۂ بالا طویل اقتباسات کی تائید فوائد الفواد سے بھی ہوتی ہے جبکہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے سلطان التمش کا ذکر کرتے ہوئے اس کے مذہبی عقائد سے متعلق کوئی حکایت بیان فرمائی، مرتب فوائد الفواد نے یہ حکایت تو نقل نہیں کی ہے لیکن اسی کو مختصر مگر جامع جملہ میں اس طرح لکھا ہے۔

"بعد از ان عقیدہ او (یعنی التمش) حکایت فرمود کہ شبہا بیدار بودے و ہیچ کس را بیدار نہ کردے۔" (ص ۲۱۳)

مورخوں میں عصامی نے اپنی منظوم تاریخ فتوح السلاطین میں بھی اس کو "صاحب ولایت"، "پارسا"، "صاحب شرع فرمانروا"، "غم خوار دین"، "خسرو دین پناہ"، "خسرو پاک دین" اور "خوش نفس" وغیرہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے[۱]، خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتہ نے بھی لکھا ہے کہ

"سلطان شمس الدین بر طاعت و عبادت مولع بود، روزہائے جمعہ بمسجد رفتے و بادائے فرائض و نوافل قیام نمودے"۔[۲]

بعد کے تذکرہ مراۃ الاسرار میں ہے

"سلطان شمس الدین کو پاک نہاد بود کہ از آب مہربانی خواجہ قطب پرورش و زندگی داشت، بادشاہ عادل و رحم دل و یکے از اولیائے حق بود"۔ (قلمی نسخہ دارالمصنفین)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی سلطان التمش کا ذکر جابجا بہت ہی عزت و احترام اور لطف و محبت سے کیا ہے، بلکہ اس کے بعض قول اور فعل کو بطور نصیحت اپنے مریدوں کے سامنے نقل بھی کیا ہے[۳]، اور جب سلطان کا انتقال ہوا تو انھوں نے حسب ذیل شعر میں اس کی وفات کی تاریخ قلمبند کی۔[۴]

بہ سال شش صد و سی و سہ بود کہ از ہجرت	نماند شاہ جہان شمس دین عالمگیر

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ہی کی روایت ہے کہ سلطان کی وفات کے بعد لوگوں نے اسکو

---

[۱] فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۱۱۹ - ۱۱۷ [۲] تاریخ فرشتہ ج اول ص ۶۷، طبقات اکبری ج ا ص ۶۳

[۳] مثال کے لیے ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۲ - ۲۱۱، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی یہ بھی روایت ہے کہ التمش کے سامنے آم پیش کیے گئے تو ان کو کھا کر خوش ہوا، پوچھا کہ اس پھل کا نام کیا ہے، بتایا گیا "انب"، انب ترکی میں ایک بری چیز کو کہتے ہیں، اس لیے اس نے کہا اس کا نام نغزک رکھا جائے، اور یہی نام مشہور ہوا،

[۴] فوائد الفواد ص ۱۵۶، سیر الاولیاء ص ۵۶

خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا، تو اس نے جواب دیا کہ میری بخشایش میرے حوض کی بدولت ہوئی[1]، حوض سے مراد حوض شمسی ہے، جس کو سلطان نے سنہ ۶۲۷ھ میں تعمیر کیا تھا، یہ حوض دو پہاڑوں کے بیچ میں واقع تھا، تمام شہر کو میٹھا پانی یہیں سے دستیاب ہوتا تھا، حوض کے بیچ میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، جس پر ایک عمارت بھی قائم تھی، شہر کے لوگ تفریح کیلئے اس پرفضا مقام پر جمع ہوا کرتے تھے، اسی حوض کے متعلق امیر خسرو قران السعدین میں رقمطراز ہیں:

در کمر سنگ میانِ دو کوہ	آب گہر صفوت و دریا شکوہ
ساختہ سلطان سکندر صفات	در سدِ کوہ آئینہ زآب حیات
تا خضر آب خوش او نوش کرد	آب خوش چشمہ فراموش کرد
شہر گر از وے نبود آب کش	کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش
آب کہ علت زبرائے تری ست	تری آن آب زعلت بری ست
در نخورد آب وے اندر زمین	کے بزمین درخورد آبے چنین
در تہ آبش ز صفا ریگِ خرد	کور تواند بدل شب شمرد
موج بلندش کہ رسد تا بماہ	باز دہد آب با بر سیاہ
سیل وے آہنگ بہ کہسار کرد	کوہ بہ تر دامنی اقرار کرد
چو مد و جزرش ز نشیب و فراز	ز آب ز کوہ آمدہ و رفتہ باز
چوترہ و قصر بلندش در آب	گشت ازان ساغر صافی حباب
رود بسے زو شدہ تا آب جون	جون ز پے آب از و جستہ عون
گرد وے از اہل تماشا گروہ	دامن خیمہ شدہ دامان کوہ[2]

[1] فوائد الفواد ص ۱۱۹ [2] قران السعدین، علی گڈھ اڈیشن ص ۳۳-۳۲

فوائد السالکین میں قطب صاحب اس حوض کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب سلطان شمس الدین نے اس کے بنوانے کا ارادہ کیا تو ارکان سلطنت کے ساتھ زمین تلاش کرنے کو نکلا، اور جب اس جگہ پہنچا جہاں پر کہ اب حوض ہے تو اسی سرزمین پر حوض کے کھدوانے کا ارادہ کیا، محل واپس آیا تو رات کو نماز پڑھ کر مصلے ہی پر سوگیا، خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں گھوڑے پر سوار ہیں، وہ آپ کے سامنے جاکر گر پڑا، اور جب اٹھا تو گھوڑے نے زمین پر ٹھوکر ماری جس سے پانی نکلنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی جگہ حوض بنواؤ، چنانچہ اس نے اسی حکم کی تعمیل میں اسی جگہ حوض کھدوایا، جس کا پانی بہت ہی شیریں نکلا[1]، قطب صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس حوض کو دو برکتیں حاصل ہوئیں، ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی برکت تھی، دوسری یہ کہ یہاں بڑے بڑے بزرگان دین محو خواب ابدی تھے اور پھر اشکبار ہوکر اس آرزو کا بھی اظہار کیا کہ

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۸، نظام الدین احمد نے طبقات اکبری اور فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں یہ روایت نقل کی ہے، اور دونوں مورخوں نے اس کی ابتدا ان جملوں سے کی ہے،

"در ملفوظ خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کہ جامع آن شیخ فرید شکر گنج ست قدس سرہما آوردہ کہ سلطان را ہوائے ساختن حوض در سر افتاد......"

لیکن ان دونوں تاریخوں اور فوائد السالکین کے موجودہ نسخہ کی روایتوں میں کچھ جزوی اختلافات ہیں مثلاً طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ حوض کھدوانے سے پہلے شمس الدین نے قطب صاحب سے اجازت لی، طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں یہ بھی ہے کہ جب شمس الدین خواب سے بیدار ہوا تو کچھ رات باقی رہ گئی تھی لیکن وہ اسی وقت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور انکو اپنے ساتھ اس جگہ لے گیا، اور دونوں نے تاریکی میں چراغ سے دیکھا کہ زمین سے پانی ابل رہا ہے، (طبقات اکبری ص ۶۲) فوائد السالکین کے موجودہ نسخہ میں ہے کہ سلطان نے صبح کو اس زمین کو جاکر دیکھا تو پانی بہہ رہا تھا، فرشتہ نے اس روایت کو نقل کرکے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حکایت تھوڑے تغیر کے ساتھ اور مشائخ کے ملفوظات میں بھی مذکور ہے (جلد ۱ ص ۶۶)

"مانیز امید داریم کہ ہم بہ نزدیک این حوض مسکن خواہیم ساخت [1]" (ص ۲۸)

قطب صاحب کا وصال شمس الدین التمش سے چند ماہ پیشتر ہوا، یعنی قطب صاحب نے ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں رحلت فرمائی، اور التمش ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ میں عالم جاودانی کو سدھارا، بعض تذکرہ نویس نے لکھا ہے کہ قطب صاحب نے وصال سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو ہمیشہ عفیف رہا ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولی سے شریک رہا ہو، نماز جنازہ کے وقت جب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو التمش نے بھی اس کو سنا اور سنکر تھوڑی دیر خاموش رہا کہ شاید کسی بزرگ کو یہ سعادت حاصل ہو لیکن جب کسی نے امامت کے لیے سبقت نہیں کی تو یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ میری خواہش تو یہی تھی کہ میرے حال سے کسی کو واقفیت نہ ہو، لیکن خواجہ کے حکم کے آگے کوئی چارہ نہیں، پھر جنازہ کی نماز پڑھائی اور ایک طرف تو اپنے کاندھے پر جنازہ اٹھایا اور بقیہ تین طرف اولیاء اللہ اپنے اپنے کاندھوں پر قطب صاحب کے جسد مبارک کو مدفن تک لے گئے [2]۔

---

[1] ابن بطوطہ نے محمد تغلق کے عہد میں آکر اس حوض کو دیکھا تو اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اہل شہر اس کا پانی پیتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ بھی اسی کے قریب ہے، اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے، طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے، اور اس کے غربی طرف عیدگاہ کی جانب پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں، جو چبوتروں کی شکل میں ہیں، اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں، چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترہ کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے جس میں تماشائی بیٹھکر سیر کرتے ہیں، اور حوض کے وسط میں منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے، یہ گنبد دو منزلہ ہے، جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھکر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں، جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں، اس کے اندر ایک مسجد ہے، اکثر زاہد اور متوکل وہاں جاکر رہتے ہیں۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۵۰)

[2] خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۲۷۵

التمش اور دوسرے مشائخ

مصلحت خداوندی سے ہندوستان کو نور اسلام سے منور ہونا تھا، اسلیے التمش کے عہد میں ممالک اسلامیہ سے بکثرت مشائخ وصلحا یہاں آئے، التمش ان میں سے ہر ایک سے غایت تعظیم وتکریم سے پیش آتا، جب حضرت جلال الدین تبریزی دہلی تشریف لائے تو التمش نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے نیچے اتر آیا، اور ان کو آگے کر کے خود ان کے پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، دوسرے دن جب حضرت جلال الدین تبریزی قطب صاحب سے ملنے ان کی خانقاہ کو روانہ ہوئے، تو قطب صاحب بھی اپنی خانقاہ سے نکل کر گلیوں میں سے ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو چلے، راستے میں قران السعدین ہوا،[1] التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھا تو ان کا اور بھی معتقد ہو گیا، لیکن سلطان کی یہ عقیدت شیخ الاسلام کو پسند نہ آئی، اور انھوں[2] نے شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو لالچ دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر فسق وزنا کا الزام لگوایا، اور سلطان کے یہاں فریاد کرائی، سلطان سن کر ششدر رہ گیا، وہ جانتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے، لیکن بادشاہ ہونے کے باوجود اپنے کو شرعی قانون کے سامنے بے بس اور معذور پایا، مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات کرانا ضروری تھا، اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، اور اس محضر میں ہندوستان کے دو سو علماء و صلحاء و ائمہ جمع ہوئے، حکم حضرت بہاء الدین زکریا بنائے گئے،[3] جب حضرت جلال الدین تبریزی محضر میں ملزم کی حیثیت سے آئے تو سارے

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۳۲ و ۳۱ [2] شیخ نجم الدین صغری نے حضرت جلال الدین تبریزی پر جو الزام لگائے، ان کی تفصیلات فوائد السالکین اور سیر العارفین میں تھوڑے سے اختلافات کے ساتھ درج ہیں، سیر العارفین میں تفصیل زیادہ ہے۔

[3] فوائد السالکین (ص ۳۰) میں اس جھوٹے الزام کی نوعیت یہ ہے کہ "نظر بر امارد دارد" [4] فوائد السالکین میں ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا کو حضرت جلال الدین تبریزی ہی نے حکم بنایا، لیکن سیر العارفین میں ہے کہ نجم الدین صغری نے انکو حکم بنایا۔

علما، مشائخ اور ائمہ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ حضرت جلال تبریزی نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں[1]، سلطان التمتمش یہ دیکھکر متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی تعظیم و توقیر کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین کے معصوم ہونے کی دلیل ہے، اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہی لیکن شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیوں کہ وہ میرے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے، لیکن یہ تعظیم کرکے ان کے عیب پر پردہ ڈالنا نہیں چاہتا، ان پر جو الزام ہے اس کی باضابطہ تحقیق ہوگی۔ جب مطربہ بلائی گئی تو اس نے اعتراف کیا کہ نجم الدین صغری کے ورغلانے پر اس نے یہ جھوٹا الزام رکھا تھا حضرت جلال الدین کی معصومیت ثابت ہوگئی تو سلطان نے کذب و بہتان کے جرم میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر دیا اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے اس عہدہ کے قبول کرنے کی استدعا کی، انھوں نے قبول فرمایا، اور ایک بڑی مدت تک یہ عہدہ ان کے خاندان میں رہا[2]۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے فوائد الفواد میں ایسی کئی روایتیں بیان کی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان شمس الدین مشائخ و صلحاء کا خیر مقدم بڑے احترام سے کرتا حضرت شیخ بدرالدین غزنوی

[1] فوائد السالکین میں ہے کہ حضرت جلال الدین کے محضر میں آنے اور بیٹھ جانے کے بعد حضرت بہاء الدین زیا تشریف لائے، اور ان کی نظر حضرت جلال الدین کی جوتیوں پر پڑی، تو ان کو زمین پر سے اٹھا کر چوما اور سر آنکھوں پر رکھا، سلطان شمس الدین نے یہ توقیر دیکھی تو حضرت جلال الدین سے معذرت کا خواہاں ہوا، اور محضر کی کارروائی روک دی لیکن سیر العارفین کچھ اور تفصیل ہے جس کو ہم اوپر نقل کر رہے ہیں [2] سیر العارفین ص ۲۷ و ۳۶، نیز دیکھو خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۸۱ و ۲۷۹۔

نے جو بعد میں قطب صاحب کے خلیفہ بھی ہوئے، دہلی آکر کسی کام سے التتمش سے ملنا چاہا، تو اوس نے اپنے محل سرا سے باہر نکل کر ان کی پیشوائی کی، ان سے بغل گیر ہوا محل کے اندر لے گیا۔ اور نذرانے بھی پیش کیے۔[۱]

حضرت شیخ نظام الدین اولیا ہی کی روایت ہے کہ قاضی قطب الدین کاشانی دہلی تشریف لائے تو ان کو سلطان شمس الدین نے شاہی محل میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی، وہ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ نورالدین مبارک اور قاضی فخرالدین بھی موجود ہیں سلطان نے قاضی قطب الدین کاشانی کو دیکھتے ہی سلام کیا، اپنی جگہ سے اٹھ گیا، اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔[۲]

عصامی نے فتوح السلاطین میں سلطان التتمش اور قاضی حمیدالدین ناگوری[۳] کی ملاقاتوں کا ذکر عجیب وغریب لیکن دلچسپ پیرایہ میں کیا ہے، قاضی حمیدالدین ناگوری سلطان التتمش سے ملنے آئے تو

به تعظیم او شاه بر خاستے — نظر از جمالش بیار استے

دربار کے مفتیوں کو سلطان کی یہ تعظیم پسند نہ آئی، کیونکہ ان کی نظروں میں قاضی حمیدالدین ناگوری اس لیے کھٹکتے تھے کہ وہ سماع کے بڑے دلدادہ تھے، اور ان کی وجہ سے یہ بدعت شہر میں تیزی سے پھیلتی جارہی تھی، مفتیوں نے سلطان سے اس فتنہ کا سد باب کرنے کی درخواست کی، سلطان نے ان مفتیوں سے اس کے سد باب کی تدبیر پوچھی، انھوں نے قاضی حمیدالدین کو محضر میں طلب کرنے کا مشورہ دیا، لیکن انھوں نے یہ بھی التجا کی کہ قاضی حمیدالدین محضر میں آئیں تو بادشاہ اپنی طرف سے کسی تعظیم و تکریم کا اظہار نہ کرے، سلطان نے ان کی بات مان لی، یہ محضر دربار ہی میں منعقد ہوا

[۱] فوائد الفواد ص ۳، سیر الاولیا، ص ۱۶۵ [۲] فوائد الفواد ص ۲۳۶ [۳] ان کے حالات اس غا راقم کی حقیر تالیف "بزم صوفیہ" میں ملیں گی،

اور جب قاضی حمید الدین تشریف لائے تو سلطان ان کے رخ پر نور کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور اس نے اپنے مفتیون سے جو وعدہ کیا تھا، بھول گیا، پھر اس نے جس طرح حضرت حمید الدین کی تعظیم کی وہ عصامی کے اشعار ہی میں ملاحظہ ہو،

شہِ شرق چو روئے قاضی بدید   فرود آمد از تخت واندر دوید

بصد عز و اکرام بنواختش   ابا خویشتن ہم نشین ساختش

بسے بوسہ بر دست قاضی بداد   زبان را بہ پوزش گری برکشاد

مفتیون نے یہ دیکھکر سمجھ لیا کہ اب بحث و مباحثہ میں قاضی حمید الدین مجرم قرار نہیں پاسکتے۔ پھر بھی انھون نے غنا کے متعلق ان سے سوال کیا تو قاضی حمید الدین نے یہ جواب دیا:

حرام است بر سامع اہل قال   مباح است بر سامعِ اہل حال

اور اسی کے ساتھ انھون نے سلطان کو اس کے بچپن کا زمانہ یاد دلایا کہ بغداد میں ایک بار چالیس درویش جمع ہوئے تھے اور اس موقع پر ایک مجلس سماع منعقد کیگئی تھی جس میں وہ (یعنی قاضی حمید الدین ناگوری) بھی تھے، سلطان اس وقت ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے درویشوں کی خدمت میں لگا ہوا تھا، اور رات بھر شمع کی لو قینچی سے کاٹ کاٹ کر اس کو روشن کرتا رہا، جس سے تمام درویش اس سے ایسے خوش ہوئے کہ ان ہی کی خوشی اور چاکری کی بدولت آج وہ ہندوستان کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے، حضرت حمید الدین ناگوری کی اس گفتگو کو عصامی نے جس مؤثر انداز میں منظوم کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو،

بگفتا کہ یک شب چہل مرد راہ   بہ بغداد اندر یکے خانقاہ

سماعے بکردند تا صبح دم   دران جمع من بودم وشاہ ہم

ولیکن شہا من بہ رقص و سماع   ہمی کردم آن قوم را اتباع

تو خود طفل بودی دراں روزگار ولے آن شبت بود اقبال یار

ہمہ شب سر شمع بے گفت کس بریدی بہ مقراض اے خوش نفس

درآن شب ترا ملک ہندوستان بدادند زان جاکرہی عارفان

عصامی کا بیان ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوری نے سلطان التیمش کو یہ واقعہ یاد دلایا تو وہ اس قدر متاثر ہوا کہ حضرت حمید الدین کے پاؤن پر جاکر گر پڑا، عصامی نے اسی کے بعد کچھ ایسے واقعات قلمبند کیے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت حمید الدین کے تمام حریف متاثر ہوکر سماع کے قائل ہوگیے۔[۱] تیموری دور کے مورخون میں خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتہ نے مذکورۂ بالا واقعہ کو اپنی اپنی تاریخون مین ذکر کرکے لکھا ہے،

"بعد ازان (سلطان التیمش) از سماع لذت گرفتے. ونفس درویشان را معتقد بودے"[۲]

سیر العارفین مین ہے کہ سلطان شمس الدین کے عہد مین ایک بار بارش نہیں ہوئی تو خشک سالی کی وجہ سے غلہ گران ہوگیا، سلطان نے اپنے ایک معتمد خاص کو دہلی کے تمام مشائخ کے پاس بھیجا کہ استسقاء کی نماز پڑھین، قاضی حمید الدین نے یہ پیام سنا تو سلطان کو کہلا بھیجا کہ محفل سماع منعقد کرائے. اسی مین تمام درویش جمع ہوکر بارش کے لیے دعا کریں گے، سلطان نے ان کے کہنے کے بموجب ایک محفل منعقد کی جس مین تمام ممتاز مشائخ مثلاً شیخ علی سجزی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ احمد نہروالی، شیخ بدر الدین سمرقندی، سید قطب الدین غزنوی، حضرت نظام الدین ابو المؤید غزنوی، شیخ محمود موینہ وغیرہ شریک ہوئے، سلطان نے اس محفل کے لیے فرش فروش کے عمدہ اور پاکیزہ سامان کیے، طرح طرح کے کھانے پکوائے اور خوش گلو قوالون کو جمع کیا، جیسے ہی محفل سماع شروع ہوئی، ویسے ہی قدرت الٰہی سے

---

[۱] فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۱۱۹-۱۱۷ [۲] تاریخ فرشتہ ج ا ص ۶۷، طبقات اکبری ج ا ص ۶۳

زور شور کی بارش بھی ہونے لگی۔[1]

سبع سنابل کی ایک روایت ہے کہ ایک بار قاضی حمید الدین اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دونوں ساتھ تشریف فرما تھے، کہ سلطان ان کی خدمت میں پہنچا، کچھ اپنا مدعا ظاہر کر کے اثنائے گفتگو میں کہہ گیا

"من سگ درگاہ شما ہستم"

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سلطان نے چھ ماہ تک قاضی حمید الدین ناگوری کے آستانہ کی ناصیہ سائی اس لیے کی کہ وہ اس کو اپنے حلقۂ ارادت میں قبول کر لیں، لیکن انھوں نے قبول نہیں فرمایا، حالانکہ اس کی سفارش پر اس کے بھانجے شیخ سعد الدین تنبولی کو اپنا مرید بنا لیا تھا۔ جب سلطان شمس الدین کو قاضی حمید الدین سے بیعت کا شرف حاصل نہ ہوا تو اس نے حضرت خواجہ قطب الدین کا دامن پکڑا۔[2] سبع سنابل کی یہ روایت کہاں تک صحیح ہے۔ اس پر ہم بحث کرنے سے گریز کرتے ہیں، لیکن یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کہ التمش کو اپنے مرشد کے "یار غار"[3] سے بڑی عقیدت اور محبت تھی، اور ان کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتا، ایک بار ان کے یہاں پہنچا تو انھوں نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اے شمس الدین! تم فقیروں، غریبوں، مسکینوں اور درویشوں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، خلق اللہ سے اچھا برتاؤ رکھو، رعیت پروری کرو، جو اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور لوگوں سے اچھا برتاؤ رکھتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کو دنیا میں دیر تک رکھتا ہے، اور اس کے دشمنوں کو دفع کرتا ہے۔ سلطان نے ان نصیحتوں کو سنکر قبول کیا۔[4]

سلطان التمش مشائخ ہی کو عوام و خواص کے اخلاق کو سنوارنے کا اہل سمجھتا تھا، چنانچہ

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۲۱-۲۰ [2] سبع سنابل ص ۲۳۴ [3] قطب صاحب نے فوائد السالکین میں قاضی حمید الدین ناگوری کو اپنا "یار غار" ہی بتایا ہے (دیکھو فوائد السالکین مجلس اول) [4] سبع سنابل ص ۲۳۲

ان ہی مین سے بعض کو شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کیا کرتا تھا، سیر العارفین میں ہے کہ شیخ جمال الدین کی وفات کے بعد سلطان التمش نے شیخ الاسلام کا عہدہ قطب صاحب کی خدمت مین پیش کرنا چاہا، لیکن قطب صاحب نے عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا، تو اس عہدہ پر شیخ نجم الدین صغری مامور کیے گئے، شیخ نجم الدین صغری حضرت عثمان ہرونی کے مرید اور خلیفہ تھے، شروع میں درویشی کے سارے اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حسنہ رکھتے تھے لیکن بعد مین انھون نے اپنے جاہ و وقار کی خاطر کچھ ایسی غیر درویشانہ حرکتین کین کہ سلطان التمش ان کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے معزول کرنے پر مجبور ہوا، اور ان کی جگہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی[1] کو اس منصب پر مامور کیا، جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے، مولانا عبد الحق دہلوی نے اخبار الاخیار مین سید نور الدین مبارک غزنوی کے ذکر مین لکھا ہے کہ

"خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی است، مقتداو شیخ الاسلام دہلی بود، در زمان سلطان شمس الدین، او را میر دہلی می گفتند" (ص ۲۸)

سیر العارفین کے مؤلف نے شاید جمال الدین بسطامی[2] اور سید نور الدین مبارک غزنوی کے نام کو خلط ملط کر دیا ہو، تاریخ فیروز شاہی مین مولانا ضیاء الدین برنی نے سید نور الدین مبارک غزنوی کا جس طرح ذکر کیا ہے[3]، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ التمش کے دربار مین ان کو بڑا درخور حاصل تھا، اس لیے گمان ہوتا ہے کہ نجم الدین صغری سے پہلے وہی شیخ الاسلام رہے ہون، وہ شریعت اور طریقت دونون کے رہ نورد تھے،

عہد شمسی کے مشائخ نے اس دور کے لوگون کو خدا ترسی، تقوی، تزکیہ نفس، عبادت اور ریاضت

[1] حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے حالات کے لیے اس عاجز راقم کی حقیر تالیف بزم صوفیہ ملاحظہ ہو [2] جمال الدین بسطامی ناصر الدین محمود کے زمانہ مین شیخ الاسلام رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا [3] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۴۱

کی جو تعلیم دی اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ التتمش کی صغر سنی میں اس کو دیکھ کر شیخ اوحد الدین کرمانی نے جو پیشین گوئی کی تھی، وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی یعنی التتمش کی برکت سے التتمش کی دنیاوی سلطنت میں التتمش کا دین بھی سلامت رہا، اس کا اعتراف طبقات ناصری کے مؤلف نے بھی کیا ہے،

"پشت دین محمدی بدولت او قوی ورو‌ے ملت احمدی بصولت او بہی گشت" (ص ۱۶۶)

اور پھر التتمش نے بچپن ہی میں ایک درویش سے فقراء اور اہل خیر کی تعظیم و تکریم کا جو وعدہ کیا تھا اس پر آخر زندگی تک جس طرح قائم رہا، اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، چنانچہ مولانا منہاج سراج فرماتے ہیں،

"ہرگز بادشاہے بحسن اعتقاد و آب دیدہ و تعظیم علماء و مشائخ مثل او از مادر خلقت در قماط سلطنت نیامدہ" (طبقات ناصری ص ۱۶۷)

علماء سے عقیدت مشائخ کی صحبت میں رہ کر التتمش نے نہ صرف علوم باطن و علوم طریقت حاصل کیے، بلکہ علماء سے علوم ظاہری و علوم شریعت بھی حاصل کرنے کی کوشش میں برابر لگا رہا، قدرت کی طرف سے اس کو قوی حافظہ بھی ملا تھا، اس کے حافظہ کی تعریف خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی کی ہے، فوائد الفواد میں ایک موقع پر فرمایا

"طبع حافظ قوی داشت" (ص ۲۱۳)

ظاہر ہے کہ اس قوی حافظہ کے ساتھ مشائخ و علماء کی صحبت میں اس کے علم و فضل کی جلا کس قدر ہوتی رہی ہوگی، اور اس کے اس وصف کی تعریف بعد کے عہد میں بھی کی گئی، محمد تغلق کے دور میں ابن بطوطہ آیا تو التتمش کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ "وہ نہ صرف نیک چلن اور انصاف پرور تھا، بلکہ عالم و فاضل بھی تھا"[۱]

---

[۱] سفرنامۂ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۵۸

مذہبی مذاکرے

حضر، سفر اور حتی کہ میدان جنگ میں بھی علماء التمش کے جلو میں ساتھ رہتے تھے، محل کے اندر ہفتہ میں تین روز علماء کی مجلس ہوتی، اور رمضان المبارک میں یہ مجلس روزانہ ہوتی، ذی الحجہ اور محرم کے عشرہ میں بھی علماء روزانہ جمع ہوتے، جمعہ کے روز نماز کے بعد مشائخ اور علماء دونوں خاص طور پر بلائے جاتے،[1] بلبن اپنی ابتدائی زندگی میں ان مجلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا، اور بادشاہت کے زمانے میں ان کو یاد کر کے کہا کرتا تھا کہ ان مجلسوں میں جو بزرگان دین شریک ہوا کرتے تھے ان کے جیسے بزرگ پھر دیکھنے میں نہ آئے،[2] بلبن ہی کی زبانی ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں اس مجلس کا ایک وعظ نقل کیا ہے، جو گو طویل ہے لیکن یہاں پر ہم اس کو اس لیے نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ ان مجلسوں کے مذاکرے کا رنگ کیا تھا، اور پھر یہ بھی معلوم ہو کہ اس زمانہ کے صلحاء و علماء، سلطان وقت کو بادشاہت کے فرائض سے آگاہ کرنے میں کس طرح حق گوئی اور صاف گوئی سے کام لیتے تھے، یہ وعظ مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی کا ہے جو غالباً[3] شیخ الاسلام اور ایک خدا رسیدہ بزرگ ہونے کی حیثیت سے التمش کی خلوت و جلوت میں برابر ساتھ رہتے تھے،

مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی نے اپنے وعظ میں فرمایا

"بادشاہوں کی زندگی کے جو لوازم ہیں، جس طریقہ سے وہ کھاتے ہیں، شراب پیتے ہیں، جو کپڑے پہنتے ہیں، جس طرح وہ اٹھتے، بیٹھتے اور سواری کرتے ہیں، تخت پر بیٹھکر لوگوں کو اپنے سامنے بٹھاتے اور سجدے کراتے ہیں، خدا کے باغی حکمرانوں کے مراسم کی رعایت دل و جان سے کرتے ہیں، اور خدا کے بندوں کے معاملات میں جدت اختیار کرتے ہیں، یہ تمام چیزیں دین مصطفےٰ کے خلاف ہیں، شرک ہیں اور عقبیٰ میں موجب سزا ہیں، بادشاہوں کی نجات

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۵ [2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۷۰

[3] اخبار الاخبار ص ۲۸

مذکورہ بالا باتوں میں نہیں ہے، ان سے خداوند تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی، اور وہ سنت مصطفیٰ کے خلاف ہیں، بادشاہوں کی نجات ان چار چیزوں کے عمل پر ہے،

(۱) وہ اسلام کی حمیت کو برقرار رکھیں، اور بادشاہت کے قہر و سطوت اور عزّ و ناز کو اعلاے کلمۂ حق اور شعار اسلام کو بلند کرنے، امر معروف و نہی منکر کے لیے احکام شرعی کو رواج دینے میں صرف کریں..........

(۲) دین کی حمایت ہی میں ایک بادشاہ کی نجات ہے، اور دین کی حمایت یہ ہے کہ وہ اہل اسلام اور اسلامی شہروں اور قصبوں کے درمیان سے فسق و فجور، اور گناہ و معصیت کو قہر و سطوت کے ذریعہ بالکل ختم کردے، اور فاسق و فاجر کو سخت سے سخت سزائیں دیکر ان کے کام و دہن کے لیے فسق و فجور کو زہر سے بھی زیادہ تلخ کردے، اور ایسے پیشہ ور گناہگاروں کے لیے جو اسلام کے پیرو ہونے کے باوجود تمام عمر گناہ کبیرہ کرتے رہتے ہیں انکی دنیا انگوٹھی کے حلقہ سے بھی زیادہ تنگ کردے، تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے معصیت سے باز آجائیں، اور دوسرے کسب و حرفت کی طرف مائل ہوں، اور اگر کوئی بدکار، عورت سزا کے باوجود اپنے پیشہ سے باز نہ آئے، اور پھر بھی پوشیدہ طور سے معصیت کی ذلت و خواری میں مبتلا رہے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے، ہاں وہ اپنی بدکاری پر فخر نہ کرے، اور نہ اس کو جائز سمجھے، اگر اس قسم کی پیشہ ور عورتیں نہ ہوں تو بعض بدبخت اپنی نفسانی خواہشوں سے محرم عورتوں کو مغلوب کریں،

(۳) دین کی حمایت ہی میں بادشاہوں کی نجات ہے، اور یہ حمایت اس طرح ہوسکتی ہے کہ دین محمدی کے احکام کی اشاعت کے لیے اہل تقویٰ، زاہد، خداترس اور دیندار لوگ مقرر کیے جائیں، اور بددیانتوں، دھوکے بازوں، حیلہ گروں، دنیا کے عاشقوں اور فریب دینے والوں کو مسند حکومت پر نہ بٹھایا جائے، اور نہ طریقت کی رہنمائی کے لیے ان سے کہا جائے،

اور نہ ان کو فتاوے صادر کرنے کا حق دیا جائے اور نہ ان سے دینی علوم میں استفادہ کیا جائے"
بادشاہ اپنے ملک میں فلسفہ، معقولات فلسفہ کے معتقدوں کو مطلق روا نہ رکھیں، اور نہ فلسفہ
پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت کسی حال میں بھی دیں، بلکہ مذہب کے گمراہوں، مذہب و سنت کے
دشمنوں اور بد اعتقادوں کی تذلیل و توہین میں برابر کوشاں رہیں، اور بد دینی، بد اعتقادی اور
گمراہی کو مطلق جائز نہ سمجھیں،

(۴) دین کی حمایت ہی میں بادشاہ کی نجات ہے، اور یہ حمایت عدل گستری اور انصاف پروری
میں بھی ہے، بادشاہ عدل و انصاف میں انتہا پسند ہو، ظلم و تعدی اس کے ملک میں مطلق نہ ہو،
جب تک پورے قہر، قوت اور سطوت سے ظالموں کو ظلم کو دور نہ کرے وہ عدل پروری
کا حق ادا نہیں کر سکتا ہے،

اور جب وہ ان چار چیزوں پر پورے عزم اور اعتقاد کے ساتھ عامل ہے، اور اس پر
عملدرآمد ہونے میں اپنی شاہی سطوت کا مصرف پورے طور پر لیتا ہے اور بادشاہت
اور سنت کے لوازم کو پورا کرتا ہے تو اگرچہ اس میں نفسانی خواہشات موجود ہوں، پھر بھی
اس کا حشر انبیاء، واولیاء اور دینداروں کے ساتھ ہوگا لیکن اگر بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں
پڑھتا ہے، تمام عمر روزے رکھتا ہے، گناہوں سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق میں خرچ
کرتا رہے، مگر وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنوں کو قلع قمع
کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کرتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو
جاری کرانے اور نہی منکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو تو اس کی
جگہ دوزخ کے سوا اور کہیں نہ ہوگی"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۴۴ - ۴۲ - فارسی عبارت کا آزاد ترجمہ کیا گیا ہے۔

(باقی ص ۸۸ پر)

ان مواعظ کے جو اثرات التمش کے دل و دماغ پر مترتب ہوئے ہوں گے ان کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواعظ ایک عرصۂ دراز تک دہلی کے حکمرانوں کے لیے مشعل ہدایت بنے رہے، کیونکہ بلبن ان کو اپنے لڑکوں، بھتیجوں اور خاص خاص لوگوں کے سامنے بار بار دہراتا اور زار زار رونے لگتا۔ مولانا ضیاء الدین برنی نے سوا سو سال کے بعد فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اپنی تاریخ فیروز شاہی لکھی تو اس میں یہ مواعظ غالباً اس خیال سے نقل کیے تاکہ ان پر اگر بادشاہوں کی نظر پڑے تو ان ہی نصائح کے مطابق وہ اپنی زندگی بنائیں، اور اگر خواص و عوام پڑھیں تو اپنے حکمرانوں سے ان ہی مواعظ کے مطابق زندگی بنانے کی توقع رکھیں۔

حکمرانی کے نظریے

التمش کی مجلسوں میں بادشاہت کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں پر باضابطہ مذاکرے ہوتے تھے، اور پھر ان مذاکروں سے جو نظریے قائم ہوئے ان کو برنی نے بلبن کی زبانی اپنی تاریخ میں قلمبند بھی کر دیا ہے۔[۱] ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حکمرانی کوئی سہل کام نہیں، ایک حکمران خدا کا نائب ہے۔ اس کا دل منظر ربانی (یعنی خدا کا جھروکہ) ہے، ایک معمولی انسان کا دل بھی منظر ربانی ہوتا ہے، لیکن معمولی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ القا نہیں کرتا، لیکن ایک حکمران کے دل میں یہ القا دائمی رہتا ہے، اسی لیے مملکت کے تمام

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷) التمش کی ان مجلسوں میں کبھی کبھی سخت نوک جھونک بھی ہو جایا کرتی تھی، اس زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی شیخ نظام الدین اولیاؒ کی زبانی فوائد الفواد میں یہ روایت درج ہے:

"وقتے مارا با سید نور الدین مبارک نور اللہ مرقدہٗ در پیش سلطان شمس الدین برائے زیر دست و زبر دست نشستن نزاعی رفتہ بود، من سخن گفتہ بودم کہ او کوفتہ شدہ بود۔" (ص ۱۹۳)

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۷۰

کاروبار اس کے ذریعہ انجام پاتے ہین۔ اس کو جو عزت وعظمت حاصل ہوئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ خدا کا شکر بھیجے، اپنے کو گوناگون فضائل سے آراستہ کرے، اپنے قول فعل اور حرکات وسکنات کو ایسا پسندیدہ بنائے کہ اہل اسلام مین اس کا اعتبار قائم ہو، اور آخرت میں اس کی نجات ہو، وہ اس طرح حکومت کرے کہ لوگون کے اوصاف واخلاق شریعت کے مطابق ہون، ان کے معاملات صحیح ہون، فسق وفجور ملک مین نہ ہون، وہ اپنے قہر، سطوت، قوت، شوکت، حشم، خدم اور خزانے کو کفر، شرک، فسق وفجور اور بدعات کے قلع قمع کرنے مین استعمال کرے، خدا اور رسول کے دشمنون کو ذلیل وخوار رکھے، عدل واحسان کے ذریعہ ملک کو ظلم وتعدی سے پاک کردے، لوگون مین ایسے اخلاقی فضائل پیدا کردے کہ ساری برائیان دور ہوجائین۔

وہ خداترس متقی، اور متدین قاضی، محتسب اور حکام مقرر کرے تاکہ رعایا انصاف اور دینداری سے مستفید ہوتی رہے اور امر معروف اور نہی منکر کی ایسی رونق ہو کہ قبۂ آسمان تک صرف شعار اسلام ہی ظاہر ہو۔

رعایا مین دینداری اور حسن اعتقاد ایسا ہو کہ ان مین غداری، مکاری، فریب، نفاق، بددیانتی، نفع خوری اور احتکار کے بجائے سچائی اور حق پرستی ہی پائی جائے،

ایک حکمران کو نیک، سچا، خداترس دیندار اور عبادت گذار ہونا چاہیے، کیونکہ الناس علیٰ دین ملوکھم، اگر اس مین خداترسی، دینداری، عبادت گذاری ہے تو اس کی مملکت کے تمام چھوٹے بڑے لوگ، عورت، مرد، بوڑھے، جوان ان ہی اوصاف حسنہ کے حامل ہوجائین گے، اور اگر بادشاہ اور اس کے حکام مین اوصاف ذمیمہ ہین، اور وہ فسق وفجور مین مبتلا رہتے ہین تو رعایا بھی فاسق وفاجر ہوجاتی ہے،

ایک حکمران اور اسکے تمام حکام وعمال کو باطن کی آرائش مین لگا رہنا چاہیے، ظاہر کی آرائش توسب ہی کرتے ہیں، باطن کی آرائش ہی حکمرانی اور بادشاہت کا ایک بڑا فرض ہے،

اگر مذکورہ بالا تمام باتوں پر ایک حکمران عمل کرتا ہو تو پھر وہ صحیح معنوں مین بادشاہت اور حکمرانی کی نعمت کا شکر گذار ہے،

ان اصولوں کا پابند ہونا آسان کام نہین، چنانچہ سلطان بلبن نے شہزادون کو ان تمام باتون پر عمل کرنے کی تلقین تو کی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا:

"می دانم کہ عمل کردن بدان وصیت ہا اندازہ من و تو نیست"[۱]

مگر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ التمش نے ان اصولوں کو عملی جامہ پہنایا، اس پر بادشاہ ہونے کے باوجود جو خشیت الٰہی طاری رہتی وہ اس بات کی دلیل ہے کہ بادشاہت کی عزت و عظمت کا شکر گذار رہا، اس نے خدا ترس متقی اور متدین بن کر اپنے اور شاہی حکام کو گوناگوں فضائل سے آراستہ کرنے کی کوشش کی اور اپنی دینداری سے نہ صرف اپنے باطن کو سنوارا بلکہ مسلمانون کے اخلاق کو درست کر کے شعار اسلام کی بھی رونق بڑھائی، چنانچہ طبقات ناصری کے مؤلف نے التمش کے عہد کے دہلی کو "مرکز دائرہ اسلام" "مہبط اوامر و نواہی شریعت" "جوزۂ دین محمدی" "بیضۂ ملت اسلامی" اور "قبۃ الاسلام مشارق گیتی" کہا ہے[۲]، اور اس کی وجہ سے اسلام کی رفعت و شوکت بڑھی تو وہ "غیاث الاسلام والمسلمین" اور "ناصر الاسلام علی الدولۃ القاہرہ والملۃ الباہرہ" کے القاب سے بھی یاد کیا گیا۔[۳]

مذہبی مجلسین التمش مذہبی مجلسیں میدان جنگ اور محاصرہ مین بھی منعقد کرتا تھا۔ ۶۲۹ھ مین التمش نے قلعہ گوالیار کا محاصرہ کیا، تو یہ گیارہ مہینے تک جاری رہا، طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج الدین عثمان بن سراج الدین جوزجانی جن کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہین، شاہی لشکر کے ساتھ تھے۔ ناصر الدین قباچہ کی شکست کے بعد مولانا منہاج الدین شمس الدین التمش سے وابستہ ہو کر ۶۲۵ھ مین دہلی آئے

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۷۰ [۲] طبقات ناصری ص ۱۶۶ [۳] یہ القاب اس کتبہ مین ہین جو اجمیر کی ایک مسجد المعروف بہ ڈھائی دن کا جھونپڑا کے وسطی محراب پر بخط طغرا جلی کندہ ہے،

جہان ۶۲۹ھ تک مقیم رہے، اور جب التتمش گوالیار کی مہم پر چلا تو مولانا منہاج بھی اس کی معیت میں روانہ ہوئے، محاصرہ کے دوران مین جب مجلسین منعقد ہوتیں تو مولانا منہاج ہی ان مین وعظ کہتے، ان کا خود بیان ہے کہ اس محاصرہ مین شاہی خیمہ کے سامنے ۹۵ مجلسین ہوئین، عید اضحیٰ کے موقع پر مولانا ہی نے التتمش کے حکم سے لشکر مین نماز کی امامت کی اور خطبہ پڑھا جس کے صلہ مین ان کو خلعت عطا ہوا، ۲۰ صفر ۶۳۰ھ کو قلعہ گوالیار فتح ہوا تو مولانا منہاج وہان کے قاضی خطیب، امام، محتسب اور تمام امور شرعی کے نگران مقرر ہوئے، اور مزید خلعت اور انعامات سے سرفراز کیے گئے[1]

علمی تحفے بیرونی ممالک سے جو علماء آتے تو سلطان التتمش کے لیے تحفے مین ایسی علمی چیزین لاتے جو اس کے مذاق کے مطابق ہوتین، قاضی جلال عروس بغداد سے دہلی آئے، تو سلطان کے لیے خلیفہ مامون کے ہاتھ کی ایک ایسی تحریر لائے جو اس نے سفینۃ الخلفاء مین لکھی تھی، اس تحریر کا خلاصہ یہ تھا،

"میرے والد امیر المومنین ہارون رشید اپنے جلالت و ہتیہ کے باوجود چند خادمون کے ساتھ پاپیادہ داؤد طائی اور محمد بن سماک کے گھر گئے، جو بغداد کے زاہدون مین سے تھے، ان کے گھر کے پاس پہنچ کر ان کے دروازہ کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے لیکن انھون نے دروازہ نہین کھولا، اور نہ میرے والد کو اندر بلایا، ان درویشون کے پاس خلیفۂ وقت بار بار گئے اور ان کے ہان جانے مین کوئی عار اور شرمندگی محسوس نہین کی، بلکہ ان سے نزدیک تر ہوتے گئے، اور ان سے ان کا (یعنی والد کا) اعتقاد بڑھتا گیا، ان کی بڑی آرزو یہ تھی کہ کوئی ان سے ملاقات کرا دیتا، اس کے لیے انھون نے لوگون سے بڑے بڑے وعدے بھی کیے، مجھکو اور دوسرے خاص خاص لوگون کو خلیفہ کا ان درویشون کے پاس جانا اور ان کا

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۵

خلیفہ سے نہ ملنا بھلا نہ معلوم ہوتا، یہ درویش فقیروں اور مسکینوں کو اندر بلاتے لیکن امیرالمومنین

کو طلب نہ کرتے، مین ایک روز خلیفہ کی خدمت مین بیٹھا تھا کہ ابو یوسف قاضی آئے، امیرالمومنین

نے ان سے کہا کہ ہو سکے تو آپ داؤد طائی سے میری ملاقات کرا دین، مین نے سنا ہے کہ آپ

دونون نے ایک ہی ساتھ ابو حنیفہ سے تعلیم پائی ہے، ابو یوسف قاضی نے جواب دیا کہ جب

مین ادنیٰ آدمی تھا تو وہ مجھکو اپنے گھر کے اندر بلاتے تھے، لیکن جب سے قاضی ہوا ہون بیس بار

ان کی زیارت کے لیے ان کے دروازہ پر گیا ہون لیکن مجھکو اندر طلب نہین فرماتے، خلیفہ

نے فرمایا، یہ سنکر مین ان سے اور بھی زیادہ قریب تر ہو گیا، اور ان سے میرا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا،

ابو یوسف قاضی نے عرض کیا کہ علماء و مشائخ ربع مسکون سے آپ کی بارگاہ مین آتے

رہتے ہین، اور آپ سے ملاقات کر کے نہ صرف خلیفۂ وقت بلکہ ابن عم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بھی ملتے ہین، اگر یہ درویش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور خلیفہ کی بزرگی کا خیال

نہین کرتے تو خلیفہ ان کے دروازہ پر جانا کیون پسند کرتے ہین، اور یہ خبر تمام بغداد مین پھیلی

ہوئی ہے کہ رات خلیفہ ان درویشون کے دروازے پر گئے تھے لیکن انھون نے ان کو اندر

نہیں بلایا، خلیفہ نے کہا کہ محض اس وجہ سے کہ یہ دونوں مجھکو اندر نہین بلاتے اور میری طرف

التفات نہین کرتے، مین ان کا معتقد ہو گیا ہون اور ان کو اپنا دوست سمجھتا ہون۔ ان

بزرگون کے معاملات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ظاہراً اور باطناً دنیا کی طرف اپنی

پشت کر دی ہے، اور خدائے تعالیٰ کی محبت مین دنیا کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے، اور مین

اس وقت دنیا ہی دنیا ہون، دنیا کی جاہ میرے گرد جمع ہے، اور یہ بزرگ جب دنیا کو

صدق دل سے اپنا دشمن سمجھتے ہین تو پھر مجھ سے کیون ملین، مین تو ظاہر اور باطن دونون

مین صرف دنیا ہی دنیا ہون، وہ مجھکو اپنا دشمن کیون نہ تصور کرین، پھر وہ مجھکو کیون

اندر بلائین اور تردد مین مبتلا ہون، مجھکو انھون نے خدا کی محبت مین دشمن سمجھ رکھا ہے، لیکن
مین ان کو اس لیے کہ وہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھتے ہین، اور خدا سے قریب تر ہین، ان کو خدا ہی
کی خاطر دوست سمجھتا ہون، ان کے لیے مجھکو دشمن ہی سمجھنے مین نجات ہے، اور میرے لیے
ان کو دوست ہی تصور کرنے مین رستگاری ہے، اور مین سمجھتا ہون کہ اگر اس قسم کے تارکانِ دنیا
میری حمایت کرین تو دنیا داری کی دشواریون سے چھٹکارا حاصل ہو جائے، اور وہ جو دنیا کی
خاطر، دنیاوی جاہ کی خاطر، دنیاوی لالچ اور دنیاوی انعام کی خاطر میرے پاس آتے ہیں
اور دنیا ہی مین اپنے دین کو فروخت کر دیتے ہین تو قیامت کے روز وہ مجھ سے زیادہ مفلس
ہون گے، اور مین ایسے لوگون سے اپنی التجا کیا بیان کرون، ایسے لوگ میری پناہ مین تو آجاتے
ہین لیکن میری حمایت سے ان کو کوئی فائدہ نہین پہنچتا، ہان میرے لیے دنیا کی جاہ طلبی مین
اس سے کچھ اور اضافہ ضرور ہو جاتا ہے، یہ کہکر امیر المومنین رونے لگے، اور پھر فرمایا کہ اپنے
قول و فعل، حرکات و سکنات کو سنت نبوی کے خلاف پاتا ہون، معلوم نہین کہ قیامت کے
روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤن گا، اور اس دنیا داری کی وجہ سے قیامت
مین کیسے چھٹکارا ہوگا، ابو یوسف قاضی نے یہ باتین سنین تو انھون نے اٹھ کر خلیفہ کے زانو
پر بوسہ دیا، اور کہا کہ بہت سے علوم پڑھے تھے، لیکن آج خلیفہ کی خدمت ہی مین خدا تعالےٰ
کی معرفت کا علم حاصل ہوا"[1]

سلطان التتمش نے یہ تحریر پڑھی تو وہ قاضی جلال عروس کے اس تحفہ سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے
کہا، اس کے صلہ میں تو قاضی جلال کو آدھی مملکت دیدینی چاہی، تاریخ فیروز شاہی مین ہے
"سلطان ازین موعظت چنان بر قاضی جلال عروس خوش شد کہ خواست نیمے ملک

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۱۰۲ - ۱۰۳

خود بدو ایثار کند۔"

علماء کی فیاضانہ سرپرستی

علماء کے ساتھ التتمش کی یہ فیاضی اور داد و دہش بے پایان تھی، اس کا اعتراف مولانا منہاج نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہین:

"از اول عہد دولت و طلوع صبح مملکت در استجماع علمائے بانام و سادات کرام و ملوک و امراء و صدور و کبراء زیادت از ہزار لک ہر سال بذل فرمود[1]"

التتمش کے جود و سخا کو ذرا اور بھی واضح طور پر خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے اس طرح لکھا ہے:

"وہ رات کے آخری حصہ مین گدڑی اوڑھ لیتا، اور رعایا کی خبر گیری کے لیے شہر کا گشت کرتا، علماء صلحا اور اصفیا کو بڑی دولت عطا کی، اس طرح کہ مٹی کے برتن مین اشرفیان بھر دیتا، ان کے اوپر گیہوں رکھ دیتا، اور مسلمانون کو دیتا، تاکہ اس کی سخاوت پردہ ہی مین ظاہر اور ریا کا اظہار نہ ہو[2]"

اس فیاضی کی شہرت سن کر بیرونی ممالک سے علماء و سادات دہلی بکثرت کھنچ کر آگئے تھے، اور یہ شہر علماء و فضلاء کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا، طبقات ناصری مین ہے

"این شہر بکثرت انعامات و شمول کرامات آن بادشاہ دین دار محط رجال آفاق گشت[3]"

فتوح السلاطین مین عصامی اس عہد کے دہلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

بہ دہلی چنان تخت گاہے بساخت	سپاہش در اقصائے آن ملک تاخت
در آن شہر یک رونقے شد پدید	بلے لذتے باشد اندر جدید
بسے سیدان صحیح النسب	رسیدند در وے ز ملک عرب
بسے کاسبان خراسان زمین	بسے نقشبندان اقلیم چین

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۶ [2] خزینۃ الاصفیا ج ا ص ۲۷۱ [3] طبقات ناصری ص ۱۶۶

بسے عالمانِ بخارا نژاد | بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گران | ز ہر شہر و ہر اصل سیمیں بران
بسے ناقدانِ جواہر شناس | جواہر فروشان برون از قیاس
حکیمان یونان، طبیبان روم | بسے اہل دانش ز ہر مرز و بوم
در آن شہر فرخندہ جمع آمدند | چو پروانہ بر نورِ شمع آمدند
یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد | دیارش ہمہ دار اسلیم شد[1]

مولانا ضیاء الدین برنی بھی رقمطراز ہین کہ چنگیز خانیون کے فتنہ سے عاجز و پریشان ہو کر ارباب فضل و کمال عہد شمسی مین اس قدر زیادہ جمع ہو گئے تھے کہ ربع مسکون مین اس کی کوئی مثال نہ تھی، اور سلطان شمس الدین التتمش کا دربار محمود و سنجر کا دربار معلوم ہوتا تھا،[2] افسوس ہے کہ اس عہد کے مورخون نے ان علماء کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش نہین کی، اگر ان تمام علماء و فضلاء کے علمی کارنامے معلوم ہو جاتے تو اس عہد کی علمی تاریخ کس قدر روشن نظر آتی،

درسگاہین | ان مین سے بعض علماء، درس و تدریس کے لیے بہت مشہور تھے، التتمش نے ان کیلیے دہلی مین متعدد مدارس قائم کیے، دہلی کا مشہور و معروف مدرسہ معزی[3] اسی معارف نواز حکمران کی یادگار ہے، کیونکہ بدایون مین بھی اس نے اپنی اقطاع داری کے زمانہ مین اسی نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے متصل ایک بڑی جامع مسجد بھی تھی، ان مدرسون کا نام "معزی" معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی یاد تازہ رکھنے کے لیے رکھا گیا، شاید دہلی مین کوئی مدرسہ التتمش کے نام سے بھی موسوم تھا، کیونکہ جب اس کی عمارت فیروز شاہ تغلق کے عہد مین منہدم ہو گئی تھی

[1] فتوح السلاطین، مدراس اڈیشن ص ۱۱۴-۱۱۵ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۷ [3] طبقات ناصری ص ۱۸۹

تو فیروز شاہ نے اس کو پھر سے بنوایا، اور اس مین صندل کی لکڑیون کے دروازے لگوائے، فتوحات فیروز شاہی مین ہے،

وہم چنین مدرسہ سلطان شمس الدنیا والدین التیمش رضی اللہ عنہ را محلہائے کہ انہدام پذیرفتہ بود، عمارات کردہ درہا از چوب صندل نہادیم (مطبوعۂ علی گڈھ ص ۱۶)

شعرا

تاتاریون کے فتنہ سے ماوراء النہر اور ایران پر جو قیامت صغریٰ گزر رہی تھی، اس کی بنا پر علماء کی طرح بہت سے شعراء نے بھی ہندوستان مین آکر پناہ لی، اور جس کی رسائی التیمش کے دربار تک ہوئی وہ اس کے جود و کرم سے اچھی طرح سیراب ہوا، افسوس ہے کہ معاصر مورخون اور تذکرہ نویسون نے ان شعراء کے نام و حالات کو بھی بالکل نظر انداز کر دیا ہے، پھر بھی ہم کو ادھر اُدھر سے دو چار شعراء کی تھوڑی بہت جو تفصیل ملی ہے، اس کو ہم ذیل مین درج کرتے ہین،

ناصری

نام خواجہ ابو نصر، اور تخلص ناصری تھا، مہنہ (خراسان) کا رہنے والا تھا، اور مشہور صوفی شاعر شیخ ابو سعید ابو الخیر کے خاندان سے تھا، وطن سے دہلی آیا تو پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آستانہ پر حاضر ہوا، اور ان کی دعائین لین، ان کی دعائین لیکر قسمت آزمائی کیلیے التمتش کے دربار مین پہنچا، اور اس کی مدح مین ایک قصیدہ پیش کیا، جب قصیدہ پڑھنے کی اجازت دی گئی تو اس نے مطلع پڑھا،

اے فتنہ ماز نہیب تو زنہار خواستہ ۔۔۔ تیغ تو مال ذفیل زکفار خواستہ

سلطان التیمش یہ مطلع سنکر دوسری طرف متوجہ ہو گیا، ناصری بد دل ہوا، لیکن سلطان نے فوراً متوجہ ہو کر کہا ناصری پڑھو اور اس کا مطلع دہرایا، ناصری کو سلطان کے حافظہ پر تعجب ہوا، اور پھر اس نے قصیدہ کے اور اشعار پڑھنے شروع کیے، اور جب وہ ختم کر چکا تو سلطان نے قصیدہ کو دوبارہ پڑھنے کو کہا، اور جب اس نے اس کو ختم کیا تو سلطان نے پوچھا کہ اس مین کتنے اشعار ہین، ناصری نے

کہا تھا[۱]، سلطان نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کو ترپن ہزار چاندی کے تنکے انعام مین دیے جائین،
ناصری اس غیر متوقع انعام سے بے حد خوش ہوا[۱]، یہ رقم لیکر حضرت قطب صاحب کے پاس حاضر ہوا،
اور ان کی خدمت مین گزرانی لیکن قطب صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے تم
اپنی ضروریات پوری کرتے رہو، ناصری کے کلام کے نمونے کہین اور نہین ملتے، آتشکدہ میں اس کا صرف
ایک حسب ذیل قطعہ منقول ہے[۲]

از دور رفتنت ہمہ روز است ماتمم — وز دیر آمدن ہمہ شب ماتمے دگر
ترسم اگر حکایت غمہائے خود کنم — غمگین شوی ازین غم واین ہم غمے دگر

روحانی | تذکرہ نویسون نے حکیم روحانی اور امیر روحانی دونون کو ایک ہی تخلص کی وجہ سے
ایسا خلط ملط کر دیا ہے کہ بظاہر دونون مین امتیاز کرنا مشکل ہوگیا ہے، حکیم روحانی، سلطان
عین الدین بہرام شاہ بن مسعود غزنوی کے دربار کا شاعر تھا، اور امیر روحانی سلطان شمس الدین
التتمش کے عہد مین ہندوستان آیا، لیکن بعض تذکرہ نویس مثلاً مظفر حسین روز روشن
میں لکھتے ہین

"روحانی سمرقندی. نامش ابوبکر از تلامذۂ رشید وطواط وستایش گران بہرام شاہ
غزنوی ست، وبعدش در سرکار خوارزم شاہ بکار کتابت ملازم گشت و در سنہ ثلث
وعشرین وستمائہ ہنگامیکہ سلطان شمس الدین التتمش رنتھنبور را فتح کردہ شہر ماند
رامخیم جاہ وجلال ساخت روحانی از نجار الحضور سلطان رسیدہ قصیدہ فتح....
گذرانیدہ جائزہ جزیلہ یافتہ" (ص ۲۵۶۱)

---

[۱] فوائد الفواد ص ۲۱۳، سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۶۰ – ۵۹، منتخب التواریخ از ملا عبد القادر بدایونی ج ۱ ص ۶۵۔ کسی نے اس قصیدہ کو نقل نہیں کیا ہے، مخزن الغرائب کے مؤلف نے صرف مطلع نقل کر کے لکھا ہے کہ "چون قصیدہ مذکور طولانی بود بہمین قدر اکتفا کردہ شد" [۲] آتشکدہ، ص

اب اس عبارت کے تضاد کو ملاحظہ فرمائین ، اگر ابو بکر روحانی کو بہرام شاہ غزنوی کے دربار کا مدح خوان تسلیم کرلین ، تو اس کا ہندوستان مین ۶۲۳ھ مین آنا ممکن نہین ، کیونکہ مسعود غزنوی کی موت ۵۴۷ھ مین ، اور جلال الدین خوارزم شاہ کی ۵۱۵ھ مین ہوئی ، ۶۲ برس کے بعد روحانی کا التمش کے دربار مین پہنچنا ایک فضول سی بات ہے[1] پھر ابو بکر روحانی رشید وطواط کا شاگرد نہیں بلکہ استاد رشیدی کے شاگردون مین سے تھا[2]

---

[1] تحفۃ الکرام ج ۲ (ص ۱۱۱) مین اسی قسم کے خلط ملط بیانات ہین

"افصح الکلام امیر روحانی از سالکان مسالک سخندانی بود ، ابتدا در خدمت سلطان بہرام شاہ غزنوی بسر بردہ ، بعد ازان ملازم آتسز خوارزم شاہ ملازم گرفتہ ، بامر کتابے مشغول داشتہ تا در گذشت در تاریخ صبح صادق نوشتہ کہ در ثلث وعشرین وستمائۃ سلطان شمس الدین التمش صحیح ہلی تصعبو کرد دیگر فت بس بلند در رفت و استیلا یافت حکیم روحانی از بخارا بخدمت او پیوست وقصیدہ گذرانید وصلہ جزیل یافت۔

[2] مجمع الفصحاء مین ہے

"حکیم ابو بکر بن محمد علی در غزنی و بخارا نشو و نما کردہ شاگرد رشیدی سمرقندی معروف بہ رشیدی ہست۔ در زمان سلطان بہرام شاہ غزنوی بعرصہ آمدہ و شاعری کردہ..... مداحی دیگر سلاطین نیز نمودہ"

ریاض الشعراء مین ہے

"حکیم ابو بکر محمد علی الروحانی ولادت وی در غزنی شدہ و توطنش در بخارا و نشو و نماش در سمرقند بودہ از شاگردان استاد رشیدی و مداح بہرام شاہ ہست"

مخزن الغرائب مین بھی ہے

"حکیم ابو بکر محمد علی الروحانی - تاج الحکما ، ارشد القدما ہست ، از سمرقند بودہ ، مثل خواجہ رشیدی از دامن تربیت او برخاستہ ہمین بزرگے او پسند است ، ملا عوفی ذکر وی نمودہ"

عوفی نے بھی اپنے تذکرہ لباب الالباب جلد دوم مین روحانی کا ذکر الاجل الافضل تاج العلماء عطار الشانی ابو بکر بن علی الروحانی کی سرخی کے تحت کیا ہے، اور پھر بہرام شاہ کی شان مین اس کا ایک قصیدہ نقل کرنے کے بعد اس کے کچھ اور اشعار بھی درج کیے ہین. ظاہر ہے کہ یہ روحانی غزنوی سلطان بہرام شاہ ہی کے دربار کا شاعر تھا جیسا کہ بعض اور تذکرہ نویسون نے بھی لکھا ہے؛ التمش کے عہد مین ہندوستان مین آنے والے شاعر امیر روحانی کا ذکر طبقات اکبری منتخب التواریخ اور تاریخ فرشتہ مین ہے. ان مورخون کے بیان کے مطابق چنگیز خانیون کی یورش سے تنگ اور پریشان ہو کر امیر روحانی بخارا سے دہلی آیا، اور ۶۲۴ھ مین سلطان شمس الدین التمش کے دربار مین پہنچا، جبکہ سلطان رنتھنبور اور منڈور کی تسخیر کے بعد دہلی مراجعت کرتا ہے، ان فتوحات کی تقریب مین امیر روحانی نے ایک قصیدہ شاہی خدمت مین پیش کیا، جس کے چند اشعار یہ ہین:

خبر باہل سما، برد جبرئیل امین	ز فتح نامۂ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکۂ قدس آسمانہا را	بدین بشارت بندید کلمۂ آئین
کہ از بلاد ملاحد شہنشہ اسلام	گشاد بار دگر قلعۂ سپہر آئین
شہ مجاہد غازی کہ دست و تیغش را	روان حیدر کرار می کند تحسین[۱]

اس قصیدہ کے صلہ مین سلطان نے روحانی کو بڑے انعام واکرام سے سرفراز کیا،

---

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۶۶-۶۵، طبقات اکبری جلد اول ص ۶۰، پر دوسرے شعر کے پہلے مصرع مین آسمانہا را کے بجائے آسمان برین اور دوسرے مصرع مین کلمۂ امین کے بجائے "کلمۂ و آئین" ہے، تاریخ فرشتہ مین بھی دوسرے شعر کے دوسرے مصرع "کلمۂ وائین" ہی ہے، اور اس مین تیسرے شعر کے پہلے مصرع مین از بلاد ملاحد کے بجائے "بلاد سوالکھ" ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی مندرجۂ بالا اشعار اور روحانی کے کلام پر ایک عام تبصرہ ان الفاظ مین کیا ہے:

"ونیز اورا غیر ازین اشعار دلپذیر بسیار است۔"

اور پھر اس کے کلام کے نمونے مین حسب ذیل اشعار نقل کیے ہین:

قصۂ خویش از زبان قلم	کردہ ام یاد در بیان قلم
رقم رنج گوئیا بوداست	خط عمر من نشان قلم
با قلم تا قرین شدم بجہان	روز من گشت چون جہان قلم
ناگہان بانگار دفتر من	زان درشتی کند سنان قلم
کہ بہ آواز نرم من ماند	نالۂ زار ناگہان قلم
گرچہ پیوستہ در میان خرد	دارد م نفع بیکران قلم
آخر احوال من نگوید کس	پیش صاحب مگر زبان قلم
خواجہ منصور بن سعید کز اوست	تیز بازار امتحان قلم
آن بزرگی کہ دارد از لفظش	بار انصاف کاروان قلم
چون بنارا سوار کردہ بود	مرکب او خجستہ ران قلم
در کفایت کند رکاب گران	پس بگیرد سبک عنان قلم
بہنر عقل راچہ بگمارد	آشکارا کند نہان قلم

اس عہد کا ایک دوسرا ممتاز شاعر تاج الدین ریزہ تھا، جس کا ذکر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ کرنا چاہتے ہین،

ریزہ تاج الدین نام تھا، لیکن عام طور سے تاج الدین ریزہ کہلاتا تھا۔ اس کے قد کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ریزہ اس کے نام کا جزء ہو گیا، تحفۃ الکرام مین ہے:

"مرد حقیر الجثہ بود، لہذا این لقب یافتہ" (جلد ۲ ص ۱۰۵)

گل رعنا کے مؤلف لچھمی نرائن شفیق کا بیان ہے:

"چون حقیر الجثہ بود، او را ریزہ می گفتند، و بعضے گویند در مقابلہ تاج الدین برہ او را تاج الدین ریزہ می گفتند، برہ بزبان ہندی کلان را گویند، تاج الدین برہ شمس الملک کہ از فضلائے عصر بود سلطان المشائخ نظام الدین بداؤنی از و مقامات حریری سند کردہ آخر مستوفی الممالک شدہ، می گوید

اے مرحبا بکام دل دوستان شدی — مستوفی الممالک ہندوستان شدی"

گل رعنا کے مؤلف کی یہ توجیہ صحیح نہین، اس نے حضرت نظام الدین اولیاء کے استاد اور سلطان غیاث الدین بلبن کے مستوفی الممالک مولانا شمس الملک کے نام کو تاج الدین برہ کہکر خلط ملط کر دیا ہے، حضرت نظام الدین اولیاء کے استاد اور بلبن کے مستوفی الممالک کا نام شمس الدین خوارزمی تھا، اسی لیے ان کو شمس الملک کا خطاب ملا، چنانچہ لچھمی نرائن شفیق نے جو مذکورۂ بالا شعر لکھا ہے، اس مین بعض نسخون کے مطابق "اے مرحبا" کے بجاے "شمسا کنون" ہونا چاہیے، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ شعر تاج الدین نے مولانا شمس الدین کے مستوفی الملک ہونے پر کہا ہے،[۱] عرفات العاشقین کے مؤلف کا خیال ہے کہ تاج الدین نیشاپوری سے ممیز کرنے کی خاطر تاج الدین کے نام کے ساتھ ریزہ بڑھا یا گیا،[۲] سیر العارفین مین اس کے نام کے ساتھ سنگ ریزہ لکھا ہوا ہے،[۳] پروفیسر عبد الغنی نے اپنی انگریزی کتاب "پری مغل پرشین ان ہندوستان" (ص ۳۳۰) مین تاج الدین دبیر اور تاج الدین سنگریزہ کو دو علیحدہ علیحدہ شاعر بتایا ہے، جو صحیح نہین ہے، تاج الدین دبیر کے بارہ مین لکھتے ہین کہ وہ دہلی کا باشندہ تھا، اس کا دادا خسرو بن ملک شاہ کے عہد مین ہندوستان آیا،

---

[۱] دیکھو سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۱۵ [۲] ایضاً [۳] نیز دیکھو اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۳۴ء

اور شاہی فوج مین نوکر ہوا، تاج الدین کا باپ دہلی مین ۵۸۰ھ مین پیدا ہوا۔ اس کے آبا و اجداد مین کوئی شعر و شاعری کا ذوق نہین رکھتا تھا، پھر ص ۴۰۳ پر لکھتے ہین کہ تاج الدین سنگریزہ ایک خراسانی شاعر تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت اور اپنے بچپن کے زمانہ مین ہندوستان آیا پروفیسر موصوف کو تاج الدین سنگریزہ اور تاج الدین دبیر کو علیحدہ علیحدہ شاعر سمجھنے مین غلط فہمی ہوئی ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا،

تاج الدین ریزہ کی صحیح جائے پیدائش تو معلوم نہین ہو سکی لیکن وہ ہندی نژاد تھا، اپنے ایک قصیدہ مین خود ہی کہتا ہے۔

مولد و منشاء مبین در خاک ہندستان مرا　　نظم و نثرم بین کہ از آب خراسان آمدہ[۱]

عرفات العاشقین کے مؤلف تقی اوحدی نے اس کو دہلی کا باشندہ لکھا ہے۔

"ملک تاج الدین ریزہ ساکن دہلی بود"

لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا مین اس کے نام کے ساتھ دہلوی ہی تحریر کیا ہے

شاید پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی نظر ان تذکرہ نویسون کے مذکورۂ بالا بیانات پر نہین پڑی، اس لیے وہ تاج الدین کو دہلوی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہین، اور تاج الدین کے ایک قصیدہ کے حسب ذیل اشعار کی بنا پر لکھتے ہین کہ تاج ریزہ یقیناً دہلوی نہین ہے،

سالہا شد بندہ را کز لطف ہر ازادۂ　　در حریم این ممالک حصہ حرمان آمدہ است

خانمان بگذاشتہ بر سمت شہرے رفتہ کو　　از علو قدر شاہش چون قدر خان آمدہ است

بے خیانت ہست مقناطیس در باب ہنر　　بندہ سوے این دیار از جذبۂ آن آمدہ است

یہ اشعار اس قصیدہ سے لیے گئے ہین جو کلیات انوری کے مطبوعہ نسخہ مین ہے، لیکن پروفیسر

---

[۱] دیوان انوری ص ۸۹، نولکشور پریس، لاہور، نیز دیکھو اسلامک کلچر حیدر آباد دکن، جولائی سنہ ۱۹۴۸ء

محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق تاج الدین ریزہ ہے، یہ قصیدہ نظام الملک قوام الدین جنیدی کی شان مین کہا گیا ہے، پروفیسر محمود شیرانی نے مذکورۂ بالا اشعار مین "این ممالک" سے مراد دہلی لیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ اس قصیدہ کے بعض اشعار سے پایا جاتا ہے کہ شاعر اپنا گھر بار چھوڑ کر ان ممالک (مراد دہلی) مین ایک مدت سے پڑا ہے، مگر ابھی تک اس کو کامیابی نصیب نہین ہوئی ہو لیکن مذکورۂ بالا تذکرہ نویسون کے بیان کو ہم صحیح سمجھ کر تاج الدین کو دہلوی ہی تسلیم کرلین تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اوپر کے اشعار مین تاج الدین ریزہ نے جو کچھ کہا ہو وہ اسکا محض ایک پیرایہ بیان ہے، یا نہین تو پھر ہم یہ گمان کرین کہ یہ قصیدہ تاج الدین ریزہ نے اس زمانہ مین کہا جب نظام الملک دہلی سے کہین باہر رہا ہو، اسلامک کلچر (جولائی ۱۹۳۰ء) کے مضمون نگار نے بھی تاج الدین ریزہ کے ایک قصیدہ کے حسب ذیل اشعار کی بنا پر لکھا ہے کہ وہ دہلی کے لیے اجنبی تھا۔

عندلیب آسا سرائے خسروانی می زنم ۔۔۔ خاصہ کاکنون روئے سخن سوئے بوستان آوردہ ام

پیل بالا زر فشاند بر پے اسپم فلک ۔۔۔ رخ چو سوئے حضرت شاہ جہان آوردہ ام

یہ اشعار اس قصیدہ سے لیے گئے ہین جو سلطان رکن الدین کے لیے کہا گیا تھا، فاضل مضمون نگار کا یہ بھی خیال ہے کہ تاج الدین ریزہ کا تعلق لاہور اور ملتان سے بھی نہین تھا، جو اس زمانہ مین اہل علم کے مرکز تھے، تو پھر آخر وہ کہان کا باشندہ تھا، جب یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ وہ ہندوستان ہی مین پیدا ہوا تو پھر اس کو کہین نہ کہین کا باشندہ ماننا ہی پڑے گا، ڈاکٹر اقبال حسین اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین تحریر کرتے ہین کہ تاج الدین ریزہ کے متعلق تمام تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ وہ دہلی مین پیدا ہوا اور یہیں تربیت پائی، جو اس زمانہ مین لاہور کے بجائے علم کا خاص مرکز بن گیا تھا، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے ڈاکٹر اقبال حسین کی اس کتاب پر جب اورینٹل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۸ء) میں ایک طویل ریویو لکھا تو ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر کسی قسم کی تنقید نہین کی،

لیکن انھون نے جب پروفیسر عبدالغنی کی کتاب "پری موغل پرشین ان ہندوستان" پر تبصرہ کیا تو تاج الدین کو دہلوی تسلیم کرنے سے انکار کردیا، (رسالہ اردو، جنوری ۱۹۴۳ء) مگر جب پروفیسر محمود شیرانی مرحوم اور ان کے ہمنوا اسلامک کلچر کے مضمون نگار دونون کا یہ خیال ہو کہ تاج الدین ریزہ کا خاندان شاہی دربار سے وابستہ رہا[1] جیسا کہ اس نے شہزادی رضیہ کے ایک قصیدہ مین کہا ہے،

بودے پدرم بمجلس تو ۔۔۔ یار سرہ و حریف محرم

تو پھر ہم کو عرفات العاشقین اور گل رعنا کی سند پر تاج الدین کو دہلوی ماننے مین بظاہر کوئی قباحت نہین معلوم ہوتی،

تاج الدین ریزہ سن شعور کو پہنچا تو سلطان شمس الدین التمش کے دامنِ دولت مین پناہ گزین ہوا، اور اپنی خداداد ذہانت اور شاعرانہ کمال کی بنا پر سلطان کی نظرون مین محبوب بنا رہا، تاج الدین ریزہ نے بھی اپنی ممنونیت کا اظہار سلطان کی شان مین قصائد لکھکر کیا ہے، ۶۲۶ھ مین سلطان التمش کو خلیفہ ابو جعفر منصور المستنصر نے اس کی حکومت کے استقلال و خودمختاری کو تسلیم کر کے خلعت بھیجا تو سلطان نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ خلعت لانے والے سفیر کا خیر مقدم کیا، تمام دار السلطنت کو آراستہ کیا گیا، شہر مین قبے بنائے گئے، شادیانے بجائے گئے، امرا کو خلعت دیے گئے، اور جب سلطان نے خلیفہ بغداد کا بھیجا ہوا خلعت پہنا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، تاج الدین ریزہ نے اس طرب و شادمانی کے موقع پر حسب ذیل قصیدۂ تہنیت لکھکر پیش کیا:

مژدہ عالم را ز عالم آفرین آوردہ اند ۔۔۔ زانکہ شہ را از خلیفہ آفرین آوردہ اند

ناصر الاسلام مستنصر[2] کہ طوقِ طاعتش ۔۔۔ ز آسمان در گردن اہل زمین آوردہ اند

جبہ افلاک را گرچہ سراسر دامنست ۔۔۔ ز آستین بوسش طراز آستین آوردہ اند

---

[1] دیکھو اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۸ء اور اسلامک کلچر جولائی ۱۹۴۰ء حیدرآباد دکن [2] مورخون نے خلیفۂ بغداد کا نام نہیں لکھا ہے لیکن ابو جعفر منصور المستنصر باللہ کا نام اسی قصیدہ سے واضح ہوتا ہے،

شادی عامست در شہر انکہ بہر شہریار — خلعت خاصِ امیر المومنین آوردہ اند

خلعتے یارب چگونہ چون عروس آراستہ — راست بر بالاے شاہ زاستین آوردہ اند

مرکبے کاندر روانی آب را ماند روان — تا مگر باد صبا را زیر زین آوردہ اند

قصہ کوتہ نہ براقست آنکہ بالش راشکال — از سر زلف دراز حور عین آوردہ اند

مرکبے زین سان مبارک خلعتے میمون چنین[1] — از برائے ظل یزدان شمس دین آوردہ اند

شاہ شمس الدین والدنیا آنکہ روز رزم و بزم — آفرین بروے زعالم آفرین آوردہ اند

حامی آفاق التتمش کہ عزم و حزم او — گرد بر گرد جہان حصن حصین آوردہ اند

تاج بخشِ خسروان صاحبقرانِ عہد آنکہ — بخت را با تخت میمونش قرین آوردہ اند

چتر لعلش راز بحر اخضر گردون نثار — از کواکب بیکران در ثمین آوردہ اند

ہم چو رائے پیر او نزدیک ارباب خرد — دیدۂ بخت جوانش دوربین آوردہ اند

طینت پاکش زآب خضر ہمچون کردہ اند — خاک رزم از خون خصمانش عجین آوردہ اند

دست در پیشانی شیران چو لرزد در وغا — سروران زین روے بر پائش جبین آوردہ اند

پیش درگاہش کمر فغفور و قیصر بستہ اند — بہر دربانش زر از جان نگین آوردہ اند

با یمینش بحر کے آید زدن لاف از یسار — چون یسار اہل عالم زان یمین آوردہ اند

نفع و ضر بدسگال و نیک خواہش را بہم — در سر زنبور زہر و انگبین آوردہ اند

بیضۂ ملک ترا از امن پنداری مگر — جاے زیر شہپر روح الامین آوردہ اند

راستی بر رائے بدخواہت چو صاحب خاتمی — در کژی مانند نقش از نگین آوردہ اند

---

[1] اس قصیدہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خلعت کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا، طبقات ناصری میں گھوڑے کا ذکر نہیں، البتہ اس میں یہ ہے کہ خلیفہ نے اس موقع پر سلطان کے علاوہ شہزادوں، امراء، خدام اور غلاموں کے لیے بھی خلعت بھیجے، (ص ۱۷۴)

یا چو مرغ زیرک آویزہ دید اندیشت زخلق | موے را بر گردنش حبل المتین آوردہ اند
نقرہ خنگ چرخ بازین دستا نوبتے آت | لاجرم داغ ہلالش بر سرین آوردہ اند
یا مثال ملک از طغرائے او زینت گرفت | نامۂ فتح تو حینا بعد حین آوردہ اند
تیر تو مرغیست کز بیمش عقاب فتنہ را | راست چون زاغ کمان گوشہ نشین آوردہ اند
صحن درگاہت بہ نزہت گلستانے شد کزو | خار خارے در دلِ خلد برین آوردہ اند
شہر را[1] از شش جہت در زر و زیور بستہ اند | قبہا سر بر سپہر ہفتمین آوردہ اند
چرخ را با آنکہ دارد قرص زرین در کنار | درمیان خوان جشنت ریزہ چین آوردہ اند
الطرب کز جنگ غم در پردۂ تقدیر حق | خصم را از زہ نواہائے حزین آوردہ اند
بر سماع خسروانی جام مے مینوش از انکہ | نیست مے کز کوثرت ماء معین آوردہ اند
وز بقائے جسم بے مثلث کہ روح دولتست | روح تو در جسم خلق عالمین آوردہ اند
تا ز نیکی و بدی در عالم کون و فساد | در دل احباب و اعدا مہر و کین آوردہ اند
خستہ ساز و خصم سوز و از دہ و کشورستان | زانکہ آئین جہانداری چنین آوردہ اند[2]

یہ طویل قصیدہ ہم نے اس لیے بھی نقل کیا ہے کہ تاج الدین ریزہ کی زبان دانی و شاعری کا اندازہ ہو، مذکورہ بالا قصیدہ کی زبان مین سلاست و شگفتگی، طرز ادا مین روانی و برجستگی ہے کہین آورد کا پتہ نہین، غیر ضروری تکلفات سے معانی و مطالب کو پیچیدہ نہین بنایا گیا ہے، عرفات العاشقین مین اسکے جو حسب ذیل اشعار منقول ہین ان سے بھی اسکے اسی قسم کے محاسن کا اندازہ ہوتا ہے،

---

[1] شہر کے آراستہ و پیراستہ کرنے کا ذکر تاج المآثر، طبقات ناصری، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ میں بھی ہے،

[2] یہ قصیدہ کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس لکھنو کے ص ۲۸۱ پر سے نقل کیا گیا ہے جو غلطی سے انوری کیطرف منسوب ہو گیا ہے یہ قصیدہ خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار از علی تقی الدین محمد الحسنی الکاشانی مین بھی ملے گا جو تاج الدین ریزہ ہی کی طرف سے منسوب ہے

چو زلف آن بہبین بر روئے جانان | کزو گردد پریشانی پریشان
بمہر و ماہ می خواہد کند جنگ | رخش پوشیدہ است از زلف خفتان
خوشا رنجا خوشا درد اخوشا عشق | کسے کو را نباشد نیست انسان
چو شمشیرش بخندد خصم گرید | بلے از برق بید اگشت باران
کند مہرش نبات النعش را جمع | کند قہرش ثریا را پریشان
ہر آنکو بر خلافش دم برآرد | نفس گردد بمغز اندرش پیکان
بود بے مدح تو تیغ معانی | چو محراق فقیران کند دندان[1]

تاج الدین کی شاعری کے ان ہی دو چار نمونون کو سامنے رکھ کر بعض تذکرہ نویسون نے لکھا ہے کہ اس کا کلام بہت سادہ اور سلیس ہوتا تھا، ڈاکٹر اقبال حسین بھی لکھتے ہین کہ اسکی زبان کی پاکیزگی و سلاست اور موسیقیت کے غیر معمولی امتزاج کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان مین تکلفات اور تصنعات کا رواج نہین ہونے پایا تھا لیکن آگے چلکر ہم اس کے جو مختلف قصائد پیش کرین گے، ان کو دیکھ کر اس رائے کو تسلیم کرنے مین کچھ تامل ہے،

تاج الدین ریزہ التتمش کی بزم مین ساتھ رہنے کے علاوہ اس کی معیت مین میدان رزم مین بھی رہتا تھا، ۶۳۹ھ مین التتمش گوالیار کی مہم پر گیا تو اس کے جلو مین تاج الدین ریزہ بھی تھا، اور جب گوالیار کا قلعہ ایک سال کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا تو تاج الدین ریزہ نے حسب ذیل رباعی کہی جس کو سلطان التتمش نے بہت پسند کیا، اور قلعہ کے پھاٹک پر اس کو کندہ کرادیا،

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت | از عون خدا و نصرت دین بگرفت

---

[1] عرفات العاشقین، قلمی نسخہ، خدابخش خان لائبریری، ورق ۱۶۰، و Early Persian Poets of India از ڈاکٹر اقبال حسین ص ۱۵۸-۱۵۷

آن قلعہ کالیور روان حصن حصین ... در ستماۃ سنۂ ثلثین بگرفت

یہ رباعی طبقات اکبری جلد اول (ص ۶۱-۶۰) میں اس بیان کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

"و ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر مملکت بود. در فتح قلعہ این رباعی گفت و بر سنگ دروازہ قلعہ کندہ اند"

یہی عبارت تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ منتخب التواریخ میں اس طرح درج ہے

"و در سنہ تسع و عشرین و ستمایہ (۶۲۹) قلعہ گوالیار بکشاد و ملک تاج الدین دبیر مملکت در فتح آن قلعہ این رباعی گفتہ و بر سنگ نقش کردہ اند" (جلد اول ص ۶۷)

طبقات اکبری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ تاج الدین ریزہ دبیر مملکت بھی تھا، لیکن منتخب التواریخ میں تاج الدین کے ساتھ ریزہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر اقبال حسین مولف "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" اور اورنٹیل کالج میگزین کے ایک مقالہ نگار نے ان مورخون کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تاج الدین ریزہ التمش کے عہد میں دبیر مملکت تھا لیکن اسلامک کلچر حیدرآباد دکن (جولائی سنہ ۴۸ء) کے ایک فاضل مقالہ نگار نے یہ بتایا ہے کہ تاج الدین ریزہ اور تاج الدین دبیر مملکت دو علحدہ علحدہ شخصیتین ہین، تاج الدین محض ایک شاعر تھا، جو ہاتھی کے پاؤن سے کچلوا کر مروا دیا گیا، اور تاج الدین دبیر مملکت ۶۳۴ھ مین التمش کی ایک فوجی مہم مین مارا گیا، اب مذکورۂ بالا رباعی تاج الدین دبیر مملکت کی ہے تو تاج الدین ریزہ کی نہین ہو سکتی، اور اگر تاج الدین ریزہ کی ہے تو اس کو دبیر مملکت لکھنا صحیح نہین، لیکن اس عاجز راقم کا خیال ہے کہ یہ رباعی تاج الدین ریزہ ہی کی ہے، جو التمش کے عہد مین دبیر مملکت تو نہیں تھا لیکن سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے عہد مین اس کا دبیر تھا، طبقات اکبری (جلد اول ص ۴۶) میں سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ذکر مین ہے،

"از جملہ ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر سلطان بود، قصیدہ طویل گذرانید بانعام

وصلہ معزز شد"

طبقات اکبری کے مؤلف نے تاج الدین کو التتمش کے عہد میں دبیر مملکت کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور سلطان رکن الدین فیروزشاہ کے دور میں اسی سلطان کا دبیر کہا ہے، طبقات اکبری کے اسی خلط ملط بیان کی وجہ سے ساری غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے، یہ تو ضرور ہے کہ تاج الدین ریزہ سلطان رکن الدین فیروزشاہ کا دبیر رہا ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

تاج الدین ریزہ کے قصائد سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی رسائی شہزادوں اور امرا کی بارگاہوں میں بھی تھی، اور وہ اس کی سخندانی اور سخن سنجی سے محظوظ ہونے کے لیے اپنے دربار میں بھی طلب کیا کرتے تھے، التتمش کے لڑکے غیاث الدین کی شان میں اُسنے دو قصیدے[1] پیش کیے، پہلا قصیدہ ملاحظہ ہو،

ساقی بیا کہ مے لعل روشن ست	میدان خاک تیرہ کنوں سبز گلشن ست
از تیغ آفتاب ہمہ جوشن غدیر	شد رخنہ چوں تراہوس تیغ وجوشن ست
ہر حبہ در خیال من از گل بہ بوستان	گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست

اس بہاریہ تشبیب کے اگلے اشعار میں رعایت لفظی کا بڑا خیال رکھا گیا ہے، مثلاً "سوری" کے معنی خوشی کے بھی ہیں، اور ایک پھول کا نام بھی ہے، خانۂ تن کے ساتھ "جائے تن تن" (یعنی ٹن ٹن کی جگہ) لایا گیا ہے، "قدیم" کے ساتھ "حدیث" اور سیر (بمعنی آسودہ) کے ساتھ یک سیر و یکمن"

[1] یہ قصیدے کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس میں ہیں، پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی دقت نظر سے کام لیکر تنقید شعر العجم میں یہ بتایا ہے کہ کلیات انوری میں تاج الدین ریزہ کے قصائد بھی خلط ملط ہوگئے ہیں، اور اس کلیات میں سے تاج الدین ریزہ کے دس قصیدوں کو ممیز کیا ہے (دیکھو تنقید شعر العجم ص ۲۶۰ - ۲۹۱ شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی) ہم نے اس حقیر تالیف میں تاج الدین ریزہ کے قصائد اسی کلیات انوری سے نقل کیے ہیں۔

(ہندوستانی وزن) بھی استعمال ہوا ہے، مطرا اور طرہ کی تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے،

سوری گرفت باغ ز دور فلک ولیک	قمری نگر کہ شیوۂ او باز شیون ست
شاخ درخت عود مطرا شد از صبا	زان بادہ کہ طرۂ گریوی چندن ست
در خانہ تن مزن کہ دستان عندلیب	در ہر بدشت و باغنچہ صد جائے تن ست
خیر از مے قدیم مرا سیر کن بہ طل	بگذار زین حدیث کہ یک سیر و یکمن ست

آخری شعر مین "یک سیر و یک من" ہندی الفاظ ہین، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ ان الفاظ سے انوری کا واقف ہونا مشکل ہے۔ اسی لیے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ یہ قصیدہ گو کلیات انوری کے نولکشور پریس اڈیشن مین شامل کر دیا گیا ہے، لیکن یہ انوری کے بجائے کسی ہندی نژاد شاعر یعنی تاج الدین ریزہ کا ہے آگے کے اشعار مین گریز ہے، پھر مدح شروع ہوتی ہے۔ قصیدہ کے اشعار یہ ہین

رود و دستگانی اعلی رغم دشمنان	کان دوست راکہ مے نخورد عقل دشمن ست
جانست بادہ در تن جامش رہا مکن	در جان من فرست کہ در خورد این تن ست
بھمنچہ گذشت بہارست گلفشان	بر خسروے کہ خاک درش تاج بھمن ست
چون گل بساز برگ چمن باز بہر آنکہ	بلبل بیاد مجلس عالی نوازن ست
عادل غیاث دین کہ بیک تن گروغا	از بہر قصد جان عدو تہمتن ست
فرمان دہ زمانہ محمد شہ آنکہ ملک	از رائے او چو روئے عروسان مزین ست
موشی سخن شہی کہ ز فرمان جاہ او	بہر خوان خاص و عام کنون سلوی و من ست

مذکورہ بالا اشعار سے اندازہ ہوگا کہ شاعر کے ممدوح کا نام غیاث الدین محمد شاہ ہے۔

کلیات انوری کے مطبوعہ نسخہ مین اس قصیدہ کو دیکھ کر پروفیسر محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ

"انوری کے عہد میں دو غیاث الدین گذرے ہیں، پہلا غیاث الدین محمد سلجوقی المتوفی ۵۵۴ھ، دوسرا غیاث الدین محمد غوری برادر معظم شہاب الدین غوری، لیکن میں ان دونوں سے اعراض کرکے التتمش کے فرزند غیاث الدین کے نام یہ قصیدہ مانتا ہوں" یہ رائے تسلیم کرلی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاج الدین ریزہ نے یہ قصیدہ غیاث الدین محمد شاہ[1] کی شان میں اس وقت کہا جب کہ وہ اودھ کا حاکم تھا[2]، اس لیے کہ قصیدہ میں ممدوح محض ایک شہزادہ کی حیثیت سے ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ وہ کہیں کا فرمانروا معلوم ہوتا ہے جس کی عدل پروری اور تیغ آزمائی کی تعریف کی گئی ہے،

افراسیابِ عہد کہ این عالم فراخ	بر دشمنانش تنگ تر از چاہ بیژن ست
عدلش گواہ ملکت و محبش	با آن گواہ عدل جہان را مبرہن ست
از حزم شہ بگلبن مشکین نگر از انکہ	با سیم و زر میان بیا بانش مسکن ست
در جائے ساخت در دلِ بدخواہ تیغ او	نشگفت از آنکہ جائے گہر سنگ و آہن ست
اے گروہ مومنان بجنابِ تو التجا	کان جانب از حوادث ایام مامن ست
شہباز دولتے و سلاطین کبوترت	وز طوق طاعتت ہمہ را زیب گردن ست
تا طعمۂ عقاب عنایت بود بہ زم	پرورد و ود شمن تو چو مرغ مسمّن ست
شمشیر تو ز خون عدو راند رود نیل	لیک آب نیل نیست در و آب روشن ست
زیر زمین ز بیم چو قارون فرو رود	گر در نبرد خصم تو باز و رفارن ست
ہر کس کہ سر کشد چو مدار ز ام حزم تو	بر سہ زدہ ہمہ چو حروف منون ست
در چاک جیب صبح چو بینی لون او	کز خون حاسدت فلک آلودہ دامن ست

[1] طبقات ناصری (ص ۱۸۳) میں غیاث الدین محمد شاہ کو رکن الدین فیروز شاہ سے چھوٹا بتایا گیا ہے، مو خر الذکر تخت دہلی پر بیٹھا، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا، جانشینی کی جنگ میں غیاث الدین محمد شاہ اپنے بھائی رکن الدین کے خلاف معرکہ آرا بھی ہوا لیکن فتح رکن الدین ہی کی ہوئی،

از اعتماد عدل تو در راہ کہکشان   بارے بہ بین ماہ کہ او را چہ خرمن ست

ایوان تو چو منزل کیوانست بنگر این   شعرے کہ بر صحیفۂ شعریٰ مدون ست

ہر ذرہ بہر گفت و شنود و ثنائے تو   دہ گوش و دہ زبان چو بنفشہ ست سوسن ست

سوسن سخن نگفت گر از رشک من چہ شد   من بندۂ تو ام نہ ہر آزادہ چون من ست

ہر فن کہ بندہ را تو در ان امتحان کنی   پنداری از کمال مگر ہم درین فن ست

گر از دعا بسوے دعایت روم روا ست   کان مرز آز مودۂ ہر مرد و ہر زن ست

پایندہ باد سایۂ تو بر جہانیان   کز آفتاب رائے تو آفاق روشن ست

اگر یہ قصیدہ واقعی ریزہ کا ہے تو اس کا رنگ اس قصیدہ سے کچھ جدا ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اس میں لفظی صنعت گری، تلمیحات، مضمون آفرینی، ترکیب، بندش اور طرز ادا میں انوری کی پوری جھلک ہے، اتفاق سے انوری کا بھی ایک قصیدہ اسی قافیہ اور ردیف میں ہے، جس کی تشبیب ملاحظہ ہو۔

اے ترک اے بیار کہ عید است و بہمن ست   ہنگام بادہ خوردن و شادی بر زن ست

ایام خز و خرگہ گرم ست، ازین سبب   خرگاہ آسمان ہمہ در خز ادکن ست

خامی مدار خرمن آتش ز دود و عود   قادر چمن ز بیضۂ کافور خرمن ست

آن عہد نیست این کہ ز الوان گل چمن   گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست

سلطان دے بہ لشکر صرصر جہان بکند   بینی کہ چو صرصر وے چون جہان کن ست

در خفیہ گر نہ عزم خروج ست باغ را   چون آبگیر ہمہ پر تیغ و جوشن ست

نفس بناتی ار بہ غریب خانہ باز شد   عیبش مکن کہ مادر بستان سترون ست

باد صبا کہ فحل نبات نبات بود   مردم گیاہ شد کہ نہ مرد ست و نہ زن ست

از جوشِ نشو، ویک نما تا فرو نشست　　　از دودِ تیره بر سرِ گیتی تهمتن(؟) ست[1]

انوری اور ریزہ کے مذکورۂ بالا قصائد ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہین، ان دونون کے ایک شعر کا دوسرا مصرع تو بالکل یکسان ہی ہے،

انوری	ریزہ
آن عہد نیست این کہ ز الوان گل چمن گوئی کہ کارگاہِ حریرِ ملوّن ست	ہر جزو در خیال من از گل بہ بوستان گوئی کہ کارگاہ حریرِ ملون ست

اب ریزہ کے اس شعر کے دوسرے مصرع کو یا تو توارد یا سرقہ کہا جا سکتا ہے یا یہ کہ کاتب نے غلطی سے دونون کے مصرعون کو خلط ملط کر دیا ہے، اگر واقعی خلط ملط ہو گیا ہے تو ریزہ تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے انوری کے طرز کا خوب چربہ اتارا ہے، ممکن ہے کہ اور شعراء کی طرح اس نے بھی انوری کے رنگ مین قصیدہ کہہ کر اپنی طباعی اور زبان آوری کا ثبوت دینے کی کوشش کی ہو۔

تاج الدین ریزہ کا ایک اور قصیدہ بھی غیاث الدین محمد کی شان مین ہے، اس مین وہ تکلف اور دقت آفرینی نہین جو مذکورۂ بالا قصیدہ میں ہے، یہ قصیدہ بھی ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، ان طویل قصیدون کو نقل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تاج الدین ریزہ کا گم شدہ اور منتشر کلام اکٹھا ہو جائے، گو ان قصیدون سے مفید تاریخی معلومات حاصل نہیں ہوتے، عام قصیدہ نگارون کی طرح تاج الدین ریزہ کے قصائد مین بھی محض غلو اور لفاظی ہے لیکن یہ مبالغہ آمیز مداحی کسی خوشامد یا تملق کی دلیل نہ تھی، اس زمانہ مین عام طور سے شعراء کے سامنے

---

[1] یہ اشعار تنقید شعر العجم (ص ۲۷۳-۲۷۲) سے نقل کیے گیے ہین، میرے پیش نظر قصائد انوری کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے، لیکن یہ قصیدہ اس مین نہین ہے،

قصیدہ ہی کا میدان تھا، اور اسی سرزمین مین وہ اپنے جوش طبیعت کی جولانیان دکھاتے تھے، اور ان جولانیون کے دکھانے مین آسمان و زمین کے قلابے ملایا کرتے تھے، ان سے مراد ممدوح کی چاپلوسی نہین ہوتی تھی، بلکہ اس زمانہ کے مذاق کے مطابق زورِ طبع اور شاعرانہ کمال کا اظہار ہوتا تھا، جس سے شاعر کی عزت و توقیر بڑھتی تھی، تاج الدین ریزہ اپنے ممدوح سلطان رکن الدین کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

روئے بر خاک درت کان کحل چشم اخترست | بہر آب روے نہ از بہر نان آوردہ ام
چشم می دارم کہ یابم آبروے از دولتت | چو بیان خلق جودت رالمعان آوردہ ام

اس لیے قصیدہ نگارون کی مبالغہ آرائی کوئی عیب نہین، بلکہ ان کے لیے مایہ ناز ہے، بعض شعراء خصوصاً متاخرین نے تو مبالغہ کو اس قدر ترقی دی کہ اس سے زیادہ وہم و خیال مین بھی نہیں آسکتا، اور یہ مستقل ایک فن بن گیا، چنانچہ ایسے لوگون کی بھی مدح کی جاتی جو اس کے مطلق مستحق نہ ہوتے، لیکن ان کے اوصاف بھی بیان کرنے مین قصیدہ نگار اپنا پورا زور صرف کردیتے، مادح اور ممدوح دونون سمجھتے تھے کہ مدح مین جو خیالات ادا کیے جاتے ہین، ان کا تعلق حقیقت سے نہین بلکہ محض تفریح اور فن شاعری سے ہے، تاج الدین ریزہ کی مداحی کو بھی اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے، گو اس کے قصیدے مین وہ غلو نہین جو بعد کے شعرا مین پیدا ہوا، ہان تو وہ قصیدہ ملاحظہ ہو، اس کی تشبیب میں تو ایک غزل ہی کہدی گئی ہے جس مین صنائع و بدائع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، مثلاً "مرغزار" اور "مرغ زار" مین تجنیس تام ہے، خسروانی بلبل اور شیرین لقا، تلمیح کے ساتھ لائے گئے ہین، "عرض اور عارض"، "قمر"، "مقامیر" اور "قمار" مین شبہ اشتقاق ہے، "نو بادۂ حیات" اور "بادہ کہن"، "جہان کہن" اور "نو بہار گل" "دماغ خشک" اور "غزل تر" مین صنعت تضاد ہے۔

افزود باز رونق ہر مرغ زار گل | چون زیر یافت نالۂ ہر مرغ زار گل

در راہ خسروانی بلبل بزن ازانکہ | شیرین لقا نمود ز ہر مرغ زار گل

چون گشت از نسیم سحر گرد عبیر یار | ہیچ از گلاب گر نگرفت اعتبار گل

تا بار سیم بر کف آرد بر دن کشید | از غنچہ دست برند زر خالص عیار گل

چون عرض کرد عارض کافور دام خویش | افگندہ چین برابروے مشک تتار گل

تا شد قمر مقامیر گل بر بساط لطف | دست ندب بہر دو ز غو و قمار گل

در موسمی کہ مست طرب شد جہان چنانکہ | جز حزم شد ندید دگر ہوشیار گل

لہ عرفات العاشقین کے مؤلف تقی اوحدی اور صاحب مجمع الفصحا رضا قلی خان نے اس قصیدہ کو تاج الدین ریزہ ہی کی طرف منسوب کیا ہی لیکن ڈاکٹر اقبال حسین اپنے مقالہ Early Persian Poets of India میں لکھتے ہیں "تقی اوحدی اور رضا قلی خان نے غلطی سے انوری کے بعض قصائد کو تاج الدین ہی کی طرف منسوب کر دیا ہے، دونون اپنے تذکرون میں ایک قصیدہ نقل کرتے ہین جس کو تاج الدین کا قصیدہ بتاتے ہیں، اس کا مطلع یہ ہے،

افزود باز رونق ہر مرغ زار گل | چون زیر یافت نالۂ ہر مرغ زار گل

یہ قصیدہ انوری کا ہے جو اس کے دیوان میں موجود ہی (دیوان انوری ص ۲۶۲-۲۶۳) اس غلطی سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تاج الدین اور انوری کے اشعار اپنے اوزان، انداز بیان اور طرز ادا میں انوری ہی اس قدر مشابہ ہین کہ تقی اوحدی اور رضا قلی خان جیسے صاحب نظر تذکرہ نویسون کو بھی ایک دوسرے کے اشعار کو ممیز کرنے مین دھوکا ہوگیا، یہ تاج الدین کے شاعرانہ محاسن کی دلیل ہی"۔ ان سطور کو قلمبند کرتے وقت ڈاکٹر اقبال حسین کی نظر محمود شیرانی مرحوم کے اس مضمون پر نہیں پڑی جو انھون نے اپریل ۱۹۲۴ء کے رسالہ اردو میں لکھا تھا، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کلیات انوری میں آٹھ دس قصیدے تاج الدین ریزہ کے ہین، محمود شیرانی مرحوم نے ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب پر ریویو کرتے ہوئے بھی ان کی اس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے (اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۲۸ء ص ۶۹-۶۸)

براعتماد دولت بیدار شہریار | باسیم وزر بجفت بدست آشکار گل
نوبادۂ حیات شمر بادۂ کہن | کافشاند بر جہان کہن نوبہار گل
پژمردہ چو بنفشہ چہ باشی بنوش مے | کامسال تازہ کرد بن راچو پار گل
آن لالہ گون مے کہ خیابانش چو بشگفد | بشگفت اگر بجان طلبد زینہار گل
زان مے دماغ خشک مرامایہ دہ نخست | پس بر سماع این غزل تر بیار گل

اس غزل کے بعد بھی ایک مختصر سی تشبیب ہے، جس کے بعد مدح شروع ہوتی ہے لیکن اس مدح مین کوئی خاص بات نہین، نہ اور قصیدون کی طرح سلاست ہے، نہ صفائی، نہ حسن بندش اور نہ قوت تخیل کی دلفریبی، البتہ گریز مین کچھ دلآویزی ضرور ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا سارا زور تشبیب کی غزل ہی مین صرف ہوکر رہ گیا ہے،

کاے ناشگفتہ چون تو درین روزگار گل | مانند من زعشق تو در خار خار گل
از استماع شرح مقامات حسن تو | قانون عمر خویش کند اختصار گل
تاآفتاب تافتہ مانند زغم چو من | زین پیش زیر سایۂ سنبل مدار گل
از رخ نقاب شعر براند از تا زرشک | پیراہن حریر کند تار تار گل
در گردن تو تا نشود چون گل زمین | بشنو سخن منہ زپس گوشوار گل
تا نیلگون چو وسمہ شود گل زغرتت | بر دست و پاے خود زحنا زنگار گل
بر چشم من گذار قدم از رہ کرم | زیرا کہ درخور است دریں جو ئبار گل
نوروز ے دگر چہ نداری براے شاہ | باری چو من زگلشن خاطر بیار گل
زیرا کہ از شگوفہ پروین ملائکہ | آرند پیش تخت شہ تاجدار گل
عادل غیاث دیں کہ حقیقت زخلق او ست | نزدیک زیرکان جہان مستعار گل

جمشید روزگار محمد شه آنکه کرد | بر ذات او خدای ز دولت شعار گل
شاهی که در حمایت شمشیر تیز او | از هیچ تند باد نشد خاکسار گل
با غیبت معرکه ز خار سنانِ او | در یک نفس شگفت ز نصرت هزار گل
ابریست دست او که ز فیضِ سخاوتش | بر داد امید را ز یمین و یسار گل
شاها به پیش رائ تو خورشید نور بخش | بی آب شد چنانکه ز تاثیر نار گل
سازنده نیست خصم ترا مملکت چنانکه | اهل زکام را نبود سازدار گل
در رزم تو که خون عدو کف کند چو بحر | کوهی که هست ریخته پر لاله زار گل
از بس بخار خون که رود سوی آسمان | در چشم آفتاب کند زان بخار گل
پیکان برگ بید تو بر خاک افگند | از شاخ عمر خصم نیاورده بار گل
دشمن ز حملهٔ تو شود بی قرار از انکه | با صرصر خزان نه پذیرد قرار گل
بر کار کرد خنجر نیلوفری تو | افشاند آن زمان ز ظفر کردگار گل
باد از غبار جنگ تو سوی چمن برد | گیرد مزاج عنبر تر زان غبار گل
عیسی دما مرا ز گلستانِ مدحِ تو | می شد برای تقویت دل بکار گل
در ذوق ناطقه چو شکر بود لفظ من | از مدحتِ تو باشکرم گشت بار گل
گر من ردیف شعر خود از گل نکردمی | هرگز سخن بری بنکردی شعار گل
نی نی اگر ز مدح تو عزت نیافتی | بودی چو خار سوخته همواره خوار گل
بر جادهٔ دعا قدمی می نهم کنون | شاید که دست باز کند چون چنار گل
بشمار سال خویش در اقبال آن قدر | کارد زمانه باز پریشان شمار گل
گل ریز کن بموسم نوروز تا کند | بر نرگس فلک ز اسپیت افتخار گل

گہ جام را دہن بلب جوئے بوسہ زن   گہ درمیان سبزہ کش اندر کنار گل

اگر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی قیاس آرائی صحیح تسلیم کرلی جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاج الدین ریزہ نے ایک قصیدہ سلطان شمس الدین التمش کی لڑکی شہزادی رضیہ کی خدمت مین گذرانا جس کا مطلع یہ تھا،

اے فخر ہمہ نژاد آدم   وی سیدۂ زمانِ عالم

یہ قصیدہ کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس مین درج ہے۔ کلیات انوری مین اس قصیدہ کو دیکھ کر پروفیسر محمود شیرانی نے انوری کے حالات قلمبند کرتے وقت، شروع میں یہ لکھا ہے کہ اوحدالدین انوری کا باپ محمد ایک شہزادی کریمۃ النساء رضیۃ الدین کی سرکار مین ایک قابل اعتماد منصب پر سرفراز تھا، سرکار شعراء کی قدردان تھی۔ انوری اپنے باپ کی وفات کے بعد اسی سرکار مین توسل قائم کرنا چاہتا تھا، اسی لیے مذکورۂ بالا قصیدہ لکھا، لیکن انوری کے حالات وشاعری پر تبصرہ ختم کرکے "کلیات انوری طبع نولکشور" کی ایک علیحدہ سرخی قائم کی ہے، اور اس کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ "مین ایک مدت تک اس قصیدہ کو سلطان رضیۃ الدین بنت سلطان شمش الدین التمش کی مدح مین مانتا رہا لیکن انوری کے ایک قلمی کلیات مین جس سے گذشتہ بالا الحاقی قصائد ترک کردیے گئے ہیں، یہ قصیدہ داخل ہے، اس شہادت کی بنا پر مین اپنے نظریہ سے دست کش ہوگیا ہون، اگرچہ مطمئن نہیں ہون"، دارالمصنفین کے کتب خانہ مین بھی قصائد انوری کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس میں بھی یہ قصیدہ موجود ہے لیکن قصیدہ کی سرخی "درمدح صفوت الدین مریم گوید" ہے۔ معلوم نہین صفوت الدین مریم سے کون خاتون مراد ہے، پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی مذکورۂ بالا رائے رسالہ اردو (اپریل ۱۹۲۴ء) مین ظاہر کی تھی، لیکن ان کا شبہہ کچھ یقین کے درجہ پر ۱۹۳۸ء مین پہنچ گیا جب کہ انھون نے

ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب Early Persian poets of India پر ریویو کرتے ہوئے اورنیٹل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۰ء) میں لکھا کہ تاج الدین ریزہ نے ایک اور قصیدہ غالباً شہزادی رضیہ سلطانہ کی شان میں لکھا ہے، جب التتمش زندہ ہے،" اسلامک کلچر (جولائی ۱۹۴۰ء) کے ایک مضمون نگار نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ قصیدہ رضیہ بنت سلطان شمس الدین التتمش ہی کی شان میں کہا گیا ہے، اس مشتبہ قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

اے فخر ہمہ نژاد آدم — وی سیدۂ زنانِ عالم
روح القدس از پے تفاخر — مہر تو نہادہ مہر خاتم
سلطانت کریمۃ النسا خواند — شد ذات شریف تو مکرم
راضی ز تو اے رضیۃ الدین — حق قادر و ذو الجلال اکرم

جن اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قصیدہ کی مخاطب کسی بادشاہ کی لڑکی ہے، یہ ہیں

اقبال تو برفزونست ہر روز — از دولت خسرو معظم
آن پادشہے کہ خسروان را — از ہیبت او فرو شود دم

اسی قصیدہ کے کچھ اور اشعار سن لیں،

در خدمت طالع تو دارد — سعد فلکی دو دست بر ہم
بر خستگی نیاز مندان — پیوستہ ز لطف تست مرہم
اعدائے ترا زہ گریبان — طوقیست بشکل ما را رقم
ار جو کہ رہے شود بمدحت — ہر اغلب ما وجان مقدم
بادات بقاے عزو اقبال — بیش از رقم حروف معجم
ماہ رمضان خجستہ بادت — تا پیش صفر بود محرم

ان ہی قوافی مین ظہیر فاریابی کا بھی ایک قصیدہ ہے جو اس نے ملک نصرۃ الدین کی مدح میں کہا تھا۔ اس کے بھی دو چار اشعار ملاحظہ ہوں:

اے حکم تو چوں قضائے مبرم — در زیر نگین گرفتہ عالم

تاریخ اساس بادشاہیت — بر فطرت آسمان مقدم

ہر جا کہ زدی بہ عنف زخمے — لطف تو بر نہاد مرہم

عفو سخطت مزاج زنبور — آمیختہ بالعاب ارقم

با گوہر پاکت از خجالت — بر خاک نشستہ آب زمزم

اگر پہلا قصیدہ انوری کا تسلیم کر لیا جائے تو یہ بہت ممکن ہے کہ ظہیر نے انوری کی تقلید میں اپنا قصیدہ کہا ہو، کیونکہ پروفیسر شیرانی کا بھی بیان ہے کہ ظہیر کے قصائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہیر انوری کا مقلد ہے، اور انوری کے جواب مین اس نے چند قصائد بھی لکھے ہیں، گو ان میں کوئی ترقی نہین دکھائی ہے[1]، اور اگر پہلا قصیدہ انوری کے بجائے تاج الدین ریزہ ہی کا تصور کر لیا جائے تو پھر بھی کہا جا سکتا ہے کہ ریزہ نے ظہیر فاریابی کی تقلید مین یہ قصیدہ کہہ کر اپنا استادانہ رنگ دکھلانے کی کوشش کی ہے، اس نے ایک اور قصیدہ ظہیر کے طرز پر کہا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا، اب اگر یہ قصیدہ تاج الدین ریزہ ہی کا ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا باپ رضیہ کی سرکار مین کسی معزز منصب پر مامور تھا، کیونکہ وہ کہتا ہے

بودے پدرم بمجلس تو — یار سرہ و حریف محرم

تاج الدین ریزہ کی شاعری کے نغمے، التتمش کے وزیر نظام الملک قوام الدین محمد جنیدی کے دربار مین بھی سنے گئے، جو اپنے تدبر، علم و فضل کے علاوہ علم دوستی اور علم پروری کے لیے بھی اس عہد مین امتیازی حیثیت رکھتا تھا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ اسکا دربار بھی علماء، فضلا اور شعراء سے

[1] تنقید شعر العجم ص ۲۶۶

سے مزین رہا، شعرا اس کی شان مین بھی قصیدے کہہ کر اس کے جود و کرم سے فیضیاب ہوتے تھے، معلوم نہین تاج الدین ریزہ نے اس کی تعریف و توصیف مین کتنے قصیدے کہے تھے لیکن ہم کو اس کے صرف دو تین قصائد ملے ہین، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، ان قصیدون کے متعلق یہ بتانا مشکل ہے کہ ان مین سے پہلے کون سا قصیدہ کہا گیا ہے اسی لیے ہم ترتیب زمانی کا خیال کیے بغیر یہان پر ان کا ذکر کرتے ہین، ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

بیدلان را روئے تو آئینۂ جان آمدہ است　　　　ور لب و دندان تو لولو و مرجان آمدہ است

یہ ایک طویل قصیدہ ہے جس مین ۵۳ اشعار ہین، خاقانی کے بھی دو طویل قصیدے اسی قافیہ مین ہین، گو ردیف کچھ مختلف ہے لیکن بحر ایک ہی ہے، ایک کا مطلع یہ ہے،

صبح خیزان بین بصدر کعبہ مہمان آمدہ　　　　جان عالم دیدہ و در عالم جان آمدہ

گو معنوی حیثیت سے خاقانی اور تاج الدین ریزہ کے قصیدون مین کوئی موازنہ نہین ہوسکتا لیکن ممکن ہے کہ خاقانی کے ان ہی قصیدون سے متاثر ہو کر تاج الدین ریزہ نے یہ قصیدہ لکھکر اپنے زور طبع کا اظہار کیا ہو،

تاج الدین ریزہ کا یہ قصیدہ الفاظ کی فصاحت، ترتیب اور تناسب اور ساتھ ہی ساتھ خیالات و تشبیہات کی لطافت کے لحاظ سے ایک اعلیٰ معیار کا قصیدہ کہا جا سکتا ہے، اس کو اپنے اس قصیدہ کی خوبیوں، خصوصاً اس کی زبان کا غالباً خود ہی احساس ہے، چنانچہ اسی قصیدہ مین کہتا ہے،

مولد و منشا ہمین ور خاک ہندوستان مرا　　　　نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

قصیدہ میں رنگینی کے ساتھ موسیقیت بھی ہے، اور گو بعض وسیع خیالات چند الفاظ ہی مین پیش کیے گئے ہیں، لیکن اس سے اثر اور بلند آہنگی مین فرق نہین آنے پایا ہے، اب پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

بیدلان را روئے تو آئینہ جان آمدہ است | وز لب و دندان تو لولو و مرجان آمدہ است
چون نسیم زلف تو بوبیند گویند از فرح | مژدہ اے گیہان کہ بار امژدۂ جان آمدہ است
گرچہ خوان حسن روئے تست بہر ملح را | زان لب شکر فشان بر وے نمکدان آمدہ است
از گل رخسار تو اے خار عشقت سینہ را | خار خار در دل گلہائے بستان آمدہ است
صوفی سرمست سیارات یعنی مشرقی | بہر تو چون زہرۂ مطرب غزل خوان آمدہ است
زادۂ خورشید درتابست از رخسار تو | تا چرا زلفت بران گلگون بجولان آمدہ است
روئے تو ماہ است و دل از مہر خاک کوئے تو | ہمچو عکس مہر و مہ در آب لرزان آمدہ است
عارض من زمان زمانی باز آبی گون شد | تا لب لعل تو چون یاقوت درمان آمدہ است
خون دل بر خاک می افشانم از دولاب چشم | تا مرا سودائے آن چاہ زنخدان آمدہ است
گرد زلف راز نخدان تو سر گردان چو گوے | گرچہ گردان حال گوے از خم چوگان آمدہ است
کلبۂ دل ست معمور فلک را طعنہ زد | تا خیالت اندران ویرانہ مہمان آمدہ است
بے خیالت گنج بود و گرد گنج آنجا مقام | زانکہ مسکن گنج را در کنج ویران آمدہ است
بے قد چون تیر تو پشت خم کمان تمثال کرد | چون کمان وقت کشاد تیر نالان آمدہ است
جزع من از عشق لعلت بر رخ بے جادہ زنگ | چون سر کلک وزیر شہ درفشان آمدہ است
آصف ثانی نظام الملک دستور جہان | کز کمال کامگاری چون سلیمان آمدہ است
صاحب عالم قوام الدین محمد کز شرف | چون محمد زبدۂ ترکیب ارکان آمدہ است
ہم انیس خدمتش گشت است دولت چون انس | ہم سلامت لازم صدرش چو سلمان آمدہ است

اس کے بعد نظام الملک قوام الدین کی عقل و دانش اور تدبر و سیاست کی تعریف ایک خاص پیرایہ میں کی گئی ہے،

قطرۂ از جام نقلش حصۂ قطران رسید | لقمۂ از خوان عقلش قسم لقمان آمدہ است
فقہ دولت اندر الفاظ کلامش مضمر است | گوئی آن الفاظ را اعجاز قرآن آمدہ است

نظام الملک بڑا صاحبِ علم بھی تھا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، ریزہ اس کے خط و انشا کی تعریف یوں کہتا ہے،

مرغ کلکش را گذر بر بحر ظلمت می فتد | لاجرم منقار او بر آب حیوان آمدہ است
تا رقاع مکرمت گشت از خط ثلثش روان | ربع مسکون جہانش زیر فرمان آمدہ است

اس کے بعد اس کے خلق کی تعریف ایک اچھوتے انداز میں کی ہے۔

تا نسیم عنبر افشانی کہ خلق خواجہ راست | از علامانش یکے در باغ ریحان آمدہ است

پھر اس کی سپہگری اور دشمنوں پر فتح و کامرانی اور ہنر پروری کا ذکر کیا ہے

پیش چشم ہمت عالیش از روئے قیاس | ہیئت چرخ سدا بے چون سپندان آمدہ است
از تنِ دشمن بزخم تیغ گوہر دار را | خاک ہیجا غیرت لعل بدخشان آمدہ است
گرچہ رمحش مار ہیجان است لیکن از بیم آن | دشمنش بر خویشتن چون مار پیچان آمدہ است
ابر نصرت خوان کمانش را کہ از تاثیر آن | روز و شب بر فرق دشمن تیر باران آمدہ است
عرصۂ دل دشمنان را تنگ و تاریکیست لیک | تیر او بے راہبر آنجا چہ پیکان آمدہ است
صاحبا آن شہ نشانی کز دبیر آسمان | نام تو بر نامۂ اقبال عنوان آمدہ است
گوہر آل جنیدی وز کرامت ہائے تو | مالک دنیا رشند ہر کو سخندان آمدہ است
ہر کہ سر بر خاک ایوانت نہد از روئے قد | پایش از تحت الثری بر اوج کیوان آمدہ است
وانکہ سر بر داشت از پائے تو دور دو لتش | چون سر گیسوئے مہ رویان بپایان آمدہ است
تا تراکر دند گرد سر بپائے خویشتن | در مزاج خلقت افلاک دوران آمدہ است

چون فشاند دامنِ پر نور بر چرخ آفتاب | گر نہ بار آئی سیرت ہم گریبان آمدہ است
دشمنت از غایت سروے کہ در افعال اوست | پوستیہا را فراخور چون زمستان آمدہ است
با نواے پیمانۂ عمر حسود ت پر شدہ | باز گویم چرخ را با من چہ پیمان آمدہ است
تا مخالف گشت بخت ساز وارم کار من | راست چون زلف نگارستان پریشان آمدہ است
شکل طالع سعد و عالم نحس شکل حالتست | تا مگر نہب کواکب جملہ بہتان آمدہ است
سالہا شد بندہ را گر لطف ہر آزادۂ | در حریم این ممالک حصہ حرمان آمدہ است
خان و مان بگذاشتہ بر سمت شہرے رفتہ کو | از علو قدر شاہش چون قدرخان آمدہ است

اس کے بعد نظام الملک کے جود و کرم کی مدح و ستائش ہے بعض اشعار سے شاعر کے کچھ ذاتی حالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھائیوں کا ستایا ہوا تھا، اسی لیے نظام الملک کے دامن میں آکر پناہ لینا چاہتا ہے، اسی سلسلہ مین اپنی نظم و نثر کی خوبی و فضیلت کا بھی اظہار کرتا ہے، شاید اس لیے کہ اس کے ممدوح کی ہنر پروری کا جذبہ اچھی طرح بیدار ہو، اور آخر مین ممدوح کے لیے دعائیں کر کے قصیدہ ختم کر دیتا ہے۔

خوان جودش زیر چرخ کاسہ شکل آراستست | این ثنا خوان بے نصیب از جور اخوان آمدہ است
یوسف احسان چو در چاہ جفا محبوس شد | بندہ چون یعقوب سوے بیتِ احزان آمدہ است
کشتی نوح ست درگاہت چہ باک آید مرا | گر ز بیدادی بر اہل فضل طوفان آمدہ است
قسم دونانست گر یکجا دونان بینی بچشم | گوش دار این نکتہ کز دانائے یونان آمدہ است
کاین گردان روئے گردون بنجو دے حاسدم | نے ستم برمن ازین گردون گردان آمدہ است
از کمال خود مراد حاسدم را وزن کن | تا بمیزان ہنر سوئے کہ نقصان آمدہ است
مولد و منشا مبین در خاک ہندوستان مرا | نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

تا چو نعل نقرہ خنگ است چرم زرین ہلال | ہر مہی بر صحن این فیروزہ میدان آمد است
ماہ ایوان تو تابان باد از اوج ظفر | کز فروغش نور بر خورشید تابان آمد است
باد چون لالہ ز خون خصم تیغت سرخ رو | کز تو سرسبزی اہل شرح عمان آمد است
عمر نزحت باد و شغلت فارغ از طوفان عزل | گرچہ اخلاق ترا اخلاق کنعان آمد است
رغم بد خواہان نکو باد بعون کار من | گرچہ نیکی و بدی از حکم یزدان آمد است

عرفات العاشقین کے مولف نے بھی تاج الدین ریزہ کے ایک ایسے قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں، جو اس نے نظام الملک کے لیے کہا تھا، ان اشعار کی زبان بھی سادہ، شگفتہ اور ساتھ ہی ساتھ رنگین بھی ہے، ملاحظہ ہو،

اے صاحبے کہ چون اثر رحمت خدائے | باران جود تو بزمین و زمن رسد
بر خاک آستان تو چون بگذرد صبا | اندر مشام چرخ نسیم سمن رسد
در فصل نوبہار ز تاثیر دست تست | ہر سر عدو ہمہ تیغ بمن رسد
گرچہ فرشتہ روے داز تاب خشم تست | ہر شعلہ کز فلک بہ سوئے اہرمن رسد
از فر رائے روشن گیتی فروز تست | اندر تیرگی ہر انچہ بروئے سمن رسد
موسی صفت مشیرے و ہارون صفت وزیرے | زان قوم را ز سعی تو سلوی و من رسد
سیم سخن بمدح تو سنجیدہ جو بہ جو | لیکن زر از ترا ز وجودت بمن رسد[1]

نظام الملک کی مدح میں ایک اور قصیدہ بھی تاج الدین ریزہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کو ابھی ہم نقل کریں گے، لیکن اس کی زبان کچھ مختلف یعنی مشکل اور مغلق ہے، اگر یہ قصیدہ ریزہ ہی کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی یہ عمومی رائے کہ تاج الدین ریزہ

[1] عرفات العاشقین ورق ۱۶۱ - ۱۶۰

(بقیہ)

کے قصائد کی زبان مین سلاست اور سادگی ہے[۱]، نظر ثانی کے قابل ہے، اس کے اور قصیدے سلیس اور سادے ضرور ہیں لیکن اس قصیدہ مین اس نے ایک مختلف رنگ اختیار کرکے اپنے علم وکمال کا اظہار کرنے کی زیادہ کوشش کی ہے، اس قصیدہ مین شان علمیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے قوافی بہت ہی سنگلاخ اور دشوار ہیں، اور شاید ان قوافی مین تاج الدین ریزہ نے قصیدہ کہہ کر اپنی جودت طبع کا اس لیے بھی اظہار کیا ہے کہ ابوالفرج رونی اور انوری کا بھی ایک ایک قصیدہ ان ہی قوافی مین ہے، گو ردیف مختلف ہے، ناظرین کی ضیافت کے لیے ہم ابوالفرج رونی کے قصائد کے بعض اشعار یہان پر نقل کرتے ہین۔

بحرے کہ میغ رزق بجودش مطیر گشت   صدرے کہ سطح ملک برایش ممہد است

ہر فضلۂ زعزمش رخشے است بادپائے   ہر وعلہ ز حزمش درعی فزردست

شمشیرہائے ظلم شیاطین روزگار   یک یک زبیم ذرۂ عدلش مغمد است[۲]

انوری کے قصیدہ کے بھی دو شعر ملاحظہ ہوں۔

تیغ فلک ز تیغ تو اندر نیام باد   تا بر فلک مجرہ چو تیغ مہند است

چشم بد از تو دور کہ در روزگار تو   چشم بلا د فتنۂ ایام ارمد است

ان ہی مشکل قوافی مین تاج الدین ریزہ کا پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

صبح خیز انکہ وصف آن خط وخد کردہ اند   در رہ فکرت نوشتن جید بجد کردہ اند

بہر حل دعقد پاک معنے ولفظ جان فزائے   خون دل صد بار محلول ومقصد کردہ اند

نہ آتش اندیشہ خود را ہند وآسا سوختند   آن جوانمردان کہ نعمت ترک امرد کردہ اند

تا بدل کاری نفس بعت مشکین نقاب   روح را بر صحن کافوری مجسد کردہ اند

---

[۱] اورنٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۸ء [۲] دیوان استاد ابوالفرج رونی مرتبہ پروفیسر چایکین ص ۳۰۔

شعر باد است و چو اعجاز سلیمانِ نبی
سحر مطلق بین که بادے را مقید کرده اند

پس برسم من بر اطلاق کهن از نظم تو
عهد یاران قدیمے را مجدد کرده اند

نیستم از ایشان و هستم بر تو شید اکز ازل
قصر عشقت در دلِ ویران مشید کرده اند

اے بلا شورے که گوییت کربلائے دیگر است
کز شهیدانت در و هر جائے مشهد کرده اند

نرگسِ بستان حسن آن چشم خوب آلوده است
از چه روان چشم پر خونم مشهد کرده اند

روئے و موئے تست از بهر نبرد عاشقان
خنجر و درعیکه مصقول و مزرّد کرده اند

زان صلیب زلف کافر از فشانی دیده اند
مومنانِ صلیب نام خویش مرتد کرده اند

دان نبات رسته گرد چشمهٔ حیوان تو
بهر نفس ناطقه شاخِ طبرزد کرده اند

بازده جانان دلم بند یه این بند سره
زانکه در سودا ازین سان قلب را رد کرده اند

قامتت را اگر الف خوانم بران مقصود نیست
نیز محمد و دست کابروے تو چون مد کرده اند

هم بمعبود یکه جایش نیست لیکن کعبه را
خانهٔ او خوانده و محراب معبد کرده اند

گرچه در تکبیر و کرش را مثنے گفته اند
لیکن از تنزیه صفتش را موحد کرده اند

لاله و شمشاد را مشاطگان صنع او
با رخ زیبا و با زلف مجعد کرده اند

هفت مینا خانه بر شمع منیر اختران
در سر شش روز از دور مصعد کرده اند

کز کمر شمشیر جوزا گو هر مدحت نثار
بر سر کلک قوام الدین محمد کرده اند

قاصدے را که انتظام حال می جوید چه سود
راه درگاه نظام الملک مقصد کرده اند

آن سلیمان قدر را صف را که زبس منزلت
خانهٔ دیوانش چون صرح ممرد کرده اند

ظل ممدود است حالے در پناهش خلق را
در بهشت خانه از وعدهٔ طلح منضد کرده اند

خسروانرا گوش از لطفش مقرط داده اند
سرورانرا گردن از لطفش مقلد کرده اند

در مشام روح می آید ز خاکِ درگهش | روح آن عطر یکه نامش عنبرو ند کرده اند
صورت اقبال زان ذات یگانه تا ابد | فرق نتوان کرد کایشان را دو فرقد کرده اند
در مقامے کز بخار خون دود از گرد نبرد | چشم مینائے سپہر از کحل ارمد کرده اند
جان سپارانش بدان خارستان آید از | خاک از خون دل مردان مورد کرده اند
رایتش را از برائے نصرت انصار حق | دائما تائید یزدانی موید کرده اند
دین تازی را ز بیم ترکتاز چینیان | چون حریم ایمن بدان تیغ مهند کرده اند
ہر کرا نزتیتش از فعل عناصر آمده است | در سواران سپاهش اسم مفرد کرده اند
دشمنش مطرود و نازیباست از سر تا بپائے | لیک در ہیجا سرش رازیب مطرد کرده اند
صاحبا از سهم اقلام تو تیغ فتنه را | در اقالیم جهان مغلول و مغمد کرده اند
گر کسے لازم کند بر خود خلاف امر تو | قول او را اہل این دوران مردود کرده اند
رخ دہد رائے تو بر تخت ضیا بخشے رواست | شاه انجم را که چارم چرخ مسند کرده اند
عدل و احسانِ ترا جائیکه افتاد اجتماع | ظلم و فقر آنجا طریق خویش مسند کرده اند
گر قلم پیش تو از اخبار برمک رانده اند | پیش قرآن یاد کردن لوح ابجد کرده اند
از برائے دفع کید خصم بر روزیت را | عهد شادی با تو ہر روزے موکد کرده اند
بیشک از الفاظ من یک نکتهٔ مدح ترا | اہل معنے در ازائے صد مجلد کرده اند
شعر من بر صفحهٔ شعرے مدون کرده اند | نثر من بر جبهه نثره مجلد کرده اند
عرض می دارم بعرفان تو بر شاہان نظم | این عروسی کز دل داناش مرقد کرده اند
گر قبول افتد از اقبالت قدر باشد رواست | بیشتر زین رشے ابیات امرد کرده اند
تا برین فیروزه جامه سبز پوشان ہر سحر | خط ابیض را جدا از خط اسود کرده اند

تا ابد دولت طراز جامۂ عمر تو باد — کانتظام ملک از جابت موتد کردہ اند

چون جراد منتشر با دبعزت آن گروہ — کاصل ایمان ازپے قولے مجد دکردہ اند

مذکورۂ بالا قصیدہ میں تاج الدین ریزہ نے ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ایک اعلیٰ قسم کے نثر نگار ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

شعر من بر صفحۂ شعرے مدون کردہ اند — نثر من بر جبہ نثرہ مجلد کردہ اند

(نام ستارہ) (نام ستارہ)

اسی قسم کا دعویٰ اس نے ایک اور قصیدہ میں بھی کیا ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

مولد و منشا مین درخاک ہندوستان مرا — نظم و نثرم بین کر برآب خراسان آمدہ است

اس کی نثر نگاری کا نمونہ تو کہیں نہیں مل سکا لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے اس کو شاعر کے ساتھ فاضلِ کامل بھی لکھا ہے، مثلاً عرفات العاشقین میں ہے:

"از صنادید قدمار و افاضل حکما ست۔"

لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا میں لکھا ہے:

"تاج الدین از فضلاء و شعراء ہندوستان است۔"

تحفۃ الکرام کے مؤلف کا بیان ہے کہ

"فاضل کامل و شاعر نامی است۔"

یہ بیانات اس بات کے ثبوت میں ہیں کہ تاج الدین ریزہ کی اعلیٰ نثر نگاری کا دعویٰ محض شاعرانہ تعلی نہیں، بلکہ واقعہ ہے۔

اس شاعر کا ذکر سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے سلسلہ میں بھی آئے گا۔

بہاء الدین علی

التتمش کے امراء میں بہاء الدین علی کا بھی شمار اہل علم اور اہل ذوق میں ہوتا تھا، عوفی نے اس کا ذکر لباب الالباب میں کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "صدر" کے عہدہ پر

ممتاز تھا، عوفی نے اس کا لقب اور نام الصدر الاجل مجد الملک بہاء الدولۃ والدین علی بن احمد الجامجی لکھا ہے، اس کے باپ کا بھی ذکر ایک مستقل عنوان کے ساتھ کیا ہے، اور اس کو صاحب الکبیر علاء الملک ملک الامراء ضیاء الدولۃ والدین والوزراء ابوبکر احمد امجاجی رحمۃ اللہ علیہ کے لقب اور اعزاز سے یاد کرتا ہے، ابوبکر احمد امجاجی پہلے دہلی مین تھا، پھر اسفزار چلا گیا، جہان وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، وہ علماء و فضلاء کا بڑا قدردان تھا، اور ان کے ساتھ اس کی فیاضی کی انتہا نہ تھی، عوفی لکھتا ہے:۔

"ہمگی ہمت او تربیت فضلاء و تقویت علماء و دستگیری افتادگان و پامردی آزادگان بود، و در نوبت امارت در دہلی انچہ از بذل واحسان او کرد، تاریخ روزگار گشت و کرم حاتم و معن زایدہ و آل برمک را یک ساعۃ بذل او منسوخ گردانید" (لباب الالباب ج ا ص ۱۱۱)

عوفی نے ابوبکر احمد امجاجی کی سخن سنجی کے نمونے بھی درج کیے ہین، اسی اہل ذوق کا فرزند ارجمند بہاء الدین علی تھا جس نے عوفی کے بیان کے مطابق جاجنگر کو کل ڈیڑھ سو سوارون کے دستہ کے ساتھ فتح کیا، حالانکہ اس کے دشمنون کی صف مین ایک لاکھ سوار، دس لاکھ پیادے اور ۰۰، ہاتھی تھے، لیکن بعض اسباب کی بنا پر بہاء الدین علی قید مین ڈالدیا گیا، ۶۱۲ھ مین التمش نے تاج الدین یلدز پر غلبہ حاصل کیا، تو بہاء الدین نے اس فتح کی تقریب مین التمش کی خدمت مین یہ رباعی گذرانی،

چون ملکِ تو شد یکے بصد بخش مرا | امید تو حق نکرد در دبخش مرا
ہرچند شفاعتم کسے می نکند | شکرانۂ این فتح بخود بخش مرا

التمش نے یہ رباعی سنی تو خوش ہو کر بہاء الدین کو آزاد کر کے ایک خلعت عنایت کیا، اس کے بعد وہ بداؤن کا امیر داد مقرر ہوا، عوفی اس کے بعد اس کے مختلف فتوحات کا ذکر کرتا ہے، عوفی کے بیان کے مطابق بہاء الدین علی آخر مین ناصر الدین قباچہ کے

کے ساتھ اظہار وفاداری کر کے اس کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے، یہاں پر ہم کو اس کی سیاسی زندگی سے مطلب نہیں، بلکہ اس کے شعر و شاعری کا ذکر کرنا ہے، وہ جہاں بھی رہا، شعرا کی سرپرستی کرتا رہا، اور شعرا اس کے جود و کرم سے متمتع ہونے کے لیے اسکی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے،

ایک شاعر حمید تھند زی اس وقت اس کے دربار میں آیا جبکہ اس کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اور اس کا خزانہ خالی ہو چکا تھا، چنانچہ تھند زی اس کی فیاضی سے سیراب نہ ہو سکا، پھر بھی وہ مایوس نہ ہوا، ایک روز بہاء الدین علی کو مست و مخمور دیکھا تو یہ رباعی پیش کی،

اے قاعدۂ دست تو زر بخشیدن — چه زر که بگنجها گهر بخشیدن

روزے صد راه چو آب گرد در خورشید — از شرم کف دست تو در بخشیدن

بہاء الدین علی نے بھی اسکے جواب میں فی البدیہہ یہ رباعی کہی،

زین پیش زما بود اگر بخشیدن — هر بیتے را خایهٔ زر بخشیدن

اکنون چو دل و خزینه برگشت و تهی — ما ئیم و زبان و کبر فر بخشیدن[۱]

---

[۱] لباب الالباب ج اول ص ۱۱۱-۱۱۳، عوفی نے بہاء الدین علی کی دو رباعیاں اور نقل کی ہیں، ایک روز اس کے تین حسین و جمیل ترکی غلام شکار سے واپس آرہے تھے، تو ان کو دیکھ کر یہ رباعی کہی،

میران ز شکارگه چنان می آیند — چو ماه دو هفته هر سه بس رعنا یند

رخشان رخ شان بروز چونانکه بشب — گوئی که نگین کمر جوزا ایند

بنارس کا راجا اور امیر حاجب ابوبکر مبشر اس کے دشمن ہو گئے تھے، تو اس نے قطب الدین ایبک کے حضور میں یہ رباعی لکھ کر پیش کی،

پیش کار تو اے مبارک ایام — وے مقبل روزگار شادی فرجام

میسند که رانا و مبشر باشند — کز تیغ تو صد رانا مبشر نام

فخر مدبر سلطان التتمش کی شاہانہ فیاضیون سے متمتع ہونے کے لیے اس عہد کا، ممتاز اہل علم اور اہل قلم مبارک شاہ فخر مدبر نے اپنی کتاب آداب الحرب والشجاعۃ اس کے نام پر معنون کی، اس کا ذکر ہم قطب الدین ایبک کے سلسلہ مین کر چکے ہین، اس کی یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، جنگ کے آئین وضوابط پر ہے، جس مین سلاطین و وزراء کے فرائض سے لے کر گھوڑوں کی شناخت، ان کی بیماری اور علاج کا ذکر، ہر قسم کے اسلحہ، لشکر کی خصوصیات، عرض لشکر، لشکر کی نقل وحرکت، فوجی کیمپ کے آئین، میدان جنگ کے طریقے، اس میں فوجون کی صف آرائی، مقابلہ، مبارزت، جنگ حصار کے قواعد، فتح وظفر کے آداب، جزیہ، خراج، فوجون کی خطا وسزا، ان کے حقوق اور ان کی ورزش وغیرہ کی تفصیلات ہین، جہان فن کی اصطلاحات کثرت سے استعمال ہوئی ہیں، وہاں تو اس کتاب کی عبارت مشکل ضرور ہو گئی ہے، ورنہ عام طور سے پیرایۂ بیان دلچسپ ہے، اور یہ دلچسپی تاریخوں، قصوں اور حکایتوں سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے،[۱] ہندوستان مین فارسی زبان مین اس نوعیت کی کتاب شاید کوئی اور نہین لکھی گئی۔

مؤید جاجرمی اس عہد کے ایک اور اہل قلم مؤید جاجرمی نے امام غزالی کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا فارسی مین ترجمہ کیا، اور اس کو سلطان التتمش کے نام معنون کیا، اس ترجمہ کا ایک قدیم نسخہ جناب محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور کے ذاتی کتبخانہ میں ہے۔[۱]

گذشتہ اوراق سے اندازہ ہوا ہو گا کہ معارف نواز اور علم پرور التتمش کے دربار مین مشائخ، علماء، فضلاء، اور شعراء کی وجہ سے بڑی رونق رہی، مورخین التتمش کی سیاسی عظمت کے معترف ہین اور اس کا شمار تخت دہلی کے کامیاب ترین حکمرانون مین ہوتا ہے، لیکن اس نے اپنی سیاسی سرگرمیون

---

[۱] یہ کتاب ابتک شائع نہ ہو سکی ہے، اس کے کچھ حصے اورنٹیل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۸ء، مئی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئے ہیں، پروفیسر محمود شیرانی نے اگست ۱۹۳۹ء کے اورنٹیل کالج میگزین میں اس کتاب پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔[۲] رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۸ء ص ۹

کے باوجود علم و فضل کی بھی پوری قدر دانی کی، اور علم و ادب کے ارباب کمال ۔۔۔ جو اس کی زرپاشیان ہوئین وہ آگے چل کر نظیر بن گئیں۔ طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج سراج اس کے جود وسخا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگرچہ سلطان کریم قطب الدین علیہ الرحمہ بخشش لک در زمان خود ظاہر می کرد اما سلطان سعید کریم شمس الدین طاب ثراہ بعوض ہر یک لک صد لک بخشید"

ایسے حاتم وقت کے دور حکومت مین علم و ادب کی جو ترقی شروع ہوئی تو وہ آئندہ برابر بڑھتی ہی گئی،

رکن الدین فیروز شاہ

سنہ ۶۳۳ - ۶۳۴ھ
۱۲۳۶ء

سلطان التتمش کی وفات پر اس کی اولاد مین خانہ جنگی ہوئی، لیکن اس کا منجھلا لڑکا رکن الدین حریفون پر غالب آیا، اور تخت پر رکن الدین فیروز شاہ کا لقب اختیار کر کے بیٹھا، گو اس کی حکومت کل سات مہینے تک رہی، لیکن تخت نشینی کے موقع پر حسب روایات تمام شاہانہ مراسم ادا کیے گئے، شعراء نے قصیدے پیش کیے، جن مین تاج الدین ریزہ بھی تھا، اس نے ایک طویل قصیدہ پیش کیا جس کے صرف حسب ذیل دو اشعار فرشتہ[۱] اور ملا عبد القادر بدایونی نے نقل کیے ہین،

مبارک باد ملک جاودانی ملک را خاصہ در عہد جوانی

یمین الدولہ رکن الدین کہ آمد درش از یمن چون رکن یمانی

افسوس ہے کہ یہ پورا قصیدہ کہین نظر سے نہین گذرا، ان دو اشعار کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس چھوٹی بحر کے دونون اشعار مین شعریت بھی ہے اور موسیقیت بھی، سلطان نے اس قصیدہ

---

[۱] فرشتہ نے ان اشعار کو نقل کرتے وقت شاعر کا نام ملک تاج الدین ریزہ دبیر لکھا ہے، اور ملا عبد القادر نے ملک تاج الدین و دبیر تحریر کیا ہے، منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم رین کنگ نے اپنے ترجمہ میں یہ بتایا ہے کہ ایک نسخہ مین تاج الدین و دبیر کے بجائے تاج الدین دبیر ہے، اس لیے مترجم نے دبیر سے مراد سلطان رکن الدین کا سکریٹری لیا ہے۔

کو پسند کیا، اور اپنے مادح کو انعام واکرام سے سرفراز کیا، فرشتہ میں ہے :-

"ملک تاج الدین ریزہ دبیر قصیدہ طویل گذرانیدہ، انعام پادشاہانہ یافت"۔ (ج ۱ ص ۶۶)

دوسرے شعراء نے بھی جلوس شاہی کے موقع پر کافی انعامات حاصل کیے، فرشتہ رکن الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے :

"روز سہ شنبہ ثلث و ثلثین وستمایہ برتخت دہلی جلوس فرمود وارکان دولت نثار وایثار بعمل آوردہ شعراء قصائد وغزل در مدح تہنیت اوگفتند و بصلات وانعام نوازش یافتند" (ج ۱ ص ۶۷)

مورخین نے رکن الدین فیروز شاہ کی رندی وسرمستی کا ذکر زیادہ کیا ہے، لیکن ان باتوں سے قطع نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فطری طور پر شعر وسخن کا قدردان تھا، ممکن ہے اس کے علمی وادبی ذوق کا نشو ونما ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک اشعری کی صحبت میں ہوا ہو، جو اس کے ساتھ بدایوں کی اقطاع داری کے زمانہ میں اس کا وزیر بن کر رہا[1]، وزیر عین الملک کا ذکر ہم ناصر الدین قباچہ کے سلسلہ میں کر چکے ہیں، شعراء کے ساتھ سلطان رکن الدین کی شیفتگی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ تاج الدین ریزہ نے اس کی مختصر سی حکومت کے زمانے میں اس کی شان میں کئی قصیدے کہے، اور مولانا شہاب الدین مہمرہ نے بھی جنھوں نے زیادہ تر حمد اور نعت کہی ہے، اس کی مدح میں قصیدہ کہنا کوئی عار نہ سمجھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان رکن الدین کے مزاج میں سب سے زیادہ درخور تاج الدین ریزہ ہی کو حاصل تھا، اور وہ بات بات پر اس کی خدمت میں قصیدہ پیش کرتا تھا : درخور ..... کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سلطان کا دبیر (یعنی سکریٹری) تھا، سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ذکر میں طبقات اکبری کے مؤلف کا بیان ہے :

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۸۲

"ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر سلطان بود ...." (جلد اول ص ۶۴)

قصائد ریزہ | یہاں پر ہم اس کے چار قصیدون کا ذکر کرتے ہیں۔

مندرجۂ ذیل قصیدہ مین اس نے تشبیب مین ایک پوری غزل ہی لکھ دی ہے، اور اس بہاریہ تشبیب مین وہ بلبل کی طرح نغمہ سرا ہے، شاید اس کی اسی قسم کی نغمہ سرائی سے متاثر ہو کر لچھمی نراین شفیق نے اس کے اشعار کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ یہ دور از کار تشبیہات سے خالی ہوتے ہیں۔

یہ رائے اس کے ہر قصیدہ پر صادق نہین آتی، جہان اس نے ابو الفرج رونی، انوری، اور خاقانی کی تقلید مین قصائد کہنے کی کوشش کی ہے، وہان اس نے دور از کار استعارات و تشبیہات سے بھی کام لیا ہے، البتہ ذیل کے قصیدہ مین اس نے تشبیہ بعید کے بجائے تشبیہ قریب ہی سے اپنے کلام میں اثر، جوش، رنگینی اور بلند آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے،

این راستی کہ در دل لیل و نہار یافت	مانا کہ ز اعتدال مزاج بہار یافت
با روزگار کج روش این طبع معتدل	از راستی معدلت روزگار یافت
از دست شاہ ابر تو سرمایۂ گرفت	اطراف خاک ازان گہر آبدار یافت
در موسمی کہ از گل زرد و سپید باغ	سیم قراضہ و زر کامل عیار یافت
جانم نوای باربدی کاصل خوشدلیست	بر شاخسار بار ز الحان سار یافت
بدرید پیرہن گل سوری و نوحہ کرد	بلبل بنفشہ را چو ز غم سوگوار یافت
از ترکتاز باد صبا گشت روشنم	کین خاک تیرہ نافۂ مشک تتار یافت
نرگس نشد گر از جام ابر مست	چشمش سراسر از چہ نشان خمار یافت
مانند بندہ سوسن آزادہ دہ زبان	بہر ستایش ملک کامگار یافت
آن مشتری لقا کہ در انشاد این غزل	رادی بزم او نظر زہرہ بار یافت

چشمم ز روی خوب تو چون لاله زار یافت — جانم ز تو چو حالِ گل و لاله زار یافت

تو ماه گل رخی و ز سودای تو چو من — ماهی در آب سینه پر از خار خار یافت

راهیست عشق تو که دل شور بخت من — آنجا قطار بختی غم بر قطار یافت

باشد خیال قد تو در چشم من مقیم — زیرا که سرو تازگی از جویبار یافت

پر شد دلم ز خونِ جگر چون انار لیک — پیوسته دستم از تو تهی چون چنار یافت

پیش از هزار بار در خواب زد خیال — تا در سرای وصلِ تو یک بار بار یافت

با دام تو بخونِ دلم سعی کرد و لیک — از لطف پستهٔ تو بجان زینهار یافت

با زلف تو خوش است سرم زانکه بوی مشک — از خاکپای شاه جهان یادگار یافت

ماحی کفر حامی اسلام رکنِ دین — کایام دشمن مملکتش استوار یافت

فیروز شاه که فیروزه گون سپهر — هموارہ بر سبیل مرادش مدار یافت

آن خسروی که ز آتش شمشیر آبدار — چون باد خصم را بو غا خاکسار یافت

اختر ز گرد موکب او کحل چشم یافت — گردون ز نعلِ مرکب او گوشوار یافت

از نیزهٔ چو مار و سیاه چو مور او — ایام خان و مان عدو تار یافت

اسفندوار شد دل بدخواه سوخته — زین غم که شاه قوت اسفندیار یافت

بر لبت دستِ او که نهالِ امید خلق — در بوستان دل ز نمش برگ و بار یافت

بر قیمت تیغ او که سنانش بروز حرب — بر فرق خصم بدگهر الماس بار یافت

بازیست تیر او که به منقار آهنین — در رزم جان شیردلان را شکار یافت

ای شاه تاج بخش که بر تختِ مملکت — گیتی ترا عروسِ ظفر در کنار یافت

اندیشه در سواحل دریاے جاه تو — بسیار غوطه خورد و لے کم گذار یافت

در خواب دیدہ خصم تو خود را بلندی	تعبیر آن بدیدۂ بیدار و داریافت
شاہا جوان پیر چو بخت جوانِ نو	زیب و فر از عنایت پروردگار یافت
اکنون مئے طلب کہ دل آب حیات ملا	در عالم حقیقت از آن مستعار یافت
بہر عروس مدح تو چرخ زبرجدے	از نظم بندہ عقد در شاہوار یافت
فخر است از ثنائے تو ام گرچہ کلکِ من	دیر است کز نوشتن اشعار عار یافت
شد در دمن ز غایت اخلاص مدح تو	زین شیوہ عقل فاتحۂ روزگار یافت
از حکم تو گریز مبادا زمانہ را	زیرا زمانہ حکم ترا حق گزار یافت
از طلعت تو دیدۂ عالم قریر باد	کز خنجر تو عرصۂ عالم قرار یافت

تاج الدین ریزہ نے فیروز شاہ کی شان مین ایک قصیدہ اُس بحر، قافیہ اور ردیف میں کہا ہے، جس مین ظہیر فاریابی نے صدر جہان شرف الملک تاج الدین کے لیے ایک مدح کہی تھی، تھوڑی سی طوالت ضرور ہوگی لیکن ناظرین پہلے ظہیر فاریابی کے اس قصیدہ کے چند اشعار پر ایک نظر ڈال لین:

شاہا در تو قبلۂ شاہان عالم ست	گردون ترا مسخر و گیتی مسلّم ست
ہم چشم مہر و ماہ بروے تو روشن ست	ہم جان جن و انس بیاد تو خرم ست
ہرگز نزاید از تو گرانمایہ تر گہر	زان آب و گل کہ مایۂ ترکیب آدم ست
بنمود خنجر تو در احیاے ملک و دین	آن خاصیت کہ در دم عیسیٰ مریم ست
از دین مصطفےٰ رمقے ماندہ بود و بس	امروز زندہ کردۂ شاہ معظّم ست
صد کاسہ انگبین ز یک ذرہ بس بود	زان تلخی کہ در بن دندان ارقم ست[1]

[1] منقول از قصائد ظہیر فاریابی، نولکشور پریس۔ ص ۱۰۲ - ۱۰۱

ظہیر کے پیشرو انوری نے بھی اپنے ممدوح عماد الدین فیروز شاہ فاتح بلخ کی مدح میں اس بحر، قافیہ اور ردیف میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ اس کے بھی دو چار اشعار ناظرین ملاحظہ فرمائیں:

کز ورائے پنج گردون وہ یکے زان خاصیت	مشتری را در صدوسی کز عمامہ معلم است
تاکہ از دوران دایم درخم سقف فلک	آن سعادت باد کش ہنبرم بران این خم است
می ندانم گفت خورم باد عیدت کو چرا	زانکہ خرد عید دیہ گیتی از وجودت خورم است
رایت عمر تو بر بام بقا بادا گذر	طرۂ شب نیزہ و فوج زمان را پرچم است[1]

یہ قافیہ، ردیف اور بحر قصیدہ نگاروں میں غالباً بہت مقبول اور مرغوب تھی، اس لیے تاج الدین ریزہ نے بھی اس میں قصیدہ کہکر اپنی جولانی طبع کا ثبوت دیا ہے، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انوری اور ظہیر فاریابی کے تتبع میں پورے طور پر کامیاب ہوا ہے، لیکن یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس کو الفاظ کی بندش میں، ترکیب میں اور خیال آرائی میں ان دونوں استاذۂ فن کے کلام سے بڑی مدد ملی ہے، اب اس کا پورا قصیدہ ملاحظہ ہو،

ساقی بیار بادہ کہ نوروز عالم است	روز خجستہ چون رخ شاہ معظم است
در جسم خاک تعبیہ کردہ است باد روح	گوئی کہ باد چون دم عیسی مریم است
شد مشک بوئے صحن چمن از دم صبا	آرے در اصل مشک چو خون سنگ ریم است
قوت گرفتہ نامیہ از نم عجب مدار	زیرا کہ طفل نامیہ را شیر از نم است
جام جہان نمائے شمر مخف لالہ را	کاطراف بوستان زخوشی مجلس جم است
در نوبت چنین کہ قدوم ربیع را	در دو زبان خلق ہمہ خیر مقدم است
بر خستگان پنجۂ زخم سمن بران	در چار سوئے یاسمن تازہ مرہم است

[1] منقول از قصائد انوری، قلمی، مملوکہ دار المصنفین اعظم گڈھ۔

گر ظلم چرخ نیست بر آزادگان چرا ‏ — ‏ هم سرو پائے بسته و هم سوسن ابکم است
(گنگ)

از فصل گل چو موسم سور است باغ را ‏ — ‏ آخر چرا بنفشه نشسته بماتم است

بگذار این حدیث درین باب دم مزن ‏ — ‏ کین فصل وقت رطل شراب دمادم است

آن لعل مے ز خاک سیه در ده و بگوی ‏ — ‏ کین ست آن کس ست کز نسل ادهم است

مے اشک چشم دختر تاک است یا مگر ‏ — ‏ خون پسر چکیده ز شمشیر رستم است

ماه است جام باده که در دورش مدام باد ‏ — ‏ در ماه نیست از چه خطابش محرم است

هنگام خرمی ست نه از اعتدال طبع ‏ — ‏ از عدل شاه عرصهٔ آفاق خرم است

فیروز شاه کعبهٔ اقبال رکن دین ‏ — ‏ کز خاکپائے او اثر آب زمزم است

شاه فرشته خوی که نامش زمانه را ‏ — ‏ از بهر دفع دیو ستم حرز اعظم است

نالنده نیست هیچ در ایام عدل او ‏ — ‏ در نیز هست پردهٔ زیر است یا بم است

گفتم زمانه را که زمین زیر حکم اوست ‏ — ‏ گفتا بر او چه جائے زمین آسمان هم است

بر پیل و اسپ نوبتے بارگاه او ‏ — ‏ از مهر آئینه است و زمه طاس و پرچم است

در زیر طوق طاعت او سر آسمان ‏ — ‏ گردون نهاده راست چو کلب معلم است
(سگ تعلیم یافته)

اندر حریم پردهٔ دوشیزگان غیب ‏ — ‏ رایش ز راستی گه و بے گاه محرم است

کار جهان بواسطهٔ تیغ گوهرش ‏ — ‏ پیوسته مثل عقد ثریا منظم است

زخم زبان نیزه خطیش روز جنگ ‏ — ‏ در کام بدسگال چو دندان ارقم است

اے خسروے که قاعدهٔ کبریائے تو ‏ — ‏ چونانکه قصر پوشش افلاک محکم است

در پیش خدمت تو چو ابروے دلبران ‏ — ‏ پشت ملوک روے زمین جمله در خم است

چون از نسیم باد سر زلف نیکوان ‏ — ‏ بدخواه خاکسار ز بیم تو در هم است

اندر ہوائے جود ہمائی است ہمتت | کش آشیانہ برتر ازین سبز طارم است
بحر و کف تو ہر دو زیک جنس آمدند | زان روئے بحر در کف راد تو مدغم است
از رشک چتر لعل تو در تاب می شود | خورشید کو نگینہ فیروزہ خاتم است
قدرت بر اختران چو بر فعت جدل زند | گوبند جملہ مجلس عالی مسلّم است
نزدیک من زغایت اخلاص مدح تو | چون فاختہ ہمیشہ عزیز و مکرم است
خواہم کہ بیشتر سپرم راہ بندگی | با آنکہ التفات تو سوی رہے کم است
تو شاد زی مقیم کہ از فر دولتت | قسم حسود تست اگر در جہان کم است
فرمان تو چو آب روان باد در جہان | تا جرم خاک را شرف از نسلِ آدم است

تاج الدین ریزہ نے ایک منظوم فریاد بھی اپنے ممدوح سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت مین پیش کی، اس کو پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے ساتھ ناخوشگوار رویہ اختیار کر رکھا تھا، اور شاید اس کو زدوکوب بھی کیا تھا، گو وہ خود کہتا ہے کہ اس کی طبیعت مین نرمی، شائستگی اور مٹھاس ہے، پھر بھی کوئی اس کا دشمن ہوگیا، اسی کی فریاد لیکر سلطان کے دربار مین حاضر ہوا تھا، اور غصہ میں کہتا ہے کہ اگر سلطان نے اس کی فریاد نہیں سنی تو وہ بغداد جاکر امیرالمومنین کے حضور میں شکایت کرے گا۔ اور اپنے آنسوؤں سے ایک نیا دجلہ جاری کرے گا۔ اگر اس کی شنوائی وہان بھی نہ ہوئی تو خانہ کعبہ جاکر اور پردۂ کعبہ پکڑ کر گریہ وزاری کرے گا، لیکن پھر خود ہی کہتا ہے کہ یہان وہان جانے کی ضرورت ہی نہ ہوگی، کیونکہ سلطان رکن الدین والدنیا خود ہی عدل پرور ہے، اس قصیدہ مین شاعر کے غیظ کے ساتھ کچھ شوخی بھی ہے، اس سے پہلے یہ کہا جاچکا ہے کہ اس کو سلطان کے مزاج مین بڑا درخور حاصل تھا، یہ فریاد ذیل میں درج کی جاتی ہے،

بفریاد آمدم این جا بفریاد | مگر شاہ جہان دادم دہد داد

ز دست آن سگ روباه دستان — که شیطان سیرتست و آدمی زاد

چه گویم آنچه من دیدم ازان جنس — جز اینها دیدهٔ دشمن مبیناد

مرا کز لطف طبعم در محافل — بشاگردے چو من نازاید استاد

عروس بکر معنے را زمانه — ز من شایسته ناورد داماد

شکر چینند ز الفاظ و خط من — هر آن نوشین لبے کاید ز نوشاد

چو بر بستر فتادم مشتری گفت — که یارب این عطارد راه افتاد

چرا باید که چوب هر خسیسم — سر و تن بشکند چون زلف شمشاد

اگر دادے نیابم این ستم را — روم زین خاک خون آشام برباد

ز آب چشم امیرالمومنین را — نمایم دجلهٔ دیگر به بغداد

از و این ظلم را انصاف خواهم — اگر او هم نخواهد داد او داد

روم در پرده کعبه زنم چنگ — کنم چون زیر و بم زاری و فریاد

ولے دانم بدین حاجت نباشد — که هم عادل شہے داریم و هم راد

شود این محنت و رنجم فراموش — اگر شاه جهان آرد ز من یاد

مدار عدل رکن الدین و دنیا — که ملک از وی گرفت احکام بنیاد

ز شست سلکش در چشم گردون — چو مهر و مه سپر هفتاد و هشتاد

زہے شیر افگنی کز بیم تیغت — چو روباہے شود گرگین ز میلاد

برائے بندگیت آورده در خم — سلاطین قامتے چون سرو آزاد

بدور دولتت مستان خرابند — وگر عالم سراسر هست آباد

اگر گوهر نماند بهر بخشش — بر آرے گوهر از شمشیر فولاد

اگر خاکِ درت چون زعفران نیست | چرا لبہا کند خندان و دل شاد
حسودت را چو گل بر داشت گیتی | و لیک از ریحِ تو خارش بنہاد
بآن در خسروے تا بر زبانہا | سخن از عشق شیرین ست و فرہاد
ولایت ہر غلام کمترت را | ز محمود و ز سنجر بیشتر باد

سلطان رکن الدین کی تعریف و توصیف مین تاج الدین ریزہ کا ایک اور طویل قصیدہ ہے، جس پر اس کو فخر و ناز تھا، کیونکہ اسی قصیدہ میں کہتا ہے،

ساکنان خاک را زین پس نباشد خشک سال | چو من از اشعار تر آبِ روان آوردہ ام
گوہر منظوم را بیقدر کردند چو سنگ | ہر دُرِ منثور کز بحر بیان آوردہ ام

اپنے کلام کی فصاحت اور شیرینی پر تعلّی کرتا ہے،

طوطی نضلم فصیحانِ عرب در رشکِ من | زین شکر باری کہ در ہندوستان آوردہ ام

پھر دربار کے تمام شعراء کو تحدی کرتا ہوا کہتا ہے کہ کوئی اس کے ٹکر کا شعر نہین کہہ سکتا،

خسروا شیرین سخن بسیار دیدم بر درت | نقش شادر وزی بدین کاغذ ازان آوردہ ام
تا کنند ایشان مگر زین گونہ بیتے را بہ بیت | این قصیدہ بر سبیل امتحان آوردہ ام

شاعر کے اس پندار و غرور کے بعد اس کا یہ طویل قصیدہ ملاحظہ ہو، اس مین شک نہین کہ اس کے اور قصیدون کے مقابلہ مین اس قصیدہ مین فصاحت اور حلاوت زیادہ ہے،

این منم کز دیدہ یاقوتِ روان آوردہ ام | بیدلان را از سخن قوت روان آوردہ ام
ساکنان خاک را زین پس نباشد خشک سال | چون من از اشعار تر آب روان آوردہ ام
عارض سیمینِ کاغذ را خط مشکین دہد | کلک زین پیکرے کاندر بنان آوردہ ام
گوہر منظوم را بے قدر کردند چو سنگ | ہر در منثور کز بحر بیان آوردہ ام

تیر چرخ از من سپر انداخت با تیغ زبان | چون زبان تیغ شہ گوہر فشان آوردہ ام

شاہ گنج شائگان می بخشد این لفظست بس | کز میان شعر جاے شائگان آوردہ ام

لیک این جنس از بضاعت بود نادر در جہان | کز پے سودائے آن عمری زیان آوردہ ام

چہرۂ شادی ندیدم عکس خاصیت مگر | گرچہ از رخسارہ چندین زعفران آوردہ ام

چرخ در ہر مجلسے چون دست جنگی زخم زد | زین سبب چو نائے حلقے پر فغان آوردہ ام

گیتی زال از جفا بسیار دستانم نمود | تا ز دستش پیش شاہ این داستان آوردہ ام

یار دیبا روی پشتم داد من در ہجر او | از نحیفے تن چو تار پرنیان آوردہ ام

تا چہ تیر از شست بیرون جستہ وے از بزم او | قامت از درد جدائی چون کمان آوردہ ام

در فراق آن بت بادام چشم و پستہ لب | از رخ آبے وز دیدہ ناردان آوردہ ام

بے حسی در باب من بے جادہ فصلی گفت شاہ | در گمان شد رخ ازان بیجادہ سان آوردہ ام

از کمال علم بر روے آشکارہ آمدہ است | ہرچہ در گنجینۂ سینہ نہان آوردہ ام

کانچہ حاسد گفت از راہ مسلمانی نبود | کافرم در خاطر از فکر چنان آوردہ ام

در زبان خاص و عام افتادہ ام ہمچون سخن | آن سخن کو عرصہ گرد ار بر زبان آوردہ ام

لیک چون حلم شہنشہ در میان آمد چہ باک | خود چنان پندار جرم بیکران آوردہ ام

نے بجوے مرحمت ما را رجا از شہریار | پیش لطف شہریار مہربان آوردہ ام

بر امید رافتش تا خصم نادان جان کند | در دل دانا یقین بیگمان آوردہ ام

طوطی فضلم فصیحان عرب در رشک من | زین شکر باری کہ در ہندوستان آوردہ ام

عندلیب آسا نواے خسروانی می زنم | خاصہ کاکنون رو بسوئے بوستان آوردہ ام

بوستان آستان عرش ساے خسرو است | چون ہمہ برگ و نوا زین آستان آوردہ ام

از دل و دم در ہوائے خاک بوس آن جناب ‏ آذرا آذار و باد مہرگان آوردہ ام

چون نہم سر در زمین این جا چنان دانم کہ پائے ‏ از رہ رفعت بہ اوج آسمان آوردہ ام

کامران گردم بمانند زبان بر ہر مراد ‏ بر زبان چون مدح شاہ کامران آوردہ ام

پیل بالا زر فشاند بر پے اسپم ملک ‏ رخ چو سوے حضرت شاہ جہان آوردہ ام

شاہ شیر افگن کہ گیتی گفت در اسلام اوست ‏ ہر حکایت کز درفش کاویان آوردہ ام

کعبۂ اقبال رکن الدین کہ گوید آسمان ‏ آستانش ثانی رکن یمان آوردہ ام

خسروے کو را روا باشد بوجہ افتخار ‏ گر بگوید کز کف و دل بحر و کان آوردہ ام

کافران را از ہر آسانی ہراسان کردہ ام ‏ اہل ایمان را مدام اندر امان آوردہ ام

ربع مسکون جہان ہیر از سر تا بپائے ‏ زیر دست از قوت بخت جوان آوردہ ام

خاتم ملک سلیمانی در انگشت من است ‏ لاجرم در خطِ فرمانِ انس و جان آوردہ ام

تا ہلال را تیم طالع شد از تاثیر آن ‏ شخص خصمان را گداز آن چون کمان آوردہ ام

فتنہ اندر خواب غفلت رفت تا گرد جہان ‏ دیدۂ بیدار دولت پاسبان آوردہ ام

گرد خیلم کز جوے جائے رسیدہ است آن مقام ‏ از بلا ایمن چو راہ کہکشان آوردہ ام

از تن دشمن بزخم خنجر نیلو فری ‏ صحن ہیجا را برنگ ارغوان آوردہ ام

بدسگال از تنگ دل آمد مرا نیکو تر است ‏ کز دلش تیغ یمانی را فشان آوردہ ام

تا بخاطر در نیارد خار خار روئے گل ‏ گل بچشم حاسد از خارستان آوردہ ام

گنبد فیروزہ میگوید ز فرّ نام اوست ‏ در جہان ہر جا کہ فیروزی نشان آوردہ ام

فتح می گوید کہ دل در کار او زان بستہ ام ‏ کز غبار مرکبش اکسیر جان آوردہ ام

عقل گوید پایۂ قدرش بدستم نامد است ‏ گرچہ از نہ بام گردون نردبان آوردہ ام

از پے تحسین تیرش عندلیب ناطقہ — گفت چون زاغ کمان زہ در دہان آوردہ ام

ہمتش گفت آن نمایم کز علو منزلت — بر فراز نسر طائر آشیان آوردہ ام

حکم او گوید کہ از مہ نعل زرین بستہ اند — نقرہ خنگ چرخ را تا زیر ران آوردہ ام

چتر دارش گفت در دستم سپہری دیگر است — کافتاب مملکت را سایہ بان آوردہ ام

ظلم گفت از روز عدلش زار گشتم حزم را — می توان گفتن کہ شخص ناتوان آوردہ ام

چرخ صوفی جامہ گوید از بزرگی ہرچہ بود — با غلامانش بجز دہ در میان آوردہ ام

خسروا شیرین سخن بسیار دیدم بر درت — نقش شا در زری بدین کاغذان آوردہ ام

تا کنند ایشان مگر زین گونہ بیتے را بہ بیت — این قصیدہ بر سبیل امتحان آوردہ ام

دین حکایتہا کہ گفتم از پے بخت بد است — تا نہ پنداری شکایت از فلان آوردہ ام

روے بر خاک درت کان کحل چشم اختر است — بہر آب روئے نہ از بہر نان آوردہ ام

چشم می دارم کہ یابم ابروے از دولتت — چون بیان خلق جودت را عنان آوردہ ام

خواستم گفتن دعا لیکن چہ گویم چون قضا — گفت ملکت را بقاے جاودان آوردہ ام

ممکن ہے ان مختلف قصائد کی طوالت سے ناظرین کو کچھ گرانی محسوس ہو رہی ہو، لیکن ان کے نقل کرنے کا مقصد نہ صرف ان کے محاسن کو دکھانا ہے، بلکہ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے اس شاعر کے بکھرے ہوئے کلام کو یکجا جمع کرنا بھی ہے، اب تک اس کا جتنا کلام نظر سے گذرا ہے اس کو دیکھکر کم از کم یہ تو یقینی طور سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھا، جس نے نہ صرف سلیس، رواں، شگفتہ اور برجستہ قصائد کہے، بلکہ اساتذۂ فن مثلاً ابو الفرج رونی، انوری اور ظہیر فاریابی کے تتبع میں قصائد کہہ کر اپنی سخن وری اور جدت طبع کا ثبوت دینے کی بھی کوشش کی،

عرفات العاشقین کا مؤلف رقمطراز ہے کہ تاج الدین اپنے عہد کا سب سے زیادہ ممتاز

شاعر تھا،

"در زمان خود از ہمگنان ممتاز و در دانش چون سرفراز بودہ، سر ہمتش بر فرق فرقدان آسودہ، و بپائے رفعت تارک کیوان پیمودہ"

اس مین شک نہین کہ وہ اپنے معاصر شعرا، سدید الدین محمد عوفی مؤلف لباب الالباب و جوامع الحکایات، صدر الدین محمد نظامی مؤلف تاج المآثر، منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری، روحانی اور ناصری سے تو یقیناً بہتر شاعر ہے؛ لیکن کیا اس کو اپنے عہد کے شہاب الدین مہمرہ، اور فخر الملک عمید تولکی پر بھی فضیلت حاصل تھی، اس کا فیصلہ ناظرین خود فرمائین گے جب ان موخر الذکر شعراء کا کلام ہم ان کی خدمت مین پیش کریں گے۔

انجام ریزہ

سلطان رکن الدین کے عہد سلطنت کے بعد تاج الدین ریزہ کے حالات نہیں ملتے، شاید سلطان رکن الدین کے قتل کے ساتھ اس کا ستارۂ اقبال بھی ماند پڑ گیا۔[1] اس کی زندگی کا انجام دردناک بتایا گیا ہے، کسی تذکرہ نویس نے تو نہین لیکن شرح مخزن اسرار مین محمد بن قوام نے لکھا ہے کہ

"تاج ریزہ را پیش پائے پیل انداختند"[2]

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آخر کس سلطان نے کس جرم میں اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا، مگر اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ غیاث الدین بلبن کے شروع عہد مین زندہ تھا، کیونکہ جب بلبن نے مولانا شمس الدین خوارزمی کو شمس الملک کا خطاب دے کر مستوفی ممالک کے عہدہ پر مامور کیا، تو تاج الدین ریزہ (یا سنگ ریزہ) نے ان کی مدح مین ایک قصیدہ کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

[1] اورنٹیل کالج میگزین (نومبر ۱۹۳۴ء) کے ایک مضمون نگار نے معلوم نہیں کس حوالہ سے لکھا ہے کہ سلطان رکن الدین کی حکومت کے آخری زمانہ مین جب فتنہ و فساد کا طوفان امڈنے لگا تو سلطان نے جان بچا کر کچھ امرا کے ساتھ دہلی سے پنجاب کی طرف رخ کیا، اسکے ساتھ تاج الدین ریزہ بھی تھا، لیکن جب اور امرا نے سلطان کی رفاقت چھوڑ دی تو ریزہ بھی دہلی لوٹ آیا۔

[2] نیز دیکھو رسالہ اسلامک کلچر جولائی ۱۹۴۰ء اورنٹیل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء۔

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی   مستوفی ممالک ہندوستان شدی[1]

شہاب مہمرہ

پہلے کہا جا چکا ہے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے قصیدہ نگاروں میں مولانا شہاب الدین مہمرہ بھی تھے، مولانا شہاب الدین مہمرہ بدایون کے رہنے والے تھے، جو ہر زمانہ میں مشائخ، علماء، اور شعرا کا بہت مرکز رہا، ان کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین تھا جن کے نام کا جزء بھی مہمرہ یا متمرہ تھا، منتخب التواریخ (مؤلفہ ملا عبد القادر بدایونی) میں مولانا شہاب الدین کے اسم گرامی کے ساتھ مہمرہ ہی مرقوم ہے[2]، لیکن مجمع الفصحاء (مؤلفہ رضا قلی خان) میں ہے کہ وہ مداران کے رہنے والے تھے، اور مداران کو ہندوستان کا شہر بتایا ہے، لیکن مداران بداؤن کی غلط کتابت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح مہمرہ کو بھی کاتب نے متمرہ لکھ دیا ہے، منتخب التواریخ کے انگریز مترجم جارج رین کنگ نے مجمع الفصحاء کی سند پر متمرہ ہی کو صحیح سمجھا ہے[3]، اور تذکرہ نویسوں مثلاً مجمع النفائس، عرفات العاشقین، گل رعنا اور مخزن الغرائب کے مؤلفوں نے مہمرہ ہی لکھا ہے، کسی تذکرہ نویس نے متمرہ یا مہمرہ کی تصریح نہیں کی ہے، البتہ نزہۃ الخواطر میں مولانا عبد الحیٔ مرحوم نے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین المہمردی البدایونی لکھا ہے[4]، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہمرہ کسی جگہ کا نام ہے، جہاں سے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار یا ان کے آبا و اجداد ہجرت کر کے ہندوستان آئے، اور بدایون میں سکونت پذیر ہوئے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مہمرہ کس ملک کا قصبہ یا قریہ ہے، محمرہ (حائے حطّی کے ساتھ) مکہ کے قریب ایک قریہ کا نام بھی ہے، مولانا شہاب الدین عربی کے بہت بڑے عالم تھے، اگر ان کی عربی دانی کی وجہ سے ان کو عربی النسل قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ ان کا خاندان محمرہ ہی سے آیا ہو،

---

[1] سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۱۵، سیر الاولیا میں بھی یہ شعر درج ہے لیکن شمسا کے بجائے صدرا ہے (ص ۱۵۱) [2] منتخب التواریخ ج ۱ ص [3] رین کنگ ج ۱ ص ۹۹ حواشی [4] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۶۹ میں المہمردی کے بجائے المہمری ہونا چاہیے، شاید "د" کتابت کی غلطی سے بڑھ گیا ہے، کیونکہ عربی اور فارسی میں صرف یا سے نسبت ہوتی ہے، واؤ نہیں ہوتا،

افلاطونِ زماں | انکے حالات زندگی بہت زیادہ نہیں ملتے، امیر خسرو نے ان کے متعلق جو خیالات جابجا ظاہر کئے ہین، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر، بلکہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم وفاضل بھی تھے، اور اپنی فلسفہ دانی اور حکمت کی وجہ سے بقراط وقت اور افلاطونِ زمانہ کہلاتے تھے، الٰہیات، طبعیات، ریاضیات، معقولات اور منقولات سب مین ید طولیٰ حاصل تھا، فقہ مین "مبسوط" اور حکمت مین "اشارات" پر بڑا عبور تھا، ان کے بارہ مین امیر خسرو اپنی مثنوی "ہشت بہشت"[1] مین فرماتے ہین:

چرخ چون راست کرد دستارش | بست عزّ الٰہی بہر تارش
گر کند سوے آن عمامہ نظر | مشتری را فتد عمامہ زسر
حکمتش داد ازبس افزدنی | ملکِ بقراطی و فلاطونی
در الٰہی فنش نہ در حد کس | حد او ہم آلہ داند وبس
در طبیعی شناختہ بتمام | راز مولودِ عنصر و اجرام
در ریاضی بیک صریر قلم | باز کرد ست گوشِ جذر اصم
عقلیش از قیاس عقل برون | نقلیش از مقامِ نقل فزون
دُر مبسوط در یکے مشتش | صد اشارات در سر انگشتش
ہر چہ در دہر نقشِ دانائی ست | دلی او را بران توانائی ست
او چو ابر کرم بغرق جہان | زیر کان چون صدف کشادہ دہان

اعجازِ خسروی[2] مین امیر خسرو کے کچھ خطوط مولانا شہاب الدین کے نام بھی ہین، ان مین سے ایک عربی مین ہے، اور ایک خالص فارسی مین جس مین عربی کا ایک لفظ بھی نہین، عربی مکتوب مین مولانا شہاب الدین کو امام کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے جس سے شاید امام العلماء والفضلاء مراد ہو،

---

[1] مثنوی ہشت بہشت مطبوعہ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ پریس ص ۲۲۶ [2] اعجاز خسروی نولکشور پریس، رسالہ ثانیہ ص ۱۶۸ و ۱۶۲

فنِ شاعری مین بھی مولانا شہاب الدین کو درجۂ کمال حاصل تھا، عزۃ الکمال میں امیر خسرو نے ان کو "سلیمان ممالک سخن" کہا ہے، اور وہ یہ بھی فرماتے ہین کہ لوگ ان کے کلام کو دیوانہ وار سنتے ہین، اگرچہ انھون نے اپنے کلام کو مدون نہین کیا،

"شہاب الملت والدین کہ شہاب فلک از آتش طبع او صد بار دیوان خود را سوختہ است کہ اگر آن سلیمان ممالک سخن را عزیمت جمع کردن، دیوان بودے، این معنی را جان رفتہ در تن حاضر گردانیدے، و امرؤالقیس چون قیس مجنون گشتے ہر شعر بلند شہابے آسمانے است بر کواکب و خلق دیوانۂ آن بعضے شیاطین می نہند و استراقی می کنند، از سرقۂ ایشان خدائے نگاہ دارد"

ایک اور موقع پر رقمطراز ہین:-

...... مولانا شہاب الحق والدین ...... آن شہاب ثاقب کہ در لطافت طبع آتش بارہ ایست و در دل شب روشن از انوار عیب خبر آرد و صد ہزار انجمن را گرم دارد، تا جانے از و عقبش گردد"

ہشت بہشت مین مولانا شہاب الدین کی شاعری کی تعریف مین رطب اللسان ہوتے ہین اور ان کو عربی زبان کے مشہور شعرا، بحتری اور ابو تمام سے افضل قرار دیا ہے، اور غایت تعریف مین فرمایا ہے کہ مولانا شہاب کے اشعار خانۂ کعبہ کے بجائے بہشت مین آویزان کیے جانے کے لائق ہین، امیر خسرو کی گلفشانی ملاحظہ ہو،

او شہاب و دل و تنش ز اخیار	نیرین مشارق الانوار
از تمام فنون و فضل تمام	غیرت بحتری و بو تمام
گاہ تحریر گر بہ بیت عتیق	یافت اشعار نازیان تعلیق
شعر او را کہ مطلع نورست	جاے تعلیق بیت معمور است

کسی تذکرہ نویس نے اس پیکرِ علم وادب کی ولادت و وفات کا سنہ نہین لکھا ہے۔ ابھی حال ہی مین ڈاکٹر اقبال حسین نے اپنی کتاب "Early Persian poets of India" مین امیر خسرو کے دیباچہ غرۃ الکمال کے حسب ذیل نقرہ

"مولانا شہاب الدین مہمرہ و مولانا بہاء الدین بخاری کہ ہر یکے بستان علم را بلبلے بودہ اند"

سے یہ قیاس کیا ہے کہ وہ غرۃ الکمال کا دیباچہ لکھنے یعنی ۶۹۵ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ میرے پیش نظر غرۃ الکمال کا ایک کرم خوردہ نسخہ ہے جس کے بعض اوراق جا بجا سے پھٹ گئے ہین۔ اس لیے اس فقرہ پر نظر نہیں پڑی۔ لیکن ڈاکٹر اقبال حسین نے امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت سے بعض ایسے اشعار بھی نقل کیے ہین، جن مین امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کیا ہے۔ ان ہی اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے مثنوی ہشت بہشت کو بہ نظر اصلاح دیکھا تھا، یہ مثنوی ۷۰۱ھ مین لکھی گئی ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا شہاب الدین ۷۰۱ھ تک بقید حیات تھے۔ ان کی تاریخ ولادت تو معلوم نہین، لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ مین ان کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جو انھون نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت مین پیش کیا تھا۔ یہ سلطان ۶۳۲ھ کے اخیر مین کل چھ سات مہینہ کے لیے تخت پر بیٹھا۔ ظاہر ہے کہ قصیدہ پیش کرتے وقت مولانا شہاب الدین کی عمر کم از کم پندرہ سال کی ہو گی اور اس حساب سے وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد مین پیدا ہوئے ہون گے۔ مثنوی ہشت بہشت کی اصلاح کے وقت ان کی عمر اسی اور نوے کے درمیان ہو گی۔ امیر خسرو کا سن اس مثنوی کے قلمبند کرتے وقت پچاس سال کا تھا، ظاہر ہے کہ امیر خسرو نے ادب و احترام کا اظہار کرنے مین مولانا شہاب الدین کے سن و سال کی بزرگی اور ان کے علم و فضل دونون کا لحاظ رکھا ہوگا،

جدت طرازی

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بنا پر یہ قیاس ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے سلطان رکن الدین کی خدمت مین اپنی بہت کمسنی کے زمانہ مین حسب ذیل قصیدہ پیش کیا، اس مین اہم اشعار ہین، ہر شعر مین کرگ (گینڈا) گرگ (بھیڑیا) پیل اور شیر کے الفاظ لائے گئے ہین، اور ان ہی چارون الفاظ کی رعایت سے پورے قصیدہ مین صنعت گری کی گئی ہے، مولانا شہاب الدین نے اس کمسنی مین اس غیر معمولی قادر الکلامی اور جدت طرازی کا جو اظہار کیا وہ گویا ان کے بحر العلوم ہونے کا پیش خیمہ تھا، طوالت کے خیال سے ہم اس قصیدہ کے چند ہی اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

هر زمان این کرگ و گرگ فیل و شیر طفل خوار — آن کند با من که پیل و گرگ وقتِ کارزار

آسمان پیل گون مال تنم را گرگ سان — روزگار شیر وش صبرم ربایدگرگ دار

زور کرگم نے و با من تند پیل آسمان — شیر مردی می کند چون کهنه گرگ روزگار

پیل با کرگ آن نکرد و گرگ با میش آنچه کرد — شیر چرخ از جور با این شخص چون موے نزار

حیلت گرگ است وز و ر کرگ با شیر فلک — زان همیشه بر دل بین در و بار د پیل بار

سلطان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

خسروا مدح تو گرگ و کرگ و شیر و پیل — گشته ام نادر بام صاحب چرخ اقتدار

پیل تن شیر افگن گرزت اگر خواهد دهد — گرگ را چون دم کرگس بر سر گردون قرار

آن وزیرے کز برائے گوشمالِ گرگ چرخ — دل نهاده همچو کرگ و پیل و شیر از اضطرار

آخر کے اشعار یہ ہین :-

پیل بخشا در بد اوُن باید م ویرانه — گرچه جائے گرگ و کرگ و شیر باشد این دیار

تا که شیر و پیل باشد در صحابت هم قدم — تا که گرگ و کرگ باشد در کتابت یک شعار

خصم گرگ افسونت اے کرگ افگن و پیل استناد — باد پیش شیر دلیرزت میان خاک خوار

ہمچو شیر و پیل و گرگ و کرگ در گرہ ما بہا | دشمنان بے جان شدہ بر آخر سنگین قطار

اس قصیدہ کا ذکر کرتے ہوئے مجمع النفائس کے مولف نے لکھا ہے کہ

"چنین قصیدہ گفتن بالقوہ دیگرے نیست"

اور یہ رائے صحیح ہے، گو آج کل کے ارباب ذوق کے لیے لزوم مالا یلزم کی مذکورۂ بالا اشکل صنعت مین کوئی شاعرانہ دلکشی نہین۔

استاد خسرو کسی اور سلطان کی مدح مین ان کے کسی اور قصیدہ کا کہین ذکر نہین، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ بادشاہون کی منادمت پسند نہین کرتے تھے، اور جب ان کے علمی کمالات کی شہرت ہر طرف پھیلی تو ارباب علم خود ان کے گرد جمع ہو گئے، اور وہ سرچشمۂ فیض بن کر سب کو سیراب کرتے رہے، اس زمانہ کا مشہور اور ممتاز شاعر ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی ان کو استاد کے لقب سے یاد کرتا ہے،[1] سلک السلوک اور طوطی نامہ کے مشہور مؤلف حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی ان کے شاگردون مین تھے،[2] امیر خسرو نے اپنی غیر معمولی خداداد استعداد و صلاحیت کی بنا پر کسی کو اپنا استاد بنانا پسند نہین کیا، شروع مین بطور خود کہتے رہے، پھر کسی استاد سے مشورہ لینے کے بعد بجائے اساتذہ کے دواوین کو سامنے رکھکر ان کا تتبع کرتے تھے لیکن جب سخنوری و زمزمہ سنجی کے شباب پر پہنچے تو مولانا شہاب الدین کو اپنا کلام دکھانے لگے، جو مولانا شہاب کی علمی و ادبی فضیلت کا سب سے بڑا ثبوت ہے، اپنی مشہور و معروف مثنوی ہشت بہشت کے خاتمہ مین امیر خسرو نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یافتہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش | او بہ اصلاح راندہ خامۂ خویش
دید ہر نکتہ را رقم برقم | رنج بر خود نہاد و منت ہم

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۰، [2] نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۶۹

نظر تیز کرد موئے شگاف | نے بعیبا نظارۂ بجز اف

امیر خسرو کا بیان ہے کہ مولانا شہاب نے دشمن بن کر اس مثنوی کی غلطیان دیکھیں، گو دوستون کی طرح اس کو پسند بھی کیا،

گرچہ چون دوستان پسندیدہ | لیکن از چشم دشمنان دیدہ
دیدۂ خصم عیب کوش بود | دیدۂ دوست عیب پوش بود
دید چو دشمنان درین دفتر | تا ہمہ عیب آمدش بنظر
چون ہمہ عیب دید دشمن وار | مشست چون دوستان آئینہ دار
کلک او تیر راست را بگماشت | کر درین روضہ آہوئے نگذاشت

پھر بڑی صفائی سے اقرار کرتے ہین:

شمع من یافتہ ضیا از وے | مس من گشتہ کیمیا از وے

امیر خسرو مولانا شہاب کی بتائی ہوئی غلطیون کو ادب سے قبول کرتے تھے کہتے ہین:-

ہرچہ او گفت من نہادم گوش | برکشیدہ مگس ز شربت نوش
وانچہ نبود دمن بجستم پے | عیب آن بر من ست نے بر وے
گر بماندہ ز دشنہ اش جائے | بے خسے نیست ہیچ دریائے

ان اشعار کی بنا پر مولانا شبلی لکھتے ہین کہ امیر نرے مقلد نہ تھے، جہان ان کو اصلاح کی وجہ سمجھ مین نہین آتی تھی، وہان استاد کی رائے تسلیم نہین کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ رکھتے تھے، ع:-

عیب آن بر من ست نہ بر دے

آخری اشعار مین بھی مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی مثنوی کو ختم

کر دیتے ہین جن سے بقول مولانا شبلیؒ یہ معلوم ہوتا ہی کہ ان کی پانچون مثنویان شہاب کی اصلاح دادہ ہین،

صد ہزار آفرین بر آن دل پاک	کہ برون بر و زین چمن خاشاک
انچہ او دید تا نہایت دید	خس و خارے ز گلشنے برچید
آنچہ ماند از نظر بہ پردہ نہان	ہم نہان دار دش خدائے جہان
یارب او چون ز پنج نامۂ من	بردہ بیرون خطائے خامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد	در قیامت خط امانش باد

ان اشعار کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ خود امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو اپنا مشفق استاد تسلیم کیا ہے اور ان کو اپنی شمع شاعری کا منور کرنے والا اور اپنے مس خام کو کندن بنانے والا بھی قرار دیا ہی۔

شمع من یافتہ ضیا از وے	مس من گشتہ کیمیا از وے

چنانچہ مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ کیا عجیب بات ہے کہ وہ استاد جس کے دامنِ تربیت مین خسرو جیسا شخص پل کر بڑا ہو، آج اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں۔[۱]

لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا (ریڈر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) نے اپنی محققانہ اور فاضلانہ کتاب دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو مین مولانا شہاب الدین مہمرہ کو امیر خسرو کا استاد تسلیم نہین کیا ہے چنانچہ کتاب کے دیباچہ مین شہاب مہمرہ یا متمرہ کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی استادی اور امیر خسرو کے تلمذ کی کوئی تصریح نہین کی ہے۔ بلکہ ایک اچھا شاعر کہکر ان کا ذکر ختم کر دیا ہے، پھر اس کتاب کے صفحہ ۳۳ کے حاشیہ مین لکھتے ہین کہ مولانا شبلی نے شعرالعجم مین یہ لکھا ہے کہ خسرو مولانا شہاب الدین کے شاگرد ہو گئے تھے، لیکن وہ (مولانا شبلی) اس غلط نتیجہ پر خسرو کے بعض ان اشعار کی بنا پر پہنچے ہین، جو انھون نے مولانا شہاب کے متعلق کہے ہین، آگے چل کر ص ۱۴۳ پر علاءالدین خلجی کے عہد کے شعرا کا ذکر کرتے

---

[۱] شعرالعجم حصہ دوم ص ۱۴۵

ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہین ۔ان مین سے بہت سے شعرا صاحب دیوان بھی ہوئے، یعنی انھون نے اپنے کلام کے مجموعے مرتب کیے ۔ان مین ایک شہاب الدین[1] بھی تھے ،جن کی تعریف خسرو نے خاص طور پر کی ہے، اور ان کو عربی زبان کا عالم بھی بتایا ہے، اور متعدد بار ان سے اپنی شعر و شاعری سے متعلق مشورے بھی کیے ہین لیکن ہم تک ان کی کوئی تصنیف نہیں پہنچی ہے، اس لیے ان کی شخصیت کا پتہ چلانا مشکل ہے ،اس تحریر پر ڈاکٹر صاحب کا یہ حاشیہ ہے کہ یہ غالباً وہی ہین جن کو برنی اور فرشتہ نے عہد علائی کے شعرا مین شہاب صدر نشین لکھا ہے، لیکن ان کے بارہ مین کچھ بھی معلوم نہین ،خسرو انکو اکثر امام کے لقب سے یاد کرتے ہین ،جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہی شہاب الدین تھے ،جو نظام الدین اولیاء کے امام تھے، (سیر الاولیا، ص ۲۹۲، ۲۹۰) لیکن وہ کوئی مشہور شاعر نہ تھے، حضرت نظام الدین اولیا کے معاصرون مین اجودھن کے خواجہ فرید کے صاحبزادے کا اسم گرامی بھی شہاب الدین ہی تھا (سیر الاولیا، ص ۸-۱۸۶) پھر ص ۱۵۹، اور ۲۰۳ پر مولانا شہاب الدین کا ذکر امیر خسرو کے دوستون میں کیا ہے، ص ۲۰۳ پر امیر خسرو ہی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہین کہ مثنوی ہشت بہشت پر ان کے دوست شہاب الدین نے نظر ثانی کی ،جو بہت بڑے عالم تھے، ص ۲۱۸ پر ان کو امیر خسرو کا سرپرست بھی لکھا ہے،

ڈاکٹر صاحب امیر خسرو سے متعلق تمام معلومات فراہم کرنے مین شاید کچھ ایسے مشغول رہے کہ وہ مولانا شہاب الدین کے بارہ مین زیادہ چھان بین نہ کر سکے، ورنہ وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ دراصل شہاب الدین مہمرہ ہی مولانا شہاب الدین تھے، ڈاکٹر صاحب نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ خسرو نے شہاب الدین مہمرہ کی تقلید مین بھی بعض قصائد کہے ہین، اور ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ایک شاعر شہاب الدین سے متعدد بار امیر خسرو نے شاعری کے متعلق مشورہ بھی کیا ہے، اور پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شہاب الدین سے ہشت بہشت پر نظر ثانی کرائی، اسی شاعر کو امیر خسرو کا سرپرست بھی تسلیم کیا ہے، پھر

[1] امیر خسرو کا بیان ہے کہ شہاب الدین نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہیں کیا

جس شہاب الدین کا ذکر بار بار کیا ہے اس کو شہاب الدین مہمرہ تسلیم کرنے اور امیر خسرو کا استاد ماننے مین عذر کیون ہے، مولانا شہاب الدین مہمرہ اپنے علمی و ادبی پایہ کی وجہ سے اپنے عہد کے غالباً تمام شعراء کے استاد تھے، اسی لیے فرشتہ نے عہد علائی کے شعراء کی فہرست مین انکو شہاب الدین صدر نشین کے لقب سے یاد کیا ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے ان کو استاد الشعراء لکھا ہے[ا]، ڈاکٹر اقبال حسین (لکچرر پٹنہ یونیورسٹی) نے بھی ان کو اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین امیر خسرو کا استاد ہی تسلیم کر کے ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے،

سبب گمنامی: ایسے باکمال شاعر پر گمنامی کا پردہ پڑا رہنا تعجب انگیز ہے، اس کے متعدد اسباب ہین، (۱) ایک تو یہ کہ وہ شاہی دربار سے مستقل طور پر وابستہ نہین ہوئے اور عام طور سے مورخون اور تذکرہ نویسون نے ان ہی شعراء کو زیادہ اچھالا ہے، جو دربار سے متعلق تھے (۲) دوسرے شہاب الدین مہمرہ نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہین کیا، جیسا کہ اوپر ہم امیر خسرو کے ایک بیان مین واضح کر چکے ہین، گو ان کا منتشر اور متفرق کلام ہر زمانہ مین شوق سے پڑھا گیا، گیارہوین صدی ہجری مین تقی اوحدی مؤلف عرفات العاشقین نے ان کے تقریباً سات سو بکھرے ہوئے اشعار جمع کئے، اور اس کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کے عہد مین بھی تمام ارباب نظر مولانا شہاب الدین مہمرہ کو اساتذۂ فن مین شمار کرتے تھے، اس کے اصلی الفاظ یہ ہین،

"گویندے از شعرائے بزرگوار سواد ہندوستان است و این صحیح است"

مولانا شہاب الدین کے گمنام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب امیر خسرو کی شاعری کا آفتاب نصف النہار کو پہنچا تو تمام شعراء ستارون کی طرح ماند پڑ گئے، منتخب التواریخ مین مولانا عبد القادر مولانا شہاب الدین مہمرہ کے ذکر مین فرماتے ہین:

[ا] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۲ [۲] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۱،

"چون کلام متقدمین بعد از ظہور کوکبۂ خسرو شاعران حکم وجود ستارہا در وقت ارتفاع اعلام نیر اعظم پیدا کردہ، ومانند سبعیات ہنگام نزول وحی منزل بر خیر البشر وسید عالم علیہ السلام در پردۂ تواری ماندہ، از انہا کم می گویند و می نویسند، بلکہ نمی نمایند۔" (جلد اول ص ۷۰-۷۱)

تذکرہ نویس اور مورخین امیر خسرو کے ساتھ حسن سجزی کے کلام کا تو ذکر کرتے ہین، لیکن ان ارباب کمال کی شاعری مین ان کو کچھ ایسی لذت وکیفیت محسوس ہوتی ہے کہ اس عہد کے بقیہ اور تمام شعرا کو وہ نظر انداز کر دیتے ہین، ملا عبد القادر امیر خسرو و میر حسن کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہین:-

"در آن عہد اگرچہ شعرائے دیگر صاحب دواوین بودہ اند، اما با وجود این دو بزرگوار ذکر آنہا خوش نمی آید ع:-

چون آفتاب بر آید ستارہا عدم است" (ج ا ص ۲۰۱ و ۱۷۱)

لیکن درحقیقت مولانا شہاب مہمرہ کی حیثیت ایک ستارہ کی نہ تھی، خود ملا عبد القادر بدایونی نے ان کو "شہسوار میدان بلاغت" اور "استاد الشعراء" کہا ہے۔ امیر خسرو نے نہ صرف شاعرانہ انداز مین ان کے ادبی وعلمی کمالات کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ جس طرح انھون نے خاقانی، انوری، ظہیر فاریابی اور کمال اصفہانی کے تتبع مین قصائد کہے، اسی طرح مولانا شہاب مہمرہ کی تقلید مین بھی زور طبع دکھا کر ان کو اساتذۂ فن مین شمار کیا ہے، امیر خسرو کا ایک مشہور شعر یہ ہے:

گر بیاید غلغلہ مرغان دہلی زین نوا | در بداؤن مہمرہ سرمست برخیزد ز خواب [1]

پہلے کہا جا چکا ہے کہ امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو سلیمان ممالک سخن بھی کہا ہے، جہانگیر کے زمانہ مین میر عضد الدولہ نے فرہنگ جہانگیر لکھی، تو اس مین اور اساتذہ کی طرح مولانا شہاب کے بھی اشعار جا بجا سند مین پیش کیے،

---

[1] وسط الحیات ہی مین خسرو ایک سفر کے دوران مین مولانا شہاب کو اس طرح یاد کرتے ہین،

یکے سپہر و قائق شہاب دین کہ بصدق | مراست علم کہ او راست فضل بر فضلا،

عرفات العاشقین کا مؤلف، مولانا شہاب کی تعریف میں رطب اللسان ہے،

"شاہ سخن پرواز نیست کہ در عرصۂ فکریت رایقان سمنۂ معنی را پیادہ رخ بر رخ نہادے پیل

در شطرنج مقاومت وفیل فرزین طرح دادی۔"

مجمع الفصحا میں ہے:۔

"وے از حکماء، فضلاء وشعراء مقرر مشہور معروف زمان خود محسوب می شدہ، طبع

عالی و ذہن متعالی داشتہ۔۔۔۔۔۔ در زمان سلطان رکن الدین فیروز بن سلطان شمس الدین

التمش سرآمد فاضل عہد بود۔"

مجمع النفائس کے مؤلف سراج الدین علی خان آرزو نے بھی تسلیم کیا کہ:

"وی (یعنی شہاب الدین مہمرہ) از شعرائے بزرگ ہندوستان است۔"

موجودہ دور کے اہل قلم میں پروفیسر عبدالغنی نے اپنی انگریزی کتاب "پری مغل پرشین ان

ہندوستان" میں لکھا ہے کہ شہاب الدین مہمرہ کے قصائد ایران کے سربرآوردہ شعراء فرخی، خاقانی،

انوری وغیرہ کے ہم پلہ ہیں، یہ رائے اس لحاظ سے بے شک قابل قبول ہے کہ مولانا شہاب الدین

مہمرہ ان باکمال شعراء ہی کی طرح قادر الکلام تھے، گو مولانا کے طرز ادا اور اسلوب بیان کی نوعیت

ان شعراء سے مختلف تھی، البتہ پروفیسر موصوف کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ مہمرہ کے قصائد

اس بات کا بہترین ثبوت ہیں کہ ہندوستان کے ارباب فن نے فارسی ادب کو کس طرح فروغ دیا،

کلام شہاب | مولانا شہاب الدین کے زیادہ سے زیادہ اشعار منتخب التواریخ اور عرفات عاشقین میں نظر

سے گذرے، کچھ اشعار مجمع النفائس، خلاصۃ الاشعار اور مخزن الغرائب میں بھی ہیں، ان ہی نمونوں

کو دیکھکر ہم ان کے کلام پر ایک نگاہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں،

مولانا شہاب الدین مہمرہ کی قصیدہ نگاری میں بعض بالکل ہی نئی باتیں پائی جاتی ہیں، مثلاً وہ

بعض اوقات تین چار الفاظ لے لیتے ہین، اور ان کو ہر شعر مین دہرا کر قصیدہ نگاری کی لفظی صنعت کا کمال دکھاتے ہین، اور اس مشکل صنعت کے ساتھ قصیدہ کی فصاحت و بلاغت مین فرق نہین آنے پاتا، بلکہ ان کی جدت طبع، لطف زبان اور انداز بیان مین یکسان لطف حاصل ہوتا ہے، تقی اوحدی نے عرفات العاشقین مین ان کے اس وصف کی داد اس طرح دی ہے،

"در شعر وے صنائع و بدائع و بسیار فصاحت و بلاغت بے شمار است و در اکثر قصائد التزامات مشکلہ غریبہ بکرر نمودہ و نہایت قدرت بعد و ظہور رسانیدہ"

اس کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے، اسی طرح کا ایک اور قصیدہ حمد و نعت مین کہا گیا ہے، اس مین "مور" اور "موئے" کے الفاظ ہر شعر مین آئے ہین، کچھ اشعار ناظرین کی ضیافت کے لیے پیش کیے جاتے ہین:

اندر زبانِ گرچہ شگافم موے ہنگام بیان	در ثنائے حق ز حیرت ہمچو مورم بے زبان
در پئے زنجیر مویان پر پرو از ہوس	بستہ ام بسیار چون موران ز دل جان بر میان
وز برائے مور چشمان شکر لب در خیال	سفتہ ام موے سخن صد رہ ز روے امتحان
تا ذخیرہ باشدم چون مور اندر مدح او	مو دو نیمہ کردم و یک مو ندید از کس نشان
بعد ازین چون مور بندم بر در بے چون کمر	وز بُن ہر موے توفیقش کشایم صد زبان

پورا قصیدہ عرفات العاشقین مین درج ہے جس مین تقریباً ۵۰ اشعار ہین، منتخب التواریخ (جلد اول ص ۶۹-۷۶) مین بھی یہ قصیدہ ملے گا، گو اس مین کچھ کم یعنی ۴۴ اشعار ہین،

اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے مولانا شہاب الدین ہر قصیدہ مین کوئی نہ کوئی جدت ضرور پیدا کرتے ہین، چنانچہ مجمع النفائس کے مؤلف کا بیان ہے،

"فضلائے عصر بود ... در ہر قصیدہ طرز خاصے دارد ...... قدرت او از آنہا معلوم می شود"

بعض قصائد ایسے بھی کہے ہین جن مین خاص خاص حرف کے الفاظ مطلق استعمال نہین ہوئے ہین، مثلاً حسب ذیل قصیدہ کے ۴۳ اشعار کے کسی لفظ مین الف استعمال نہین ہوا ہے، طوالت کے خیال سے ہم پورے قصیدہ کو نقل کرنے سے قاصر ہین، اس لیے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

منہ بہ برگ سمن پیش لالہ و عنبر	زمشک سودہ مکن گرد نسترن چنبر

ببند حقہ لبد زرشتۂ لولو	مپوش تختۂ نقرہ بہ حلقۂ عنبر

محیط دولتِ گردون ئیکہ پیش کفش	چو رود خشک بود فیض دجلہ و کوثر

چو چوب عود بسوزد سپہر مجمرہ شکل	زکوزہ سخطش گرجہد بگینہ شرر

ز شرم کو ہر لفظ تو در دل معدن	نشستہ صد عرق شرم بر رخ گوہر

اسی صنعت مین سلطان رکن الدین کے دربار کے ایک امیر بہاء الدین کی شان مین بھی ایک قصیدہ ہے، اس کے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین ہین،

زہے چو مہر بجود و کرم شدہ مشہور	علوی قدر تو برتر ز گنبد معمور

نسیم خلقِ تو در حد شش جہت موصوف	بلند حیثیت تو در بزم نہ فلک مشہور

محیط علم و خرد ہم بہاء دین کز تو	حدیث خلق حسن گشت در زمین مذکور

نسیم طبع تو بر حرفِ معدلت موصوف	محیط کف تو بر فیض مکرمت مقصور

ز قدر تست معظم نمودہ مسند ملک	ز فر تست مقدس شدہ تجلی طور

مطیع حکم تو در شرق و غرب ترک و عرب	رہین عدل تو در بحر و بر وحوش و طیور

چو بحر و گنج بہر خط جود تو موصوف	چو بخت و عقل بہر بقعہ سعی تو مشکور

تو بے نظیر بے عدیل و کس نہ بیند نیز	عدیل عدل تو ہرگز مگر بروز نشور

ہندوستان مین اس قسم کے قصائد مصنوع کے لکھنے کا سہرا مولانا شہاب الدین ہی کے سر ہے۔

خلاصۃ الاشعار کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ان کے قصائد مصنوع ایران کے حکیم ابو علی جبائی کے قصائد کے ہم پلہ قرار دیے جا سکتے ہین،

ہندوستان کے شعراء مین حمد و نعت مین قصائد کہنے کی اولیت بھی غالبًا مولانا شہاب ہی کو حاصل ہوئی[1]، ان سے پہلے شعراء، سلاطین، وزراء اور امراء کی مدح سرائی مین قصیدہ نگاری کا سارا زور صرف کرتے تھے، لیکن مولانا شہاب نے حمد و نعت مین قصائد کہکر اس صنف شاعری مین مذہبی رنگ بھی پیدا کیا، حمد کے کچھ اشعار ہم پہلے نقل کر چکے ہین، اب ایک نعتیہ قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہین،

شہ تخت کن[2] محمد کہ سرادق شرف زد — بسوے در نہین، ز سراے ام ہانی رضی
بشرے ملک لطافت فلکی زمین تواضع — چو فلک بہ پاک جسمے چو ملک بہ پاک جانی
گہرے کہ بود جایش بخزانۂ الٰہی — قمرے کہ تافت نورش ز سپہر جاودانی
گہرے کہ قیمتی تر ز وجود او نیاید — بہ دلالت عناصر ز محیط آسمانی
قمرے کہ ہر سحرگہ چو شب سیاہ گیتی — ز خجالت عقیقش رخ کوکب یمانی
شکرین زبان رسولے کہ بود نجات امت — بہ عقیدۂ زبانش ز عقیلۂ زبانی
گہرین بیان فصیحے کہ فصاحت بیانش — چو ضمیر کان کند خون دل گنج شایگانی
ز جمال عارضش کم رخ آفتاب شرقی — ز قوام قامتش خم قد سرو بوستانی
بہ حساب گرفتہ رہ مالک الرقابی — بہ کلام بر کشادہ در صاحب القرانی
جذبات شوق باطن بمکاشفت کشیدہ — ز بسیط کائناتش بہ محیط لامکانی

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین رقمطراز ہین "ابو الفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے قصائد شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ، شہاب سے پہلے ہندوستانی شعراء کے کلام کا غور سے مطالعہ کرو، تم کو ایک قصیدہ بھی حمد یا نعت مین نہیں ملے گا، (ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء ص ۱۶۷)

[2] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۹۰، مین "کی" ہے، جو کتابت و طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

اس کے بعد خلفاے راشدین یعنی حضرت ابوبکرؓ (ابن ابوقحافہ) حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کا بھی ذکر ہے، جس مین تھوڑی سی ان کی منقبت بھی آگئی ہے،

بنوید دوست جانش شدہ مست برامیدش	پسر ابوقحافہ زدہ قحف دوستگانی
ربطی بنا فگندہ سخنش قضاے حق را	شدہ از پے سیاست عمرش بعدل بانی
قدم سیوم درین رہ ز پیش نہادہ مردے	کہ نزد غرور راہش بہ متاع این جہانی
شدہ رکن چارمینش علی آنکہ بدرگین	زشعاع ذوالفقارش رخ مہر زعفرانی
ملکا بحق یاران کہ مرا بہ یاری خود	زبلاے یارنادان ہمہ عمر رابہانی
زمن آنکہ این قصیدہ طلبیدہ باد جانش	چو قصیدہ ام مزیّن بجواہر معانی

پورے قصیدہ مین بلاغت بھی ہے اور فصاحت بھی، الفاظ کے دروبست سے قصیدہ مین بڑی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، شاید مولانا شہاب کے اسی قسم کے کلام کو دیکھ کر مخزن الغرائب کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"او فاضل وقت خود بود طبعی موزون و شعرے چون در مکنون داشت"[1]

ان قوافی کی دل آویزی سے متاثر ہو کر امیر خسرو نے اپنے استاد کے شاید تتبع مین ایک پر کیف غزل لکھی ہے، گو اس کی بحر مختلف ہے، ناظرین بھی اس غزل کے دو چار شعر سے لطف اٹھائین

ہمہ از جمال ساقی زشراب ارغوانی	کہ بیار تشنہ ام من نہ بہ آب زندگانی
تن من چو موم از آتش بگداخت در فراقت	بدلے چو سنگ خارا تو ہنوز ہمچنانی
چو نوید عشق دادی دل مردہ زندہ گردد	کہ غذاے روح باشد غم دوستان جانی
مشوا از صبا مشوش ز نفیر دردمندان	چو زغائبان مجلس خبرے بجا رسانی

[1] مخزن الغرائب قلمی نسخہ ورق ۱۹۲،

امیر خسرو اور عمید الدین سنامی نے استاد وقت مولانا شہاب کے تتبع مین حمد و نعت مین کئی قصائد کہے ہین، جن کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا،

حمد و نعت مین تصوف کے مسائل کا آنا ناگزیر ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ مولانا شہاب کے قصائد مین صوفیانہ رنگ بھی لامحالہ پیدا ہو گیا، جس کی بنا پر ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ مولانا شہاب ہی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انھون نے قصائد کو تصوف سے روشناس کیا، لیکن ہم کو مولانا شہاب کا کوئی ایسا قصیدہ نہین ملا جس مین انھون نے تصوف کے معارف و حقایق کا مستقل ذکر کیا ہو، البتہ ان کے حمد و نعت کے قصائد سے ان کے صوفیانہ جذبات کا ضرور اظہار ہوتا ہے، پروفیسر عبد الغنی رقمطراز ہین کہ مولانا شہاب کے جو اشعار تذکرون مین پائے جاتے ہین، ان مین زیادہ تر اخلاقیات اور روحانیات کا درس ہے، جو اپنے تخیلات کی رفعت اور اسلوب بیان کی شوکت و جزالت کے لحاظ سے بے مثل ہین، اور یہی قصیدہ گوئی کے محاسن ہین، تصوف کا اخلاق و روحانیت سے گہرا تعلق ہے، اس لیے مولانا شہاب کے کلام مین اخلاق و روحانیت کا عنصر بھی ہے، لہذا پروفیسر عبد الغنی نے جو کچھ کہا ہے، اس کو تسلیم کرنے مین کوئی تامل نہین، البتہ مولانا شہاب کا سارا کلام دستیاب ہو جاتا تو اور بھی وثوق کے ساتھ اس رائے سے اتفاق کیا جا سکتا تھا، کیونکہ مولانا شہاب کے علم و فضل سے توقع یہی کی جا سکتی ہے کہ انھون نے شاعری کو محض ذریعۂ تفریح نہین بنایا ہوگا، بلکہ خوشامد اور مداحی سے الگ ہو کر عشق حقیقی کی آگ سے دل کو گرمانے اور پند و موعظت سے اخلاق کو منوانے کی بھی کوشش کی ہوگی،

لیکن پروفیسر عبد الغنی نے نہ جانے یہ بات کیسے لکھ دی کہ عرفی نے ہندوستان آنے پر شہاب کے طرز نگارش اور تخیلی رجحان کا تتبع کیا۔ وہ بھی لکھتے ہین کہ ہمرہ کے قصائد مین جو زندگی کے مقاصد و نصب العین اور ذہن کی توانائیان ہین، وہ عرفی کے قصائد مین بھی بکثرت ہین، جس نے ہمرہ ہی کی طرح لمبے لمبے قصائد لکھے، یہ تو صحیح ہے کہ عرفی کے بعض قصائد ہمرہ ہی کی طرح طویل ہین لیکن طرز نگارش اور تخیلی رجحان مین دونون کا موازنہ کرنا ایک بیکار سی بات ہے، جہانتک دقت پسندی، زور کلام، طرز ادا کی جدت اور سنگلاخ زمینون مین

طبع آزمائی کا تعلق ہے، شہاب اور عرفی مین تھوڑا سا موازنہ ہو سکتا ہی، گو انکی بھی نوعیت بالکل جدا اور مختلف ہی،
عرفی نے اپنے مضامین کے زور اور اسلوب بیان کے اچھوتے پن مین الفاظ کی شان و شوکت، بندش کی چستی
خیالات کی رفعت، استعارات اور تشبیہات کی طرفگی، اور فصاحت و بلاغت کا ایسا زور شور دکھلایا کہ وہ ایک
طرز خاص کا موجد بن گیا جس سے مولانا شہاب کے قصائد کو کوئی مناسبت نہین، مولانا شہاب اپنے عہد کے مسلم
الثبوت استاد ضرور تھے، جیسا کہ ہم پہلے دکھلا چکے ہین لیکن بقول پروفیسر محمود شیرانی مرحوم "شہاب کا انداز،
علمیت، سنگلاخ زمین، صنعت لزوم مالا یلزم و دیگر صنائع ہین، یہ رنگ جو زیادہ تر چھٹی ساتوین صدی
مین مرغوب طبائع تھا، دسوین صدی مین عرفی اور اس کے معاصرین کو کیون پسند آنے لگا،[1]

پروفیسر عبد الغنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمرہ کے کردار کی شرافت اور دنیا سے بے نیازی نے ان کو سلاطین
کے سامنے جھکنے سے باز رکھا، اس لیے محض روپیے کی خاطر انھون نے کسی کی مداحی نہین کی، یہ صحیح ہے، گو مولانا
شہاب نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ اور اس کے بعض درباری امرا کی شان مین کچھ قصیدے ضرور کہے لیکن
یہ قصائد ان کی کم عمری کے زمانہ کے ہین، ان کے علم و فضل کے شہرہ کے بعد واقعی ان کی جبین نیاز کسی کے آستانہ
پر نہین جھکی، مگر پروفیسر موصوف کا بیان بھی تعجب انگیز ہے کہ گو عرفی ہندوستان دولت کی تلاش ہی مین آیا،
لیکن شہاب ہمرہ کی طرح اس نے قصیدہ گوئی کو اپنا پیشہ نہین بنایا، اور نہ انعام کی طلب مین وہ سلاطین و
امرا، کے دربار کا مشتاق رہا، پروفیسر موصوف نے حاشیہ مین خود یہ بھی لکھا ہے کہ عرفی نے شہزادہ سلیم (جہانگیر)
حکیم ابوالفتح، عبد الرحیم خانخاناں اور اکبر کی شان مین قصیدے کہے، جن کی سرپرستی نے اس کو دوسرون
سے بے نیاز کر دیا، تو پھر اس کو دوسرے امرا، و سلاطین کے دربارون مین جانے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی تھی،
یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنے غرور، کم ہمتی اور خود ستائی مین مختلف دربارون کی ناصیہ سائی کا اظہار
پسند نہین کیا، یہ ضرور ہے کہ وہ قصیدہ گوئی کو اچھا پیشہ بھی نہین سمجھتا تھا،

ع قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی

[1] رسالہ اردو جنوری سنہ ۲۳ء

لیکن پھر بھی وہ برابر قصیدے ہی کہتا رہا، اور اس کا نام آج تک اس کے قصیدون ہی کے بدولت روشن ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ اس نے اپنے قصیدون مین ادنی درجہ کی بھی مداحی اور چاپلوسی کا اظہار نہین کیا ہے، بلکہ مضمون آفرینی اور نازک خیالی کے ساتھ بڑی خودداری کا ثبوت دیا ہے، اور بقول مولانا شبلی "عرفی نے قصائد مین جس قسم کی خودداری کے خیالات کی ابتدا کی تھی، اگر اس کی طرف عام خیالات کا میلان ہوگیا ہوتا، تو شاید یہ صنف کسی اچھے کام کا مصرف بن جاتی" (شعرالعجم حصہ سوم ص ۱۱۴)

جہان تک قصیدہ گوئی سے اچھے کام کا مصرف لینے کا تعلق ہے، ہندوستانی شعرا مین یہ اولیت مولانا شہاب ہی کو حاصل ہے، کہ انھون نے قصیدہ کو حمد و نعت، اخلاق و تصوف سے روشناس کر کے اس صنف مین ایک نیا رنگ پیدا کیا، جس کو بعد کے شعراء نے چمکایا، اس لحاظ سے اس فن مین مذہبی، روحانی اور اخلاقی جذبات کے نشو و نما کا بھی کام لیا جانے لگا، اور اس کا سہرا مولانا شہاب ہی کے سر ہے،

ڈاکٹر اقبال حسین نے ان کے قصیدون پر عام تبصرہ کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے کہ ان کے قصیدے اب موجودہ مذاق کے مطابق نہین ہین لیکن جب یہ کہے گئے تو اس عہد کے تمام معاصرین نے ان کو عام طور پر پسند کیا اور اس کی تقلید کرنے کی بھی کوشش کی، یہ اپنی جدت طرازی اور دوسرے محاسن کی وجہ سے عہد یون تک مقبول رہے، ان مین تصنع ضرور ہے، لیکن مولانا شہاب نے اپنی جادوگری سے اس تصنع مین بھی شوکت اور رفعت پیدا کی، انھون نے ہر قصیدہ مین ایک نئی صنعت پیش کی، جو ان کی غیر معمولی ذہنی صلاحیت کا ثبوت ہے، ان کے قصیدے ان کی قادر الکلامی لفظی صناعی اور اختراع کے بہترین نمونے ہین، ..... جن کی بنا پر یہ بلا شک و شبہہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے عہد مین فارسی شاعری پر غیر معمولی طریقہ پر اثر انداز ہوئے، اور آج بھی اپنی جدت طبع اور قصیدہ گوئی پر بے مثل مہارت رکھنے کی وجہ سے یاد رکھنے کے قابل ہین،

اس مضمون کے شروع مین ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا شہاب کی وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہین

ہوسکی ہے، لیکن اس "سلیمان ممالک سخن" اور "غیرت بوتمام وبحتری" کی وفات بدایون میں ہوئی اور یہیں وہ پیوند خاک ہوئے، ان ہی کے پہلو میں ان کے شاگرد حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی (المتوفی ۷۵۱ھ) کا مزار شریف ہے۔[۱]

تاج الدین ریزہ اور مولانا شہاب الدین مہرہ کے شاعرانہ کمالات کی تفصیل لکھنے میں سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی علم نوازی کا ذکر ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا، حالانکہ اس کی مدت حکومت مشکل سے سات مہینے رہی، لیکن اس مختصر زمانہ میں اس کی علمی سرپرستی لائق تحسین رہی، اسی کے حکم سے امام رازی کی عربی تصنیف سر مکتوم کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا،[۲] یہ سرپرستی اس کی داد و دہش کا نتیجہ ہے، جس کا ذکر تمام مورخوں نے کیا ہے، طبقات ناصری کے مولف کا بیان ہے کہ

"درعطا و سخا حاتم ثانی بود و انچہ او کرد از بذل اموال و شرفاے وافرہ وکثرت عطایا در ہیچ عہد ہیچ بادشاہ نکرد" (ص ۱۸۴)

ایسے فیاض فرمانروا کے عہد حکومت میں شعراء و فضلاء کی غیر معمولی سرپرستی کی توقع کی جاسکتی تھی لیکن زمانہ کو کچھ اور ہی کروٹ لینا تھا، اس لیے ارباب علم اس سلطان کی فیاضیوں اور زرپاشیوں سے سیراب ہو چلے تھے کہ یکایک محروم ہوگئے۔

---

[۱] رسالہ برہان نومبر ۱۹۵۱ء [۲] رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۳ء ص ۹۵

رضیہ

سنہ ۶۳۴-۶۳۷ھ
۱۲۳۶-۱۲۴۰ع

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد رضیہ دہلی کے تخت پر ۶۳۴ھ مین جلوہ افروز ہوئی، وہ ہندوستان کی پہلی حکمران خاتون تھی، اس مین حکمرانی کے تمام اوصاف موجود تھے، طبقات ناصری مین ہے کہ

"بادشاہ بزرگ و عاقل و عادل و کریم و عالم نواز و عدل گستر و رعیت پرور و لشکر کش بود" (ص ۱۸۵)

ظاہر ہے کہ یہ تمام محاسن ایک خاتون مین اسی وقت جمع ہوسکتے ہین جبکہ اس نے اعلیٰ تعلیم و تربیت بھی پائی ہو، سلطان شمس الدین التمش کا دربار علوم و فنون کا گہوارہ رہا، اس لیے کوئی تعجب نہین کہ اس نے اپنے عہد کے معیار کے مطابق ہر قسم کی تعلیم پائی ہو، سلطان شمس الدین التمش نے اس مین حکمرانی کے تمام آثار پائے تھے، اسی لیے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، لیکن وہ التمش کے بعد تو نہین، مگر اپنے بھائی رکن الدین فیروز کی چھ سات مہینے کی حکومت کے بعد تخت پر بیٹھی، یہ زمانہ ایسا تھا کہ عام طور سے لوگ کسی خاتون کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے، اس لیے اس کے اوصاف حمیدہ اس کے کام نہین آئے، جیسا کہ طبقات ناصری کے مؤلف نے لکھا ہے،

"چون از حساب مردان در خلقت نصیب نیافتہ بود این ہمہ صفات گزیدہ

چہ سود شس کند" (ص ۱۸۵)

اس کی حکومت تین سال سے کچھ زیادہ رہی لیکن مورخوں نے اس کی تاریخ کچھ ایسے انداز میں لکھی ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت صرف انتشار میں گذری، طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ وہ "عالم نواز" تھی، خود مولف مذکور بھی اسکی علم پروری کے رہین منت رہے، کیونکہ ۶۳۵ھ میں وہ گوالیار سے دہلی آئے تو رضیہ نے دہلی کے مدرسۂ ناصریہ کا اہتمام ان ہی کے سپرد کیا، اس کے ساتھ گوالیار کی قضاۃ بھی ان ہی کے پاس رہی[۱]، لیکن انھوں نے اپنی تاریخ میں رضیہ کی علم نوازی اور علم پروری کی کوئی تفصیل نہیں لکھی ہے، صرف "عالم نواز" لکھنے ہی پر اکتفا کیا ہے، تاریخ مبارک شاہی میں بھی اس کی علمی سرپرستی کا کوئی ذکر نہیں، البتہ عہد مغلیہ کے بعض مورخوں نے اس کے علمی اوصاف کا ذکر کیا ہے، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ

"سلطان رضیہ ایسے تمام اوصاف سے مزین تھی، جو ایک عاقل اور صاحب رائے بادشاہ کے لیے ضروری ہیں، اصحاب نظر اس میں سوائے اس کے کہ وہ عورت تھی، کوئی اور عیب نہیں پاتے تھے، وہ قرآن مجید پورے آداب کے ساتھ پڑھا کرتی تھی، اور دوسرے علوم سے بھی آگاہی رکھتی تھی، اپنے باپ کے زمانہ ہی سے ملکی معاملات میں دخل دیا کرتی اور فرمانروائی کیا کرتی تھی، سلطان (یعنی التیمش) اس کی عقل و فراست اور فرزانگی دیکھ کر مانع نہ ہوتا[۲]"

اس عہد کے علماء و شعراء میں سے صرف دو کے نام طبقات ناصری کے مؤلف نے لیے ہیں،

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۸۸، رضیہ ہی کے زمانہ میں دہلی کے ایک دوسرے تعلیمی ادارہ کا نام مدرسۂ معزی تھا، ایضاً ص ۱۸۹، مدرسۂ ناصریہ کو غالباً شمس الدین التیمش ہی نے اپنے بڑے لڑکے ناصرالدین محمود کی وفات پر اسکے نام سے قائم کیا تھا

[۲] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۸، واضح رہے کہ ترجمہ بالکل لفظی نہیں ہے، اس کتاب میں جہاں بھی فارسی اقتباسات کے ترجمے نظر آئیں ان کو بھی بالکل لفظی نہ سمجھنا چاہیے،

ایک نصیر الدین ایتم بلارامی، اور دوسرا امیر امام ناصر، موخر الذکر کے نام کے ساتھ شاعر لکھا ہے، التمش کے عہد مین ہم ایک شاعر خواجہ ابو نصر ناصری کا ذکر کر چکے ہین، اورنٹیل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۹ء) کے ایک مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ وہی ناصری شاعر ہو، جو بعد مین ترقی کر کے امیر اور امام کے اعلی مراتب تک پہنچ گیا ہو، لیکن یہ سب کچھ ثبوت کا محتاج ہے، پہلے یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ رضیہ جب شہزادی تھی تو تاج الدین ریزہ نے اس کی شان مین ایک قصیدہ کہا تھا، لیکن اس کی حکومت کے دور مین تاج الدین ریزہ کے کسی قصیدہ کا ذکر نظر سے نہین گذرا، ظاہر ہے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد رضیہ کی مدح سرائی کی ہو گی، لیکن ممکن ہے کہ وہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے محبوب شاعر ہونے کی وجہ سے رضیہ کی نظرون مین معتوب رہا ہو،

علماء مین نصیر الدین ایتم بلارامی کی علمی فضیلت کا حال تو معلوم نہ ہو سکا، البتہ ان کے مجاہدانہ کارنامہ کا ذکر طبقات ناصری مین ہے، رضیہ کے اوائل عہد مین قرامطہ اور ملاحدہ نے نور ترک کی سربراہی مین دہلی مین قتل و خون کا بازار گرم کیا، تو اس وقت مولانا نصیر الدین ایتم بلارامی مسلح ہو کر گھر سے نکل کر جامع مسجد کے پاس پہنچے، اور قرامطہ اور ملاحدہ سے لڑکر ان کو کیفر کردار تک پہنچایا،[۲]

[۱] طبقات ناصری ص ۱۸۹ [۲] ایضاً

معزالدین بہرام شاہ

۶۳۷-۶۳۹ھ
۱۲۴۰-۱۲۴۲ء

رضیہ کے بعد اس کا بھائی معزالدین بہرام شاہ تخت پر بیٹھا، اس کی حکومت کل دو سال ڈیڑھ مہینہ رہی، ظاہر ہے کہ اس قلیل مدت میں اس کی علمی سرپرستی کی کچھ زیادہ تفصیل نہیں ہو سکتی ہے، طبقات ناصری کے مؤلف نے اس کو ایک "خونخوار" حکمران لکھا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اسکی کچھ خوبیاں بھی بیان کی ہیں، رقمطراز ہیں:

"......... اما چند اوصاف گزیدہ و اخلاق پسندیدہ داشت و در ذات خود شرمگین و بے تکلف بود و ہرگز از حلے و حلل کہ آئین بادشاہان دنیا باشد با خود نداشتے و در کمر و ساحت و علم باین زینہا رغبت بنودے" (ص ۱۹۱)

معزالدین بہرام شاہ جس روز تخت پر بیٹھا تو ظاہر ہے کہ قدیم دستور کے مطابق شعراء نے اس کی شان میں بھی قصائد کہے، اس موقع پر مولانا منہاج سراج (صاحب طبقات ناصری) نے حسب ذیل قطعہ کہا،

زہے در شان تو منزل ز لوح آیات سلطانی | ببین در رایت شاہی علامات جہان بانی
معزالدین الدنیا مغیث الخلق تا خلقی | سلیمان سانت در فرمانت ہم انسی و ہم جانی
اگر سلطانی ہند است ارث دودہ شمسی | بحمداللہ ز فرزندان توئی التمش ثانی

چو دیدنت ہمہ عالم کہ برحق وارث ملکے | درت را قبلہ گر کردند ہم قاضی وہم دانی
چو منہاج سراج این است خلقان را دعائے تو | کہ یارب بر سرِ ملک دولت جاودان مانی
بہ عہدت راست چون نیزہ چنان گردد ہمہ عالم | کہ جز در طرۂ پرچم نہ بیند کس پریشانی

سلطان اور مولانا منہاج سلطان مولانا منہاج سراج کا بڑا معتقد تھا۔ ۶۳۹ھ مین مغلون نے لاہور پر یورش کی اور وہان کے مسلمانون کو شہید کیا تو سلطان نے متاثر ہو کر دہلی مین اپنے محل قصر سپید مین مسلمانون کا ایک بڑا اجتماع کیا، اور مولانا منہاج سے ایک وعظ کہنے کی فرمایش کی، مولانا ہندوستان آنے سے پہلے چنگیزی فتنہ کی تباہ کاریان خراسان وہرات مین دیکھ چکے تھے، اس لیے اس موقع پر ایسی مؤثر تقریر کی کہ امراء آپس کے اختلاف دور کر کے مغلون کی یورش روکنے کے لیے کمربستہ ہو گئے، اسی سال سلطان نے مولانا منہاج کو دہلی اور تمام سلطنت کا قاضی بنایا، اور بہت سی عنایتون سے سرفراز کیا[۱]۔

سلطان اور حضرت ایوب ترکمانی سلطان کو حضرت ایوب ترکمانی سے بھی بڑی عقیدت پیدا ہو گئی تھی، ان کے بارہ مین مولانا منہاج فرماتے ہین،

"درویشے ترکمان بود، ایوب نام، مردے زاہد و گلیم پوش، مدتے در قصر حوض سلطان باعتکاف نشستہ، واز آنجا اورا بہ خدمت سلطان معزالدین تقرب افتاد، سلطان را بدو ارادتے پیدا شد۔"

سلطان کی گرویدگی ان سے اور بڑھی، تو وہ سلطنت کے معاملات مین بھی دخل دینے لگے، وہ جیسا کہ مولانا منہاج کا بیان ہے۔ قاضی شمس الدین مہر[۲] سے برگشتہ خاطر تھے اور ان ہی کے اشارہ سے قاضی شمس الدین ہاتھی کے پاؤن سے کچلوا دیے گئے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ درویشی

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۹۵ [۲] نزہۃ الخواطر مین ان کو مارہروی لکھا گیا ہے، اور مارہرہ کا قاضی بنایا گیا ہے، ج ۱ ص ۱۶۷،

کے شایانِ شان نہ تھا، اس سے عام طور سے سلطان کے خلاف بھی برہمی پیدا ہوگئی، سلطان سے برگشتگی کے اور بھی اسباب پیدا ہوتے گئے، یہان تک کہ بعض امرانے اس کو معزول کردینے کا آپس مین عہد کیا، یہ فتنہ زیادہ بڑھا تو شیخ الاسلام سید قطب الدین نے مداخلت کرنی چاہی، لیکن ان کو کامیابی نہین ہوئی،[1] فرشتہ کو سید قطب الدین کے نام سے غلط فہمی ہوئی ہے، اور وہ ان کو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سمجھتا ہے، چنانچہ تاریخ فرشتہ مین ہے:

.......القصہ آن فرمان را نظام الملک مہذب الدین با امراے لشکر نمودہ

در عزل سلطان با خود متفق ساخت، چون سلطان را برین حال اطلاع افتاد، خدمت شیخ

الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی را بہ تکلیف تمام برائے تسلی امرا فرستادہ وامرا ہیچ

وجہ تسلی نہ شدند وشیخ برگشتہ بدہلی آمد"[2]

یہ روایت اس لیے صحیح نہین ہوسکتی ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کا وصال التتمش کی زندگی ہی مین ہوچکا تھا،

سلطان کے خلاف فتنہ کو فرو کرنے کے لیے علماء وفضلا بھی بیچ مین پڑے لیکن ان کی جد وجہد بیکار ثابت ہوئی، طبقات ناصری مین ہے:

"داعی دولت منہاج سراج وائمہ کبار شہر در اصلاح وتسکین آن فتنہ بسیار

جد وجہد نمودند، بہ ہیچ وجہ قرار نگرفت" (ص ۱۹۶)

اس فتنہ مین بعض مفسدون نے سلطان کے وزیر خواجہ مہذب الدین کے اشارہ سے مولانا منہاج پر بھی قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ محفوظ رہے، بالآخر اسی شورہ پشتی کے زمانہ مین سلطان بہرام ہلاک ہوا،

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۶ [2] تاریخ فرشتہ ج اص ۷۰، یہی بات طبقات اکبری ج ۱ (ص ۷۰) مین بھی لکھی ہے،

جلال الدین کاشانی

اس عہد کے جید اور ممتاز علماء مین قاضی جلال الدین کاشانی کا ذکر خاص طور پر کیے جانے کے لائق ہے۔ وہ دہلی کے قاضی تھے لیکن بہرام شاہ نے ۶۳۹ھ مین انھین معزول کر دیا[1] اس کے بعد وہ اودھ چلے گئے، جہان عہدۂ قضاۃ کی خدمت انجام دیتے رہے، بہرام شاہ کے بعد علاء الدین مسعود تخت پر بیٹھا، تو اس نے قاضی جلال الدین کاشانی کو اودھ سے بلا کر لکھنوتی سفارت مین بھیجا، اور وہان بھیجنے سے پہلے ان کو خلعت اور چتر لعل دے کر ان کی قدردانی کی[2]، وہ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ مین صدر جہان کی خدمت پر مامور کیے گئے، اور اپنی وفات (۶۴۸ھ) تک یہی خدمت انجام دیتے رہے،

علاء الدین مسعود شاہ

سلطان علاء الدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ نے چار سال ایک مہینہ تک حکومت کی لیکن اس کے عہد کی تفصیل کچھ زیادہ نہین مل سکی، اس لیے ایک علیحدہ عنوان قائم کرنے کے بجائے ہم صرف چند سطرون مین اس کا بیان ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

مولانا منہاج

سلطان علاء الدین مسعود شاہ کی حکومت کا ابتدائی دور طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج کے لیے سازگار نہین تھا، وہ اپنے عہدۂ قضاۃ سے علیحدہ ہو کر ۶۴۰ھ میں[3] لکھنوتی کے لیے عازم ہوئے، دہلی سے نکلے تو بداؤن پہنچکر تاج الدین تغلق سے ملے، وہ ان سے بڑے لطف و کرم سے پیش آیا، پھر اودھ آئے، جہان کے حاکم قمر الدین نے بھی ان کی بڑی پذیرائی کی، اسی زمانہ مین طغان خان عز الدین طغرل لکھنوتی اپنے لشکر کے ساتھ جا رہا تھا، مولانا منہاج اپنے اہل و عیال کو اودھ مین چھوڑ کر اس سے کڑہ مین جا ملے، ذی الحجہ ۶۴۰ھ مین لکھنوتی پہنچے، یہان دو سال تک طغان خان کے الطاف و اکرام سے فیضیاب ہوتے رہے، ۶۴۳ھ مین جب طغان خان دہلی طلب کیا گیا تو مولانا منہاج

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۴ [2] ایضاً ص ۱۹۹ [3] سلطان علاء الدین مسعود نے مولانا منہاج کی جگہ پر شیخ عماد الدین محمد شفور خانی کو دہلی کا قاضی مقرر کیا۔

اس کی معیت مین دہلی تشریف لائے، اس وقت الغ خان جو بعد مین غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا، امیر حاجب تھا، اس نے مولانا منہاج کی بڑی قدر دانی کی، اور ان کو ان کے پہلے عہدہ پر پھر سے مامور کیا، یعنی وہ مدرسۂ ناصریہ کے اوقاف کے متولی، گوالیار کے قاضی اور جامع مسجد کے خطیب بنائے گئے، اور اسی کے ساتھ ایسے اعزاز بھی عطا کیے جو پہلے کسی کو نہ ملے تھے،[۱] گو سلطان علاء الدین مسعود شاہ نے اپنے ابتدائی عہد مین ان کو تکلیف پہنچائی لیکن یہ ان کی نیک نفسی کی دلیل ہے کہ ان کا قلم سلطان کے اخلاق حمیدہ کی تعریف کرنے مین بالکل نہین رکا، چنانچہ اس کا ذکر ان فقرون سے شروع کرتے ہین،

"سلطان علاء الدین مسعود شاہ پسر سلطان رکن الدین فیروز شاہ بود، بادشاہ زادۂ کریم و نیکو خلق بود و بہمہ اوصاف حمیدہ موصوف" (طبقات ناصری ص ۱۹۷)

---

[۱] طبقات ناصری میں خود مولانا منہاج فرماتے ہین" واین داعی را اسپ و سنام تشریفی فرمودہ کہ ہیچ از ابنائے جنس مثل آن نیافتہ بود" (ص ۲۰۰)

ناصِرُالدّین محمُود

۶۴۴-۶۶۴ھ

۱۲۴۶-۱۲۶۵ء

شمس الدین التتمش اپنے بڑے لڑکے ناصرالدین محمود کو بہت ہی عزیز رکھتا تھا، مگر اس کا انتقال التتمش کی زندگی ہی مین ہو گیا تھا، لیکن جب اس کا سب سے چھوٹا لڑکا پیدا ہوا، تو اس نے اپنے بڑے لڑکے ہی کے نام پر اس کا نام بھی ناصرالدین محمود رکھا، اور اس کی تعلیم و تربیت خاص طور پر کی،

ناصرالدین محمود کی صالح اور سلیم طبیعت مین بعض ایسے پاکیزہ اوصاف پیدا ہوئے کہ مورخین نے ان کو بڑی گرم جوشی سے بیان کیا ہے، طبقات ناصری کے مؤلف رقمطراز ہین کہ اس مین انبیا کے اخلاق اور اولیا اللہ کے اوصاف تھے، پھر اس کے تقویٰ، دیانت، زہد، سخاوت، عدل پروری، بردباری اور دوسرے محاسن کا ذکر کرکے لکھتے ہین کہ عہد ماضی مین ایسا بادشاہ نہین گزرا، کاش ان اوصاف و محاسن کا اجمالی ذکر کرنے کے بجائے ان کی تفصیل لکھ دی جاتی تو اس بادشاہ کی سیرت کس قدر روشن اور قابل قدر نظر آتی لیکن مؤلف مذکور نے کچھ ایسا اختصار سے کام لیا ہے کہ اس نیک دل، پاک طینت اور فرشتہ خصلت بادشاہ کے اخلاق و سیرت کی تفصیل اتنی نہین لکھی جا سکتی جتنی کہ چاہیے، بہرحال اس معاصر تاریخ کے

[1] طبقات ناصری ص ۲۰۲

علاوہ بعد کی تاریخوں کی مدد سے بھی اس فرمانروا کی تصویر حتی الامکان واضح کرنے کی کوشش کیجائیگی،
جب وہ تخت پر سنہ ۶۴۴ھ میں بیٹھا تو ارکان سلطنت کے علاوہ سادات و علماء نے بھی آکر
اس کو مبارکباد پیش کی[۱]، شعرا نے بھی اس موقع پر اس کی مدح میں قصاید کہے اور انعام پائے[۲]،
طبقات ناصری کے مولف نے جو اس زمانہ کے جید عالم، قابل قدر مورخ اور بلند پایہ شاعر بھی
تھے سلطان کی خدمت میں ایک قصیدہ اور قطعہ گذرانا، پہلے قصیدہ کے کچھ اشعار
ملاحظہ ہوں:-

آن شہنشاہے کہ حاتم بذلی و رستم کوشش است ناصر دنیا و دین محمود بن التمش ست

آن جہان دارے کہ سقف چرخ از ایوان او در علو یکم نبت گوئی فرو دین پوشش است

فرق فرقد سادہ است و دست پائے دولتش فر تاج است و نگین و زیب تخت و باش است

سکہ را از القاب میمونش چہ اللہ از است فخر خطبہ را از اسم ہمایونش چہ مایہ نازش است

راحت دلہا است روح عہد او با شرح خلق بندگی در دو دانش زانکہ در آمیزش است

چاکر ایوان او ہر جا کہ ترک و تازگی بندۂ فرمان او ہر جا کہ ہند و گبرش است

وارث ملک بحق دیدش ز سلطان شمس الدین ہر کرا ز انصاف در چشم بصیرت بینش است

دولتش حساد را در ہر زمان عہد شومت است صولتش احباب را در ہر مکان عہد راحش است[۳]

قطعہ کے اشعار یہ ہیں:-

شاہ را چو نام خویشش عاقبت محمود باد نصرت و تائید حق با عزم او مسدود باد

دوستان را ازی بقا و دشمنان را ازی فنا نفع و ضر در بخشش و در کوشش موجود باد

در جہان باب امان از عدل او مفتوح باد باب بے دادی بہ عہدش مغلق و مسدود باد

---

[۱] طبقات ناصری ص ۲۰۸ [۲] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۱ [۳] پورا قصیدہ طبقات ناصری کے ص ۲۰۴-۲۰۲ پر دیکھیے

چون حسودش شد بطالع از فلک منحوس ورد / طالع او در پناہ ایزدی مسعود باد

سفرۂ ملک جہان را دودۂ او شمع بس / چہرۂ اعدائے او در دیدہا چون دود باد

اہل ایمان را ز چتر دراتیش امن و امان است / سایہ بان دین حق اندظل شان ممدود باد

مقصدش بر فضل حق چون تکیہ گر دارد مدام / بے توقف شاہ را حاصل ہمہ مقصود باد

خاتم سرش چون نقش عدل و احسان یافتہ است / شاہد بخت جوان بر تاج او مشہود باد

در نقش بر مدت احمد مبارک آمدہ است / ملک محمودی بہ میمونی مسلم زود باد

داعی دین سلطنت منہاج را ور دین دعا / تا کہ باد و خاک و آب و آتش است موجود باد

درویشانہ زندگی | ناصر الدین محمود تخت پر بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا، لیکن اس کی زندگی درویشانہ رہی، اس لئے اس نے اپنے ذاتی اخراجات کا بار شاہی خزانے پر نہین ڈالا، وہ اچھے قسم کا خطاط تھا، کلام پاک کی کتابت کیا کرتا، اور اس کا جو ہدیہ ملتا، اسی سے گذارہ کرتا، تاریخ فیروز شاہی مین ہے،

"...... سلطان ناصر الدین کہ طبقات بنام اوست بادشاہے، حلیم و کریم بود، و بیشتر نفقہ خود از وجہ کتابت مصحف ساختی۔" (ص ۲۶)

تقریباً ان ہی الفاظ کے ساتھ سیر الاولیاء کے مولف نے بھی لکھا ہے کہ

"سلطان ناصر الدین کہ طبقات ناصری بنام اوست بادشاہ حلیم و کریم بود و متعدد و بیشتر وجہ معاش خود از وجہ کتابت مصحف ساختے۔" (ص ۵۱)

ابن بطوطہ رقمطراز ہے:

"یہ بادشاہ نہایت نیک چلن تھا، قرآن شریف کی کتابت کرکے اسکی قیمت سے گزارہ کرتا تھا، قاضی کمال الدین نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف مجھے دکھایا، خط اچھا تھا اور

لہ طبقات ناصری ص ۲۰۵، ۲۰۴

کتابت منشیانہ تھی" (اردو ترجمہ ص ۷۲)

طبقات اکبری مین ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود سال مین دو کلام پاک کی کتابت کرتا اور ان ہی کے ہدیے سے اپنے اخراجات کی کفالت کرتا، ایک بار ایک امیر نے اس خیال سے کہ سلطان وقت کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف ہے، اس کی قیمت معمول سے کچھ زیادہ دی، سلطان کو یہ معلوم ہوا تو اس کو یہ ناگوار گذرا، اور آیندہ وہ خفیہ طور پر اپنا لکھا ہوا مصحف بازار بھیجتا، تاکہ اس کو وہی ہدیہ ملے جو عام طور سے بازار مین دیا جاتا ہے،[1]

ظاہر ہے کہ اس قلیل آمدنی مین اس کی زندگی کیسی عسرت اور تنگی مین گذرتی ہوگی، اس کے محل مین کوئی خادمہ نہ تھی، ایک روز اس کی بیوی نے اس سے شکایۃً کہا کہ جب مین آپ کے لیے روٹی پکاتی ہون تو میرے دونون ہاتھ جل جاتے ہین، اور ان مین آبلے پڑ جاتے ہین، سلطان یہ سن کر رونے لگا، پھر اس نے یہ کہا کہ دنیا گذر جانے والی ہے، یہان اس تکلیف کو برداشت کرکے صبر کرو، قیامت مین خداوند تعالیٰ اس کے اجر مین تم کو تمھاری خدمت کے لیے ایک حور دیگا، ابھی تو مین بیت المال سے تمھارے لیے کوئی کنیز نہیں خرید سکتا، سلطان کی بیوی نے یہ سن کر اس سے اتفاق کیا،[2] واضح رہے کہ سلطان کی بیوی الغ خان (غیاث الدین بلبن) کی لڑکی تھی، یہ الغ خان وہی ہے جس کے دبدبہ وحشمت اور شان وشوکت کی کوئی حد نہ تھی،

حب رسول اس تقویٰ اور کسر نفسی کے ساتھ اس پر حب رسول کا بھی بڑا غلبہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا زبان پر لانے مین حد درجہ احترام کرتا، اس کے ایک ندیم خاص کا نام محمد تھا، وہ اس کو ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا، ایک روز اس نے اس کو تاج الدین

---

[1] طبقات اکبری ص ۷۷، منتخب التواریخ مین ج ۱ ص ۹۰ پر ہے "... خود بخفیہ می نوشت تا کسے خط او را نداند وزیادہ از بہا نخرد" [2] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۰ و طبقات اکبری ج ۱ ص ۷۷

کہہ کر پکارا، وہ آیا اور شاہی حکم کی تعمیل کر کے گھر گیا، تو تین دن تک سلطان کی خدمت مین حاضر نہ ہوا، سلطان نے اس کو گھر سے بلا بھیجا، اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، تو اس نے عرض کیا کہ خداوند جہان مجھے ہمیشہ محمدؐ کے نام سے پکارا کرتے تھے، اس روز خلاف عادت مجھ کو تاج الدین کے نام سے پکارا گیا، تو مین یہ سمجھا کہ مجھ سے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے، اس لیے مین نے اپنی صورت نہین دکھائی، اور یہ تین روز مین نے بڑی بے چینی اور بے قراری مین گذارے، سلطان نے قسم کھا کر کہا کہ مین تم سے بدگمان نہین ہون، لیکن جب مین نے تم کو تاج الدین کہہ کر پکارا تھا، تو اس وقت مین باوضو نہ تھا، مجھے شرم آئی کہ محمدؐ کا نام بے دھوئے لون[1]،

لینت اور مروت

سلطان کی طبیعت مین لینت اور مروت بھی انتہا درجہ کی تھی، ایک روز وہ کلام پاک کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک سائل اس کے پاس آیا، اس کی نظر ایک ایسی جگہ پر پڑی جہان فیہ فیہ مکرر لکھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ اس جگہ ایک فیہ زائد ہے، سلطان نے قلم و دوات لیکر ایک فیہ کے گرد حلقہ کھینچ دیا، اور سائل کی حاجت روائی کر کے اس کو رخصت کر دیا، اور جب وہ چلا گیا تو سلطان نے قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا، ایک غلام کھڑا ہوا یہ دیکھ رہا تھا، اس نے سلطان سے پوچھا کہ ایک بار حلقہ کھینچنے اور پھر اس کو دوبارہ مٹانے مین کیا حکمت تھی، سلطان نے کہا کہ وہ ایک سائل کی حیثیت سے آیا تھا، اگر مین اس کی تردید کرتا تو وہ شرمندہ ہوتا، اسی لیے مین نے اس کی خاطر ایک حلقہ کھینچ دیا، اور پھر اس کو مٹا دیا کہ غبار دل دور کرنے سے کاغذ کے نقش کو مٹانا بہت آسان ہے[2]،

اوصاف حمیدہ

عہد مغلیہ کے مورخون مین ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اس سلطان کے عجیب و غریب قصے خلفائے راشدین کے حالات زندگی سے ملتے جلتے ہین، اس نے گو

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۸۴، [2] ایضاً

بائیس ۲۲ برس تک حکومت کی لیکن زندگی مین درویشانہ شان برابر قائم رہی، دربار عام مین آتا تو شاہانہ لباس مین ملبوس رہتا لیکن دربار ختم کرنے کے بعد اپنے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیتا۔[1] بڑی بڑی فوجی مہم مین بھی شریک ہوا لیکن اس کا زیادہ تر وقت عبادت، ریاضت، تلاوت کلام پاک، شب بیداری اور ذکر اللہ مین گذرتا۔[2] اس کو بادشاہت کی کوئی ہوس نہ تھی، اسی لیے آخر مین اس نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے وزیر اور خسر الغ خان کے سپرد کردی تھی، جو آگے چل کر غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کا فرمان روا بھی ہوا لیکن ناصر الدین نے یہ امانت سپرد کرتے وقت اپنے وزیر سے یہ ناصحانہ اور عارفانہ بات کہی کر

"اپنے تمام اختیارات کی باگ ڈور تمھارے ہاتھ مین دیتا ہوں لیکن کبھی تم کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ کل خدا کے حضور مین اس کا جواب نہ بن پڑے، اور اپنے ساتھ مجھکو بھی شرمندہ کرو۔"[3]

لیکن اس کی اس شان استغنا کے باوجود اس کے دور حکومت کا ذکر آیندہ نسلون نے بڑے فخر و مباہات سے کیا ہے، چنانچہ امیر خسرو رقمطراز ہین:-

بمحمودی شہ روے زمین گشت	بگیتی ناصر دنیا و دین گشت
بسال بیست زاوج پایۂ خویش	جہان می داشت اندر سایۂ خویش
عجب عہدے ہمہ در کامرانی	بہر خانہ نشاط و شادمانی
نہ کس دادے کمند کینہ را تاب	نہ کس دیدے خیال فتنہ در خواب
مسلمان چیرہ دست و ہندوان رام	نہ دانستے کس از جنس مغل نام

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۸۹ [2] منتخب التواریخ مین ہے "خود اکثر اوقات در حجرہ رفتہ بعبادت و تلاوت و ذکر حق سبحانہ تعالی مشغول می بود" (ص ۸۹، ج ۱) [3] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۸۹

شہے در ذاتش از یزدان شکوہے | ہم از سنگ و ہم از گوہر چو کوہے
خود او مستغرق کار الٰہی | بامرش بندگان در کار شاہی
چنین تا دور او ہم بر سر آمد | جہان را نوبتے دیگر در آمد[1]

مودت مشائخ | سلطان ناصر الدین محمود پر اس کے باپ سلطان شمس الدین التمش کا مذہبی رنگ غالب تھا، اور پھر ایک عابد شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار کی حیثیت سے اس کا جو خاص انداز طبیعت بن گیا تھا، اس کی بنا پر یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کو مشائخ اور علماء سے کیسا شغف رہا ہوگا، طبقات ناصری میں ہے کہ اس کو مشائخ سے بڑی "مودت" اور علماء سے بڑی "محبت" تھی،[2] فرشتہ کا بیان ہے کہ

"صلحاء و علماء را دوست داشتے"۔ (ج ۱ ص ۷۱)

لیکن افسوس ہے کہ جن صلحاء و مشائخ سے اس کے خاص تعلقات تھے، ان کا ذکر مورخون نے نہین کیا ہے، حالانکہ وہ اپنے باپ ہی کی طرح اکابر صوفیہ اور مشائخ کا گرویدہ و شیفتہ رہا ہوگا، بلکہ بزرگان چشت مین سے کسی سے بیعت بھی کی ہوگی، تذکرون مین سے مراۃ الاسرار مین ہے کہ

"ویرا بخدمت گنج شکر اعتقاد تمام بود"۔ (ورق ۳۱۴)

خزینۃ الاصفیا مین ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے نکاح مین الغ خان کی لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھین، خزینۃ الاصفیا گو حال کا تذکرہ ہے، لیکن غیر مستند نہین سمجھا جاتا، اس کی یہ روایت کسی قدیم مستند ماخذ ہی پر مبنی ہوگی، الغ خان کی ایک لڑکی سلطان ناصر الدین محمود کی ملکہ بنکر بھی جب عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہی تھی تو کیا تعجب کہ الغ خان نے درویشون کے سلطان بابا فرید الدین گنج شکر کے حبالۂ عقد مین اپنی ایک لڑکی دیکر اس کو بھی فقر و فاقہ کی

---

[1] مثنوی دول رانی خضر خان مطبوعہ علی گڈہ ص ۵۰ - ۹۴ [2] طبقات ناصری ص ۲۰۷

زندگی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آمادہ کرلیا ہو، اس لحاظ سے سلطان ناصر الدین محمود حضرت بابا صاحب کا ہمزلف ہوا، دونوں میں اور گہرے تعلقات پیدا ہو گئے ہوں گے لیکن ان تعلقات کا ذکر معاصر تاریخوں اور تذکروں میں کہیں نہیں ہو ملفوظات خواجگان چشت میں ایک دو روایتیں ایسی ضرور ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا صاحب سے بڑی عقیدت تھی، بلکہ خواجگانِ چشت بھی اس کا احترام کرتے تھے، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے اس کے نام کے ساتھ انار اللہ برهانہ اور رحمۃ اللہ علیہ کے تعظیمی الفاظ استعمال کیے ہیں، جو عموماً صلحا، و اخیار کے لیے لکھے جاتے ہیں. فوائد الفواد میں ان ہی کی زبان مبارک سے یہ روایت ہے کہ

"جب کہ سلطان ناصر الدین انار اللہ برہانہ کا ملتان کی طرف جانا ہوا، تو راستہ میں اجودھن پڑا، سلطان غیاث الدین طاب اللہ ثراہ کی حیثیت اس وقت الغ خان کی تھی، وہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ العزیز کی زیارت کو آیا، کچھ نقد رقم پیش کی، اور چار گاؤں کے چار فرامین شیخ کے سامنے رکھے، شیخ نے فرمایا یہ کیا ہے، الغ خان نے کہا یہ نقد رقم اور چار گاؤں کے فرامین خدمت میں لایا ہوں نقد رقم تو درویشوں کے لیے اور فرامین آپ کے نام ہیں، شیخ الاسلام مسکرائے اور فرمایا کہ یہ نقد تو مجھکو دیدو، درویشوں کی ذات میں خرچ کروں گا لیکن یہ فرامین واپس لے جاؤ، اس کے بہت سے اور طالب ہیں، ان ہی کو دو" (ص ۹۹)

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات راحت القلوب ہیں جس کے بارہ میں یہ عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مرتب کیا. یہ روایت اس طرح درج ہے،

"وقتے سلطان ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ بدست سلطان غیاث الدین بلبن کہ طرف ملتان آمدہ بود بزیارت دعاگوئے آمدند، چہار مثال از ان چہار دیہہ وچیزے نقد از نام

خدمتے بردعاگوئی آورد، ندازانجملہ چہار دیہہ جہت شیخ الاسلام و نقد از جہت درویشان دعاگوئی تبسم کرد، وگفت، این راپیشتر بر دکہ طالبان این بسیار اند، بدیشان دہ کہ خواجگان ومشائخ ما ازین بابت ہیچ چیز قبول نہ کردہ اند۔" (ص ۳۲ - ۳۱)

سیر الاولیاء کے مصنف نے اپنے والد بزرگوار کی زبانی یہ روایت سن کر اس کو اس طرح لکھا ہے،

"سلطان ناصر الدین بہروالہ کے پاس پہنچا تو اس کی خواہش ہوئی کہ اجودھن جائے اور شیخ شیوخ العالم کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے۔ سلطان غیاث الدین نے جو اس وقت الغ خان تھا، نائب مملکت اور سلطان ناصر الدین کا خسر تھا، سلطان سے کہا کہ فوج بڑی ہے، اجودھن کے راستے مین پانی نہیں ہے، اگر حکم ہو تو مین خود شیخ شیوخ العالم کی خدمت مین جاکر ہدیے اور فتوح پیش کرون، سلطان غیاث الدین کو اس زمانہ مین سلطنت کی ہوس پیدا ہو گئی تھی، اس نے سوچا کہ اگر واقعی میرے نصیب مین یہ چیز ہے اور سلطنت کا تخت مجھکو پہنچنے والا ہے تو اس بارہ مین شیخ شیوخ العالم مجھ سے ضرور کچھ کہین گے، یہ سوچ کر شاہی فرمان لیکر ان کی خدمت مین پہنچا، جس مین کچھ نقرئی سکے اور چار گاؤن کے عطا کیے جانے کا حکم تھا، الغ خان نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، اور چاندی کی نقدی اور چار گاؤں کا فرمان سامنے رکھا، شیخ شیوخ العالم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟، الغ خان نے کہا کہ یہ روپے (سیم) ہین، اور یہ آپ کے لیے چار گاؤن کا فرمان ہے، شیخ شیوخ العالم مسکرائے اور فرمایا کہ نقد تو مجھ کو دے دو، درویشون مین خرچ کردوں گا، اور گاؤن کا فرمان لے جاؤ کہ اس کے طلبگار بہت سے اور ہین، اسکے بعد الغ خان کے دل مین جو بات تھی اس کا شیخ شیوخ العالم کو کشف ہوا اور زبان مبارک سے یہ شعر پڑھے

فریدون فرخ فرشتہ نبود ‏ زعود وز عنبر سرشتہ نبود

زداد و دہش یافت آن نیکوئی ‏ تو داد و دہش کن فریدون توئی

یہ سنکر الغ خان نے اس کو گرہ مین باندھ لیا، زمین چومی اور خوش خوش وہان سے اٹھا،[1]

سیر الاولیاء کے مصنف نے اس روایت کے لکھنے سے پہلے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ سلطان ناصر الدین اوچہ وملتان کی طرف گیا تو اس کا پورا لشکر حضرت شیخ العالم فرید الدین گنج شکر کی زیارت کو آیا، لشکر کی بھیڑ بھاڑ سے وہ جگہ یعنی اجودھن خراب ہونے لگا، شیخ کی آستین کو ٹھے پر سے ایک گلی مین لٹکا دی گئی، تو تمام لوگ آئے اور اس کا بوسہ دیا، یہان تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، پھر شیخ مسجد تشریف لائے، مریدون سے فرمایا کہ میرے گرد حلقہ کرلو، تاکہ اس حلقہ کے اندر لوگ نہ آنے پائین اور دور ہی سے سلام کرکے واپس ہوجائین، مریدون نے ایسا ہی کیا، لیکن ایک بوڑھا فراش مریدون کے دائرہ مین چلا آیا، شیخ کے قدمون پر گر پڑا، اور پھر پائے مبارک کو پکڑ کر کھینچا، اور اس کا بوسہ دیا، اور بولا کہ شیخ فرید تم ہم لوگون سے تنگ آگئے ہو، لیکن خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو، جب شیخ نے یہ بات سنی تو ایک نعرہ لگایا، اور فراش کو نوازا اور اس سے بہت معذرت کی"

اس لشکر کے ساتھ سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا گنج شکر کی خدمت مین حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا، سیر الاولیاء نے مذکورہ بالا روایت غالباً فوائد الفواد سے لی ہے جس مین یہ روایت اس طرح شروع کی گئی ہے:

"درآنچہ سلطان ناصر الدین جانب اوچہ وملتان، روان شد درمیان اجودھن رفت ..... (ص ۱۸۵)

[1] سیر الاولیاء ص ۸۰ - ۷۹، ایک ہی روایت مختلف کتابون سے اس لیے بھی نقل کی جارہی ہے کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ ایک ہی روایت تھوڑے سے تصرف سے کیا سے کیا بن جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں روایتیں بظاہر علیحدہ علیحدہ موقع کی معلوم ہوتی ہیں، فوائد الفواد میں بھی یہ دونوں روایتیں علیحدہ علیحدہ اوقات میں بیان کی گئی ہیں لیکن فرشتہ نے ان دونوں روایتوں کو ایک ہی ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ

"اس زمانہ میں بادشاہ ناصر الدین شہریار دہلی اوچہ و ملتان کی طرف تھا۔ اس کا گذر اجودھن کی طرف ہوا، تو اس کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف ہوا، شیخ کی حقیقت حال سے واقف ہو کر واپس گیا، تو چار بڑے گاؤں کا فرمان اور کچھ نقد دے کر الغ خان کو جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا، شیخ کے پاس بھیجا، شیخ نے دیہات کے فرمان کو تو رد کر دیا کہ فقیر کو دیہات سے کیا کام، اور نقد روپے قبول کر کے جماعت خانہ کے درویشوں کو دیدیا"

(فرشتہ جلد دوم ص ۳۰۰)

علماء سے گرویدگی | یوں تو سلطان ناصر الدین محمود کو اپنے عہد کے تمام اکابر علماء سے شیفتگی رہی ہوگی، لیکن طبقات ناصری کے مختصر و اجمالی بیان سے ہم کو صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اس کو قاضی منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی (مؤلف طبقات ناصری) سے بڑی گرویدگی تھی، جو اس کے ساتھ حضر و سفر میں برابر ساتھ رہتے تھے، سنہ ۶۴۴ھ میں سلطان ملتان، لاہور، جود اور نندانہ کی مہم پر گیا تو مولانا منہاج الدین اس کے شاہی جلو میں تھے، اور جب فوج واپس آنے لگی تو عید اضحیٰ کی نماز جالندھر میں پڑھی گئی، یہ نماز مولانا منہاج ہی نے پڑھائی، اور اس روز سلطان نے ان کو جبہ، دستار اور ایک گھوڑے کے علاوہ دوسرے شاہانہ انعامات سے بھی نوازا،[1] سنہ ۶۴۵ھ میں سلطان، الغ خان کے ساتھ قنوج کے پاس تلسندہ[2] کے قلعہ کی تسخیر کے لیے گیا، تو مولانا بھی اس مہم میں شریک تھے، اس جنگ کو مولانا نے منظوم بھی کیا، اور اپنے مربی کے نام پر ناصری نامہ رکھا،

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۰ [2] طبقات ناصری ص ۲۱۰ پر نندنہ اور تلمندہ بھی مرقوم ہے،

سلطان نے اس کے صلہ مین ان کے لیے سالانہ وظیفہ مقرر کیا، اس جنگ کا سہرا الغ خان کے
سر رہا تھا، اس لیے نظم مین اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی، الغ خان نے ازراہ قدردانی مولانا کو
ہانسی مین ایک گاؤن بطور انعام دیا۔[1] ۶۴۷ھ مین سلطان محمود نے ان کو شاہی خلعت اور
سو غلام انعام مین دیے، ان غلامون کو انھون نے اپنی ہمشیرہ کے پاس خراسان بھیجا،[2] پھر ۶۵۰ھ
مین بھی کیتھل سے رخصت ہوتے وقت سلطان نے ان کو گھوڑے اور خلعت خاص وغیرہ انعام
مین عطا کیے،[3] لیکن ۶۵۱ھ مین جب خواجہ سرا امام الدین ریحان کی سازشون سے الغ خان
کو پایہ تخت دہلی سے دور کر دیا گیا تو مولانا منہاج کے بھی برے دن آگئے، الغ خان کی عدم
موجودگی مین زیادہ تر گھر کے اندر کواڑ بند کیے پڑے رہتے، اور ذاتی دشمنون کی وجہ سے جامع مسجد
بھی جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے نہین جاتے لیکن ۶۵۲ھ مین وزارت صدر الملک نجم الدین
ابو بکر کو دی گئی تو مولانا منہاج کے اچھے دن پھر پلٹے، اور سلطان نے ان کو صدر جہان کے
لقب سے سرفراز کیا،[4] اور ۶۵۳ھ مین دہلی اور تمام سلطنت کے پھر قاضی بنائے گئے، اسی سال
الغ خان کا اقتدار از سر نو قائم ہوا، تو پھر آخر عمر تک مولانا منہاج الدین سلطان اور نائب
سلطان کی نوازشون سے سیراب ہوتے رہے، سلطان ناصر الدین محمود اور الغ خان دونون
مولانا منہاج الدین کو اس وجہ سے بھی عزیز رکھتے تھے کہ وہ بڑے اچھے واعظ اور صاحب دل
بزرگ بھی تھے، فوائد الفواد مین حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہین کہ دہلی مین قاضی
منہاج کا وعظ ہر دو شنبہ کو ہوتا، تو وہ بھی اس مین شریک ہوتے، ان کا خود بیان ہے کہ ایک روز
اپنے وعظ مین قاضی منہاج نے حسب ذیل رباعی پڑھی،

لب بر لب دلبران خموش کردن | دآہنگ سر زلف مشوش کردن

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۰-۲۱۱ [2] ایضاً ص ۲۱۴ [3] ایضاً ص ۲۱۷ [4] ایضاً ص ۲۱۸-۲۱۹

امروز خوش است لیک فردا خوش نیست　　　خود را چو خسی طعمہ آتش کردن

تو یہ رباعی سنکر از خود رفتہ ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد ہوش مین آئے، وہ یہ بھی فرماتے ہین کہ قاضی منہاج صاحب ذوق بھی تھے، ایک روز ان کو شیخ بدر الدین غزنوی کے گھر بلایا گیا، دوشنبہ کا دن تھا، انھون نے وعدہ کیا کہ وعظ کے بعد آئین گے، اور جب مجلسِ وعظ ختم ہوئی تو تشریف لائے، مجلس سماع مین ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنی دستار اور کپڑے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیے[1]

مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے بھی قاضی منہاج کے بزرگ اور اہل دل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے،

"صاحب طبقات ناصری بزرگ بود، از فاضل روزگار از اہل وجد و سماع بود،

چون قاضی شد این کار استقامت گرفت"[2]

تدوین طبقات ناصری ۶۵۸ھ مین قاضی منہاج الدین نے ستر برس کی عمر مین اپنی مشہور و معروف تاریخ طبقات ناصری ختم کر کے سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت مین پیش کی، اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اسی کے نام پر اس کتاب کو موسوم کیا، اور موسوم کرتے وقت یہ اشعار لکھے جن مین اپنے علمی عیوب کی معافی کے خواستگار ہوئے ہین،

ہرچہ کردم سماع بنوشتم	اصل نقل و سماع گوش بود
در گذارد خطا چو دید کریم	زانکہ با عزّ و عقل و ہوش بود
ہر کہ او ذوق بہتری دریافت	نزو صبرش صبر چو نوش بود
دامن عفو پروریش مدام	در رہ علم عیب پوش بود
بدعا یاد دار دوش منہاج	گرچہ اندر قفس خموش بود[3]

[1] فوائد الفواد ص ۱۹۱ [2] اخبار الاخیار ص ۴۴، [3] طبقات ناصری ص ۴

سلطان ناصرالدین محمود نے مولانا کی علمی کاوشون کو بڑا سراہا، اور غایت قدردانی مین اپنے کندھے کی چادر اتار کر ان کو دیدی، اور پھر خلعت کے علاوہ دس ہزار جیتل کا سالانہ وظیفہ، ایک گاؤن اور دوسرے انعامات بھی دیے، مولانا خود فرماتے ہین:

"چون این تاریخ بخدمت سلطان ناصرالدنیا والدین خلد الله سلطانه عرض افتاد خلعت بادشاہی فرمود و وثیقہ ممزوج باستجاب خاص کر بر کتف مبارک او بود بداعی داد دمشروحی وہر سالے دہ ہزار جیتل ویکپارۂ دیہہ انعام فرمود" (ص ۲۵۲)

مولانا نے اپنی تاریخ کا ایک نسخہ الغ خان کی خدمت مین بھی گذرانا، تو اس نے انعام مین حسب ذیل چیزین دین:

"بیست ہزار جیتل معدود وماہی صباحی ودستۂ استجاب ویکدستہ روباہ"

مولانا نے ان انعامات کا شکریہ حسب ذیل قطعہ مین ادا کیا، جو انھون نے اس نسخہ کی پشت پر لکھ دیا تھا،

شہریار جہان الغ خان آنکہ | خان البرزیست وشاہ سمک
ہر کہ از حضرتش قبولی یافت | پیش ہرگز نگشت رو بفلک
پیش او کیست حاتم طائی | نزد او چیست یحیی برمک
کرد از لوح خاطر منہاج | غصۂ دہر را باحسان حک
بشنو داین سخن ز من ہمہ خلق | از طریق یقین تر از رہ شک
نہ دو دونہ مرا است قسم کرم | دیگرانہ اسمہ از ان صدیک
ہر دعائے کہ گویمش از جان | کند آمین آن بصدق ملک[1]

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۵۳-۲۵۲

طبقات ناصری ہر زمانہ مین ایک اہم اور کار آمد تاریخ سمجھی گئی ہے، یہ کتاب ۲۳ طبقات مین منقسم ہے، جس مین آفرینش عالم سے ۶۵۸ھ (مطابق ۱۲۶۱ء) تک کے تاریخی واقعات درج ہین ان مین سب سے زیادہ مفید ابواب (یعنی طبقات ۱۱، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳) سلاطین غزنی وغور، ملوک معزی اور قطب الدین ایبک سے ناصر الدین محمود تک کے سلاطین دہلی اور ان کے امراء کے حالات مین ہین، آخری باب فتنہ مغول پر ہے جو مولف کی زندگی مین برپا ہوا، ان ہی ابواب کو کپتان لیس، مولوی خادم حسین اور مولوی عبد الحیٔ نے مشترکہ طور پر اڈٹ کر کے طبقات ناصری کے نام سے ۱۸۶۴ء مین بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع کیا ہے، ۱۹۴۹ء مین آقا عبد الحیٔ حبیبی قندھاری نے کوئٹہ سے طبقات ناصری کا جو نسخہ شائع کیا ہے، وہ بھی نامکمل ہے، لیکن شروع سے لیکر اکیسوین طبقہ تک مشتمل ہے، انگریزی دان اہل علم مین یہ کتاب میجر ایچ، جی راورٹی کے ذریعہ متعارف ہوئی، جس نے اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۸۱ء مین بڑی محنت و لیاقت سے کیا، اور اس مین اتنے مفید حواشی لکھے کہ ترجمہ اصل سے زیادہ اہم ہوگیا ہے، لیکن میجر راورٹی نے شروع کے چھ طبقات اپنے ترجمے مین حذف کر دیے ہین، اس لیے یہ ترجمہ بھی پوری کتاب کو منظر عام پر نہ لا سکا، اور ابھی تک اس مشہور و معروف مورخ کی پوری کتاب ایک ساتھ طبع نہ ہوسکی ہے، حالانکہ ادب و انشا، اور واقعہ نگاری کے لحاظ سے یہ اب بھی لائق داد و ستایش ہے، جیسا کہ آقا عبد الحیٔ حبیبی رقمطراز ہین:

"مؤلف دانشور این کتاب (طبقات ناصری) یکے از نویسندگان معروف و زبردست زبان پارسی است کہ کتابش از حیث سلاست و روانی انشا، بے نظیر است وہم در ضبط وقایع تاریخی و مشاہدات خود مؤلف یکے از آثار برجستہ بشمار می آید"[1]

---

[1] طبقات ناصری مرتبہ عبد الحیٔ حبیبی ص ۱

دہلی کے ملوک سلاطین پر دو ہی معاصر تاریخین ہین۔ ایک تاج المآثر اور دوسری طبقات ناصری، پہلے کہا جا چکا ہے کہ تاج المآثر اپنی مسجع اور مقفی عبارت کی وجہ سے زیادہ مقبول عام نہ ہو سکی، اس کے برخلاف طبقات ناصری کچھ ایسی سادہ، سلیس اور عام فہم عبارت مین لکھی ہوئی ہے کہ پڑھنے والون پر یہ اثر ہوتا ہے کہ مؤلف نے تمام واقعات کو حاشیہ آرائی اور رنگ آمیزی کے بغیر سیدھے سادے طریقے پر لکھنے کی کوشش کی ہے، اس لیے اس مین جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو صحیح اور مستند سمجھنے مین کوئی تامل نہین ہوتا ہے، مؤلف نے جا بجا ایسے ماخذون کا بھی حوالہ دیا ہے، جن کے ذریعہ سے ان کو معلومات حاصل ہوئے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو واقعات کی تلاش اور جستجو رہی، وہ خود ہی سلاطین و امراء سے ایسے قریب رہتے کہ ان کو براہ راست سارے معلومات حاصل ہوتے رہے، اگر وہ جزوی تفصیلات لکھنا چاہتے تو آسانی سے لکھ سکتے تھے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ پورے عالم اسلام کی ایک اجمالی تاریخ لکھنے بیٹھے تھے، اس مین جزئیات قلمبند کرنے کی کہان گنجایش ہو سکتی تھی، البتہ اب جبکہ ان کی تاریخ ہی سلاطین دہلی کے ابتدائی دور کا ایک اہم بلکہ واحد ماخذ رہ گیا ہے، تو یہ فطری طور پر خواہش ہوتی ہے کہ ان کو اختصار سے کام لینا نہ چاہیے تھا۔ بعض جگہ تو انھون نے اتنا اختصار برتا ہے کہ ضروری واقعات بھی رہ گئے ہین، جو کسی اور ماخذ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہین، اور پھر جبکہ مورخون کا نقطۂ نظر بھی بدل رہا ہے، اور وہ نہ صرف سیاسی واقعات اور فوجی محاربات ہی کی تفصیل پڑھنا چاہتے ہین، بلکہ ان کو اس دور کے معاشرتی، عمرانی، علمی اور اقتصادی حالات کی بھی تلاش ہوتی ہے، تو اس لحاظ سے طبقات ناصری مین معلومات بہت ہی کم ہین، فاضل مؤلف اپنے عہد کے ایک جید عالم، صاحب دل صوفی اور ممتاز شاعر بھی تھے، ظاہر ہے کہ ان کو اپنے معاصر علماء، مشائخ اور شعراء سے گہرا تعلق رہا ہوگا، لیکن افسوس ہے کہ ان کا بھی ذکر بہت ہی خال خال کرتے ہین، اگر وہ ان کا ذکر اسی طرح کرتے جس طرح کہ ملا

عبدالقادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ مین کیا ہے، تو اس دور کی علمی تاریخ بہت ہی روشن نظر آتی، لیکن ان خامیون کے باوجود یہ کتاب جس زمانہ مین لکھی گئی، اسکے لحاظ سے اس کے محاسن مین کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی، اور ہندوستان کے مملوک سلاطین کے عہد کے لیے یہ تاریخ بہت ہی قیمتی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، اور ہر دور کے مورخ اس سے استفادہ کرتے رہے ہین، یہ تاریخ ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) یعنی ناصر الدین محمود کی وفات سے پہلے ہی ختم کر دی گئی تھی، اور فاضل مؤلف بلبن کی تخت نشینی کے وقت تک زندہ تھے لیکن انھون نے ۶۵۸ھ کے بعد کی تاریخ نہیں لکھی، مولانا ضیاء الدین برنی نے عہد بلبنی سے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی ہے، اس طرح ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) سے ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) تک کی کوئی تاریخ نہین، اور یہ آٹھ برس کا زمانہ کسی معاصر تاریخ کے بغیر نظر آتا ہے، تاریخ فرشتہ مین عین الدین بیجاپوری کی ملحقات طبقات ناصری کا ذکر جا بجا آتا ہے، اس سے فرشتہ نے کچھ ایسے معلومات حاصل کیے ہین جو اور تاریخون مین نہین ہین، شاید یہ تاریخ طبقات ناصری کا تتمہ ہو، لیکن اب ملحقات طبقات ناصری کا ایک نسخہ بھی کہیں نہیں پایا جاتا ہے،

علماء کی سرپرستی سلطان ناصر الدین محمود نے مولانا منہاج الدین کے علاوہ اور جن دوسرے علماء سے تعلقات رکھے ان کے نام یہ ہین: شیخ عماد الدین شنقورقانی، قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی شمس الدین بہرائچی، شیخ الاسلام حضرت جمال الدین بسطامی، اور مولانا سید قطب الدین،

شیخ عماد الدین شیخ عماد الدین شنقورقانی جید عالم اور فقیہ تھے، سلطان مسعود کے زمانے مین قاضی ممالک مقرر ہوئے تھے، ناصر الدین محمود کے عہد مین بھی ۶۴۶ھ تک اس عہدہ پر مامور رہے، لیکن بعض سیاسی الزامات کی بنا پر سلطان ناصر الدین محمود نے ان کو اس منصب سے معزول کر کے بدایون بھیجدیا جہان عماد الدین ریحان کے حکم سے شہید کر دیے گئے،[1]

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۳

قاضی جلال الدین کاشانی ان کے بعد قاضی جلال الدین کاشانی ۶۴۷ھ میں اودھ سے بلوا کر قاضی ممالک کے عہدہ پر فائز کیے گئے[1]، ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

شمس الدین بہرائچی سلطان ناصر الدین محمود جب بہرائچ کا اقطاع دار تھا، تو اس نے قاضی شمس الدین کو یہان کا قاضی مقرر کیا، وہ ان کے فضل و کمال سے متاثر تھا، اس لیے انکو اس کے یہان بڑا رسوخ حاصل ہوگیا، اور جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے ان کو دہلی بلا کر یہان کا قاضی بنایا، وہ اس کے اور کامون مین بھی مشیر کی حیثیت سے دخیل رہے، ان کا یہ رسوخ دوسرے ارکان سلطنت کو پسند نہ آیا، اس لیے وہ اپنے عہدے سے الگ کر دیے گئے، ۶۵۵ھ مین امراء نے سلطان محمود کے خلاف بغاوت کی تو قاضی شمس الدین بھی متہم ہوئے، اور ان کو دہلی سے شہر بدر کر کے بہرائچ بھیجدیا گیا، جہان وہ آخر عمر تک رہے[2]،

جمال الدین بسطامی سلطان ناصر الدین مولانا جمال الدین بسطامی کی دینداری اور تقوی کا معترف تھا، اس لیے ان کو اپنی سلطنت کا شیخ الاسلام بنایا، لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی اور اس عہدہ پر صرف چار سال رہ کر ۶۵۷ھ مین وفات پائی[3]،

مولانا قطب الدین اس عہد مین مولانا سید قطب الدین بھی نمایان رہے، ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے جب کہ وہ معز الدین بہرام شاہ کے زمانہ مین شیخ الاسلام کی حیثیت سے سیاسی کامون مین بھی پیش پیش رہے، ۶۵۵ھ مین امرا نے سلطان محمود کے خلاف سازش کی، تو مولانا سید قطب الدین پر بھی قاضی شمس الدین بہرائچی کے ساتھ کچھ اتہام رکھا گیا، اور ان کو دہلی چھوڑنا پڑا[4]،

شعراء دربار کے شعراء مین مولانا منہاج الدین اور عمید الدین سنامی خاص طور پر ذکر کیے جانے کے لائق ہین

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۳ [2] ایضاً ص ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۳ و نزہتہ الخواطر ج ۱ ص ۱۶۷ [3] طبقات ناصری ص ۲۲۹، ۲۲۰ [4] ایضاً

مولانا منہاج

مولانا منہاج الدین کو ہم ایک عالم، ایک واعظ اور ایک مورخ کی حیثیت سے روشناس کرا چکے ہیں، ان کے اشعار بھی ہم جا بجا نقل کرتے آئے ہیں جن سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانے کے ایک قابل قدر شاعر بھی تھے، دربار میں جب کوئی اہم تقریب ہوتی تو اس موقع پر مولانا کو کوئی قصیدہ یا قطعہ پیش کرنے کا موقع ضرور دیا جاتا، ۶۵۸ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کا ایلچی دہلی آیا، تو سلطان ناصر الدین محمود کے نائب الغ خان نے سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کا شاندار خیر مقدم کیا، اس کے استقبال کے لیے دہلی کے باہر دو لاکھ پیادے اور پچاس ہزار سوار زرق برق لباس پہنے ہتھیاروں سے آراستہ پیراستہ کھڑے تھے، دو ہزار عماری دار جنگی ہاتھی مع آتشین اسلحہ کے جھوم رہے تھے، ان کے ساتھ شہر کے خواص و عوام کی جماعت بھی بیس صفوں میں یکے بعد دیگرے ایستادہ تھی، امراء اور ملوک بھی اپنی اپنی ٹولیوں میں علم اور جھنڈے کے ساتھ جا بجا متعین تھے، طبل اور دمامے بھی بکثرت تھے، ڈھول اور باجوں کی آواز، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور لوگوں کے شور و غوغا سے ایک پرشکوہ اور پرہیبت منظر پیدا ہو رہا تھا، ترکستانی ایلچی اور اس کے ہمراہیوں پر اس کے نظارے سے ایک لرزہ طاری ہو گیا، الغ خان نے اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ اسی لیے کرایا تھا کہ چنگیز خانی مرعوب ہو کر دہلی کی طرف بڑھنے کی کوشش نہ کریں، جب یہ سفارتی مشن لشکریوں کے حربی کمالات اور ہاتھیوں کے فوجی کرتب دیکھتا ہوا شہر میں داخل ہوا اور دربار میں آیا تو وہاں شاہی رعب و دبدبہ اور بھی زیادہ نظر آیا، دربار نقرئی و طلائی فرش فروش سے مرصع و مکلف تھا، شاہی تخت کی زینت و آرائش پورے کروفر سے کی گئی تھی، اس کے ہر طرف لعل و جواہر آویزاں تھے، اس کے ارد گرد ملوک، امراء، علماء، مشائخ، ترک شہزادے، اور قوی ہیکل پہلوان، راجا اور رانا بہترین لباس میں ملبوس کھڑے تھے، پورا دربار بہشت کا نمونہ معلوم

ہو رہا تھا، اس بزم نشاط کے موقع پر مولانا منہاج الدین نے حسب ذیل فارسی قصیدہ سنایا جس کے پہلے دو شعر عربی کے تھے،[1]

قد صادف الرضوان ایام الوری | من روح ھذا البزم للسلطان
لازال یبقی فی جلالۃ ملکہ | ومزید امکان ورفعۃ شان
زہے جشنے کزو اطراف چون خلد برین گشتہ | خہی بزمے کزو اکناف عدل راستین گشتہ
ز ترتیب نہاد ورسم وآئین ونشاط او | توگفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمین گشتہ
ز فر ناصر الدین شاہ محمود بن التتمش | ملک نزدش دعا خواندہ فلک پیشش زمین گشتہ
شہنشاہی کہ در عالم بفیض فضل ربانی | سرائے چتر شاہی لائق تخت نگین گشتہ
چو خاقانان کین آور چو سلطانان دین پرور | بدل ماحی کفر است وبجان حامی دین گشتہ
مبارکباد بر اسلام این بزم شہ عالم | کزین ترتیب ہندستان ازینسو خوشتر ز چین گشتہ
ہمین از جملہ شاہان باد ہر بندہ ز درگاہش | چو منہاج سراج از جان دعاگوئی ہمین گشتہ

تذکرہ نویسوں نے بھی مولانا منہاج کی سخنوری کی داد دی ہے، صبح گلشن میں ان کے اور ان کے والد بزرگوار کے نام اور تخلص کو خلط ملط کر دیا ہے، لیکن مؤلف نے صاحب طبقات ناصری کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"از جمیع علوم حظے وافی داشت۔ وطبقات ناصری بنام ناصر الدین محمود نگاشت۔" (ص ۲۰۰)

لیکن اس کے نیچے جو دو رباعیاں[2] لکھی ہیں، وہ مولانا منہاج کی نہیں ہیں، بلکہ انکے والد بزرگوار

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۹ [2] وہ دونوں رباعیاں یہ ہیں:

(۱)
دل را برخ خوب تو میل افتادہ است | جان دیدہ بامید لبت بکشادہ است
چشم آب زنان خاک درت خواہد بود | گر عمر وفا کند قرار این دادہ است

(۲)
آن دل کہ بہ ہجر درد ناکش کردی | از ہر شادی کہ بود پاکش کردی
از خوے تو آگہم کہ ناگہ ناگہ | از زور افتادہ کہ ہلاکش کردی

کی بتائی جاتی ہیں،

شمس دبیر ملا عبدالقادر بدایونی نے مولانا شمس دبیر کو بھی عہد ناصری ہی کا شاعر بتایا ہے لیکن ہم نے ان کا ذکر سلطان غیاث الدین بلبن کے لڑکے ناصر الدین محمود کے درباری شعراء میں کیا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا،

عمید سنامی ملا عبدالقادر بدایونی نے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں امیر فخر الدین عمید کا تعارف ایک شاعر کی حیثیت سے کرایا ہے، اور سلطان کی شان میں اس کا ایک قصیدہ نقل کر کے اس کو بھی اس کے مدح خوانوں میں شمار کیا ہے، اس قصیدہ میں شاعر نے اپنی جدت طبع کی بنا پر ایک انوکھی ردیف "ناخن" کا انتخاب کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس مشکل ردیف میں مضامین کا تنوع پیدا کرنا آسان نہ تھا، پھر بھی شاعر نے اچھوتی تشبیہات وتمثیلات سے قصیدہ کو پرلطف اور دلپسند بنانے کی کوشش کی ہے، تشبیب کے پہلے ہی شعر میں تجنیس لفظی سے ایک ایسا تخیل پیش کیا ہے جس سے پڑھنے والے کو حظ حاصل ہوتا ہے، "ناخن" کے لحاظ سے "چنگ" اور چنگ کی رعایت سے "زخمہ" لایا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے مطربۂ فلک ناہید بھی لا کر کھڑی کی گئی ہے، اور ناخن جیسے غیر شاعرانہ لفظ کی ردیف میں یہ شاعرانہ تخیل پیش کیا گیا ہے کہ جب میرا معشوق چنگ اٹھاتا ہے، اور اپنے ناخن پر زخمہ باندھتا ہے تو اس کے ناخن سے ناہید یعنی زہرہ کے جگر پر غیرت سے سو زخم پڑ جاتے ہیں، یعنی جب میرا معشوق ناخن سے چنگ بجاتا ہے، تو ناہید غیرت سے بے جان ہو جاتی ہے، اس شعر میں "زخمہ" اور "زخم" کی تجنیس بھی لائق توجہ ہے،

چو بردارد نگارم چنگ، بندد زخمہ بر ناخن	زند ناہید را صد زخم غیرت بر جگر ناخن

ناہید کا رشک سے جو برا حال ہو جاتا ہے، اس کو دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے،

ز رشک چنگ او ناہید را تب گیرد آن ساعت	کبود ش گردد از تاثیر آن تب سر بسر ناخن

تیسرے شعر میں "خشک وتر" لا کر صنعت طباق کے ساتھ ایک عجیب و غریب تخیل پیش کیا ہے،
ناخن کے ساتھ حنا کا تخیل آنا ضروری تھا، اب شاعر کہتا ہے کہ معشوق کے ناخن کی حنا کو "خون" سمجھو،
اور یہ خون کہاں سے آیا، جب اس نے خشک نے کی طرح چنگ بجانا شروع کیا، تو گویا چنگ کی مضراب
سے اس طرح خون پیدا ہوا کہ معشوق کے ناخن رنگین یعنی حنائی ہو گئے، خون کے لحاظ سے "رگ"
اور رگ، مضراب کی مناسبت سے ہے،

حنا بہ ناخنش خونین شمر کہ وقت رگ جستن — زچنگ خشک نے ناگہ بجست و کرد تر ناخن

اس کے بعد شعر میں بھی نئی قسم کی تخیل ہے، یعنی شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ اگر چھیڑ چھاڑ میں میرے
ناخن سے تیرا لب چھل جائے تو اس سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ ناخن کبھی کبھی چاشنی
کی خاطر شکر میں بھی ڈال دیے جاتے ہیں،

بہ بازی ناخنِ من گر لبت راخست ازین مشکن — کہ بہر چاشنی دارند گہ گہ در شکر ناخن

سر ناخن کو غمزہ کی تمثیل دیتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

سرناخن چو غمزہ تیز دار اے جان کہ چنگے را — برانگشتان نباشد جز بہ تیزی معتبر ناخن

حسب ذیل شعر کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

بیاور دہ بلطف اے مہر دل داری کہ بارویت — عروس ماہ خون دل زرشک آورد در ناخن
مئے چون خون خرگوشم بیاد مجلسِ شاہی — کہ قہرا و بکند از پنجہ شیران نر ناخن

مدح کے بھی ہر شعر میں عجیب و غریب تخیلات و تمثیلات نئے نئے زاویے سے پیش کیے گئے
ہیں، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

شہنشہ ناصر دنیا و دین محمود کز عدلش — بمنقار افگند تیہو ز باز تیز پر ناخن
ز جور چرخ کار خصمش آمد در ضرر شاید — کہ از حجام نا استاد باشد در ضرر ناخن

سرش بر ذروهٔ قتل[1] ست با تیغ سرانداز ان
چو اندر معرض تعلیم بر حکم خبیر ناخن

سزد کز هیبت شاهین عدلش درگریز اکنون
چو بر ناخن ببیند از دعقاب نیشتر ناخن

جهان پندارد از بی ناخنی و تنگی طعمه
که ناخن عاریت خواهد ز کبک مختصر ناخن

برای آنکه پیش قدرش از غیرت سری خارد
فلک هر ماه زان بنماید از جرم قمر ناخن

بجنب عنبرین گرد سمندش کرده در نافه
شده بی قدر چون گردی که باشد زیر هر ناخن

خدنگش گوئی انگشتیست بر دست ظفر کورا
در وی صورت آمد برگ بید جان شکر ناخن

چو انگشتی که گر خواهد بحکم نیزهٔ هندی
نشاند[2] در ضمیر آهن و قلب خنجر[3] ناخن

نهاده تیغ قهرش بر رخ دشمن چنان داغی
که می ماند بروی مادر از سوز پسر ناخن

بکین جان خصم بد نژادوش تیز کرده بین
گراز ان قصا وندان وشیران قدر ناخن

جهان قدرا سر تیغ تو بر دلها چه نجراشد
برد از پنجهٔ جور سپهر سنگ سیر[4] ناخن

عداوت کے شود چون تو به خنجر کے رسد گرچه
چو خنجر می کند پیدا که آن گاهی[5] گره ناخن

خیالش گر زند ره کو نهد انگشت بر حرفت
بدست او ہبا گردد سر انگشت بدنه ناخن

پناه[6] روی عالم شد دم تیغ تو خوش بنود
پس پشت، سر انگشتان اگر نبود سپر ناخن

حسود از ناخن جرأت اگر کین تو می سازد
مگر مسکین نمی داند که باشد زهر گره ناخن

شها مگذار تا از بهر جنگ روزگار من
زند بر همه گره هر لحظه چرخ کینه ور ناخن

---

[1] منتخب التواریخ میں "بر ذروهٔ قطع است" ہے، لیکن اس کتاب کے انگریز مترجم رینکنگ نے اپنے ترجمہ مین ایک دوسرے نسخہ کو دیکھ کر "سرش بر ذرهٔ قلت ست" لکھا ہے، اور اسی کو صحیح بتایا ہے۔ (ج ا ص ۱۳۹) [2] مطبوعہ نسخہ میں "نشاید" ہے [3] رینکنگ نے "قلب ہجر" صحیح بتایا ہے، لیکن میرے خیال مین "قلب خنجر" ہی صحیح ہے [4] مطبوعہ نسخہ سنگ سر (؟) [5] مطبوعہ نسخہ از گاہی [6] مطبوعہ نسخہ تباہ

ناخن جیسی مشکل ردیف مین مذکورۂ بالا قصیدہ لکھکر عمید نے اپنی جس قادر الکلامی اور اعجاز بیانی کا ثبوت دیا ہے، اس کا احساس اس کو بھی ہے، چنانچہ اس قصیدہ کے آخری شعر میں کہتا ہے،

ردیف ناخن آورم درین شعر که سحر آمد بلے در سحر کار آید بسان موے سر ناخن[1]

عمید اور تاج الدین سنجر اسی شاعر نے ناصر الدین محمود کے ایک درباری امیر تاج الدین سنجر کی شان مین بھی اسی انداز کا ایک قصیدہ کہا ہے، شمسی اور ناصری عہد مین تاج الدین سنجر نام کے بہت سے امرا گذرے ہین، تاج الدین سنجر کزل خان، تاج الدین سنجر قتلق، تاج الدین سنجر کریتخان، تاج الدین سنجر تبر خان، اور تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی، لیکن عاجز راقم کا ذاتی خیال ہے کہ حسب ذیل قصیدہ مؤخر الذکر دونون امراء مین سے کسی ایک کے لیے کہا گیا ہے، تاج الدین سنجر تبر خان گرجی ترکی تھا، وہ ناصر الدین محمود کے زمانہ مین مختلف اوقات مین نائب امیر حاجب جنجانہ، پھر کسمندی، منڈیانہ اور برن کا اقطاع دار رہا، وکیل در کے عہدہ پر بھی ممتاز رہا، آخر مین اپنے فوجی کارنامون کے صلہ مین اودھ کا اقطاع دار ہوا، اس کے بارہ مین مولانا منہاج سراج طبقات ناصری مین لکھتے ہین:

"بغایت جلد و مردانہ و شہم و فرزانہ و اور او صاف پسندیدہ بسیار و احوال گزیدہ بے شمار بمروی و لشکر کشی موصوف و بہ نیکو سیرتی معروف"[2]

دوسرا امیر تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی پہلے بیانہ کا اقطاع دار اور پھر وکیل در ہوا، اسکے بعد تبر ہند، اور بعد مین اودھ اور پھر کڑہ کا اقطاع اس کے سپرد کیا گیا، وہ لکھنوتی بھی بھیجا گیا، لیکن درمیانی اور آخری دور مین اس کے تعلقات شاہی دربار سے اچھے نہیں رہے[3]، اس لیے گمان غالب ہے کہ

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۶، ۹۷ [2] طبقات ناصری ص ۲۶۰، ۲۵۹ [3] تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی کے حالات کے لیے دیکھو طبقات ناصری ص ۶۸-۲۶۵

عمید نے تاج الدین سنجر تبر خان ہی کے لیے قصیدہ کہا ہوگا۔ اس قصیدہ کی ردیف کشتی ہے، ظاہر ہے کہ اس عجیب اور مشکل ردیف کی تشبیب نہ بہاریہ ہوسکتی ہے اور نہ عشقیہ، اس لیے مضامین ندرت پیدا کرنے کے لیے شاعر کو غیر معمولی قوتِ تخیل سے کام لینا پڑا ہے، چنانچہ قصیدہ اس طرح شروع کرتا ہے کہ میری آنکھ ایک محیط سمندر ہے، اور خیال کشتی ہے، وفورِ غم مین بھی خیال کشتی کو آنسوؤں پر روان کیے ہوئے ہے، شب و روز آنسو جاری ہین، یہ کشتی کس طرح خونین موج مین ٹھہر سکتی ہے، اس خسیس دنیا سے کیا طمع رکھون، مین کیونکر نادان مین کشتی چلاؤن، اس سمندر مین میری کشتی کبھی روان اور کبھی ساکن ہے، ساکن چار لنگرون کی وجہ سے اور روان ہفت بادبان کے سبب سے ہے، زندگی سات اعضا، دماغ، قلب، پیٹھ، دونون ہاتھ، اور دونون پاؤن پر قائم ہے، اور چار لنگر سے مراد زمین، ہوا، آگ اور پانی ہے، پھر کہتا ہے کہ یہ لنگر اور یہ بادبان کس کام کے ہین، جب زندگی کی کشتی اجل کے موج مین یکایک غرق ہو جائے،

مراست دیدہ محیط و خیال جان کشتی | بہ آب دیدہ ز غم می کند روان کشتی

در آب دیدہ شب و روزم وچگونہ بود | فراز و شیب ز خون موج و در میان کشتی

مراد دل چہ طمع دارم از جہان خسیس | چگونہ رانم بر روے ناودان کشتی

درین محیطم اگرچہ روان و ساکن ہست | ز چار لنگر و زین ہفت بادبان کشتی

چہ سود دارم آن بادبان و آن لنگر | چو شد ز موجِ اجل غرق ناگہان کشتی

اپنے ممدوح کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

مدار مملکت بر و بحر تاج الحق | کہ بہر قلزم غم ساخت از امان کشتی

سپہر مرتبہ سنجر[1] کہ فتنہ زو دیلہ کرد | بہ سوے معبر دریاے قیروان کشتی

[1] منتخب التواریخ سے انگریزی مترجم نے سنجر پر اپنے حواشی میں یہ نوٹ لکھا ہے کہ سلجوقی حکمران ابو الحارث سنجر بن ملکشاہ بن الپ ارسلان تھا۔" یہ قطعاً غلط ہے،

کشتی کی ردیف مین یہ قصیدہ کس لیے کہا ہے، اس کی لطیف وجہ اپنے ممدوح کو مخاطب کرکے یہ بتاتا ہے،

جو بحر خاطر من موج می زد از مدحت — ردیف ساختم از بہر امتحان کشتی

پھر اس قصیدہ مین بھی اپنی تعریف کرتے ہوئے اپنے کو "بحر فضل" اور "کان سخن" کہا ہے،

مرا نخواندی جز بحر فضل و کان سخن — چو ماہی ار بندی ز اصل بے زبان کشتی

کس از بحور افاضل بہ از عمید کہ راند — ز نیل فضل درین قلزم بیان کشتی

ملک تاج الدین سنجر نے اسی شاعر کو دوبار تحفے مین آہو (ہرن) بھیجے، اس نے آہو ہی کی ردیف مین قصیدہ کہکر اپنی سخنوری کی مہارت کا ثبوت دیا، آہو کی مناسبت سے عشقیہ تشبیب مین "نرگس مست"، "زلف مشکبار"، "خط بنفشہ زار"، "صید دل" وغیرہ کی ترکیبون سے پورا تغزل کا رنگ پیدا کر دیا ہے،

زہے ز نرگس مست تو پر خمار آہو — ز بند نافہ مشکب تو شرمسار آہو

بہ حیرتست در آن چشم دیدہ نرگس — بغیرتست در آن زلف مشکبار آہو

بگرد لب تان صدرہ چو دائرہ برگشت — ندید چون خط تو یک بنفشہ زار آہو

چہ صنعت است در آن نرگسش کز آن غمزہ — درو نش صید دلست و برون شکار آہو

ز رشک نقطۂ مشکین کہ بر گل تو چکید — مدام دارد در سینہ خار خار آہو

گریز مین اپنے ممدوح کو شکار کا مبارک شیر کہتا ہے، جس کے سامنے بدمست فلک کی حیثیت محض ایک آہو کی ہے، اور پھر یہ کہتا ہے کہ آہو اس کے ممدوح کے در کی خاک سے خطا کی طرف شمامۂ کافور لے گیا، آہو کو اور جانورون پر اسی لیے فضیلت ہے کہ اس کے ممدوح کے دربار کی خاک سے اس نے نافہ حاصل کیا، بلکہ آفتاب کو بھی اسی کے دربار کی خاک سے زینت حاصل ہے،

گویہ انتہائی مبالغہ ہے، لیکن طرز ادا مین یہ مبالغہ طرازی لطف سے خالی نہین ہے،

ز چشم مست تو بدوش خمار و می شکند	ز جام بزم جہان پہلو ان خمار آہو
خجستہ شیر کمین تاج دین حق سنجر	کر شرزۂ فلکش ہست در شمار آہو
صواب دید کہ سوے خطا ز خاک درش	برد شمامۂ کافور یادگار آہو
مگر بخاک جنابش کہ دید زمینش خور ؟	کہ بر دو حوش شد از نافۂ کامگار آہو

آہو کی ردیف بنانے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتا ہے،

ردیف مدح تو صد بارہ زیبد آہوے مشک	ز کرمت چو فرستادہ ام دوبارہ آہو
بنافہ داشت ازین پیش کار بار اکنون	ز فر مدح تو دارد رواج کار آہو

عمید کا لقب ملا عبد القادر بدایونی نے اس شاعر کا خطاب و نام ایک جگہ تو ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی[1]، اور دوسری جگہ ملک الملوک والکلام امیر فخر الدین عمید تونکی لکھا ہے، تذکرون مین عرفات العاشقین مین خواجہ فخر الدولہ عمید الدین الدیلمی، مجمع الفصحاء مین فخر الملک خواجہ عمید الدین تونکی، گل رعنا مین عمید الدین تولکی سنامی آتشکدہ مین فخر الدولہ عمید الدین اور مخزن الغرائب مین مفخر الفضلا، مرقوم ہے۔ ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمید الدین تو نام اور ملک الکلام، فخر الدین، فخر الدولہ، مفخر الفضلا، خطاب تھا، لیکن ظاہر ہے کہ ان مین سے کوئی ایک ہی خطاب ہوگا، اور یہ خطاب یا تو دربار سے ملا ہوگا۔ یا مورخون اور تذکرہ نویسون نے یہ القاب شاعر کی شاعرانہ و علمی عظمت کے لحاظ سے اپنی طرف سے لکھ دیے ہین، عرفات العاشقین مین مرقوم ہے کہ "گویند نامش عمید الدین ولقبش فخر الملک" حالانکہ اس کے مؤلف نے اس کا لقب فخر الدولہ بھی تحریر کیا ہے۔ عرفات العاشقین اور گل رعنا مین ہے کہ فخر الملک کا خطاب غیاث الدین بلبن کے لڑکے سلطان محمد نے دیا، لیکن

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۰، ۹۷

اس بیان کو یقین کرنے مین اس لیے تامل ہے کہ سلطان محمد اپنے باپ کی موجودگی مین کسی کو خطاب نہین دے سکتا تھا، امیر خسرو اور حسن دہلوی اس کے ساتھ برسون رہے، لیکن اس نے ان دونون ارباب کمال کو کسی خطاب سے سرفراز نہین کیا،

وطن | شاعر کی وطنی نسبت تولکی، تونکی، بولکی، لوکی، دیلمی اور سنامی لکھی گئی ہے، تونکی اور لوبکی تو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، غالباً تولکی صحیح ہے[1]، جو شاید دیلم مین کوئی قصبہ ہے، اسی لیے بعض تذکرہ نویسون نے اس کو دیلمی بھی لکھا ہے، آتشکدہ مین ہے کہ "اصلش از دیار دیلمانست"[2] لیکن مجمع الفصحا مین ہے کہ

"فخرالملک خواجہ عمید الدین گویند نہ از دیلم رشت است و از ہندوستانست ومنشاش سنام بود"

پھر اس کا مؤلف لکھتا ہے کہ

"بعضے او را چنانچہ اشارتے شد، از اہل گیلان من بلاد دارالمرز وطبرستان دانند، ہمانا از گیلان بودہ و بہ ہندوستان رفتہ و دیالمہ اہل آن ولایت را گویند، وے را عمید لوکی، ہم نامند سبب آن معلوم نشدہ، بہر صورت بمقصود اشعار و گفتار است نہ مولد و منشیٔ،

ان گنجلک بیانات کی بنا پر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ شاعر کا آبائی وطن دیلم قصبہ تولک تھا، لیکن اس کے آبا و اجداد جب ہندوستان آئے تو سنام مین سکونت پذیر ہوئے، اور یہین اس کی نشو ونما ہوئی، عرفات العاشقین مین ہے :-

"منشاش سنام بود لہذا گفتہ آید ع تا ابد از وے گرفت سنام نام

ولادت | مجمع الفصحا اور گل رعنا اور ریاض الشعراء مین اس کی ولادت کی تاریخ ۵۵ھ بتائی گئی ہے، عرفات العاشقین کے مؤلف نے یہ تاریخ عمید کے ان اشعار سے نکالی ہے،

---

[1] تذکرہ روز روشن میں ہے کہ لوکی شہریست در ملک ایران بود، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ تولک غور مین ایک قصبہ کا نام ہے، (رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۳ء ص ۷۷)، [2] آتشکدہ ص ۱۶۷

یارب اگرچہ پیش ازین بود مراد دل و جگر — خستۂ دلبر چگل بستہ گلرخ یگک

در سر نون و دال عمر از پس خاونون وہا — شکر کہ مرغ ہمتم رست بجہد زین شرک

دوسرے شعر مین ن اور د کے تو ۵۴۰ اور خ ن ہ کے ۶۵۵ ہوئے۔ شعر مین "پس خاونون وہا"
یعنی ۶۵۵ سے ۵۴ کو گھٹا لیا جائے تو ۶۰۱ ہوئے[۱]۔ پھر تعجب ہے کہ عرفات العاشقین نے ۶۵۵ھ
کیسے تاریخ ولادت بتائی ہے۔ سنہ ۶۰۱ھ ہونی چاہیے۔ یہ تاریخ اس لیے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ عمید الدین
نے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، سلطان ناصر الدین محمود کی شان مین ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا۔
سلطان کی وفات سنہ ۶۶۴ھ مین ہوئی۔ اگر عرفات العاشقین کے مؤلف کی بتائی ہوئی تاریخ ولادت
صحیح سمجھی جائے۔ تو سلطان ناصر الدین کی وفات کے وقت عمید الدین کی عمر صرف نو سال کی ہوتی ہے،
اس عمر مین قصیدہ پیش کرنا ممکن نہین۔ اس لیے سنہ ۶۰۱ھ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

عمید اور سلطان بلبن

آتشکدہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ عمید الدین نے کل ۵۴ سال کی عمر
پائی۔ اس لحاظ سے اس کی وفات سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد مین ہوگئی ہوگی۔ ملا
عبد القادر بدایونی نے بھی اس کا ذکر اسی سلطان کے دور مین کیا ہے۔ لیکن خود ملا صاحب نے
عمید کا ایک ایسا قصیدہ نقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمید نے سلطان بلبن کو بھی اسکی
حکومت کے زمانہ مین مخاطب کیا تھا۔ اس قصیدہ کے تین چار اشعار ملاحظہ ہون۔

مشرف نبود عارضت از خط چرا کشد — چون من بدو، دولت این شہریار بند

شاہ جہان کشاے نصیر الحق آنکہ ہست — بر دست و پاے بخل ز جودش ہزار بند

والا محمد بلبن کز کمند قہر — بر سرکشان نہد گہ کارزار بند

اے خسرو زمان کہ بیمن تو بہ کشاد — گنجور قدرت از عدد کان بسیار بند

---

[۱] منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم جارج رینکنگ نے بھی یہی تاریخ نکالی ہے، دیکھو انگریزی ترجمہ جلد اول۔

رین کنگ نے اپنے انگریزی ترجمہ مین نصیرالحق کو اسم معرفہ ہی قرار دیا ہے، لیکن میرے خیال مین یہ بلبن ہی کی صفت ہے، مگر تعجب ہوتا ہے کہ شاعر نے بلبن کے لیے غیاث الدین کا لقب کیون نہین استعمال کیا ہے، غالباً ان ہی اشعار کو دیکھ کر عرفات العاشقین کے مؤلف نے عمید کے متعلق لکھا ہے کہ

"معاصر سلطان محمد بلبن دوی ملازمت آن بادشاہ کردی، و در دیوان دولت او با شرف مفوض بودی"

لیکن مجمع الفصحا مین یہ بیان دیکھ کر تعجب ہوا کہ

"مداحی سلطان محمد یمین می نمودہ"

اسی کا حوالہ جارج رین کنگ نے منتخب التواریخ کے انگریزی ترجمہ کی جلد ۱ ص ۱۳۸ کے حاشیہ پر دیا ہے، میرا خیال ہے کہ یمین کتابت کی غلطی ہے، یمین کے بجائے بلبن ہونا چاہیے،

البتہ عرفات العاشقین کا بیان عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے،

"گویند او قاآن ملک سلطان محمد بلبن خطاب یافت و علما، و فضلا، را بغایت عزیز داشتے امیر خسرو و امیر حسن ...... در موتان ندیم مجلس خاص وے بودہ اند"

گلِ رعنا کے مولف کا بھی بیان ہے کہ

"عمید الدین از اعظم فضلا و شعراے ہندوستان بود، بعد تحصیل کمالات خود را بدرگاہ سلطان محمد قاآن بن سلطان غیاث الدین بلبن رسانید و بمزید تقرب اختصاص یافت، و بعمدۃ الملک ملقب گشت، دولتے وجمعیتے اندوخت، امیر خسرو دہلوی بخدمتش رسیدہ"

عرفات العاشقین مین معلوم نہین قاآن ملک سلطان محمد بلبن ایک ہی ساتھ کیون لکھ دیا گیا ہے، قاآن ملک محمد سلطان تو شہزادہ کا نام تھا، اور بلبن اس کا باپ تھا،

عرفات العاشقین میں کہین یہ ذکر نہین کہ عمید سلطان ناصر الدین محمود کے دربار سے بھی وابستہ رہا، لیکن شروع مین ہم اس سلطان کی شان مین ایک قصیدہ نقل کر آئے ہین، اس لیے یہ یقینی ہے کہ وہ سلطان ناصر الدین کا مادح تھا، اسی طرح گل رعنا کے مولف نے سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن کے درباروں سے اس کی وابستگی کا ذکر مطلق نہین کیا ہے، اور اسکو شہزادہ محمد سلطان ہی کا درباری قرار دیا ہے، لیکن اگر اس کی تاریخ ولادت صحیح سمجھی جائے تو پھر یہ بیان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ یقین کرنے مین تامل ہوتا ہے کہ ستر اسی برس کی عمر مین اس نے ایک نوجوان شہزادہ کے دربار کی ناصیہ سائی کی ہو، شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان مین ۶۷۶ھ سے ۶۸۳ھ تک قائم رہا، اگر ۶۷۶ھ سے پہلے عمید اس کے یہان پہنچا، تو بھی اس کی عمر ستر سے زیادہ تھی، اس عمر مین ایک نوجوان شہزادہ کی ندیمی بظاہر قابل قبول نہیں معلوم ہوتی، اس کے تمام قصائد اس وقت پیش نظر نہین، جو ہم تک پہنچے ہین، ان مین سے ایک قصیدہ مین محمد کا نام آیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ شہزادہ محمد سلطان ہی کی مدح ہو، لیکن اسی قصیدہ مین نصیر الحق کا لقب بھی استعمال کیا گیا ہے، جو عمید نے اپنے ایک اور قصیدہ مین سلطان محمد بلبن کے لیے استعمال کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہین، اس لیے یہ نہین کہا جا سکتا ہے کہ حسب ذیل اشعار شہزادہ محمد سلطان ہی کے لیے کہے گئے ہین، ممکن ہے کہ یہ بھی محمد بلبن ہی کی مدح مین ہون، ایک قصیدہ مین بلبن کو محمد بلبن کہہ کر مخاطب کیا ہے، اس مین صرف محمد ہی کہا ہے، اور اگر یہ شہزادہ محمد ہی کی مدح ہے تو پھر اس کو نصیر الحق کیون کہا، جو بلبن کے لیے استعمال کیا جا چکا ہے،

چو غنچہ گرچہ لب از روزہ بستہ بکشائی	چو من زخوان مدیح خدایگان ازنہ
محیط فیض نصیر الحق آنکہ بکشادند	زگرد سفرۂ اکرامش انس وجان روزہ

قضا طلیعہ محمد کہ بند نیزۂ او بخون خصم کشادہ از سرسنان روزہ

عرفات العاشقین کا بیان بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ عمید خسرو کا سرپرست تھا، اگر وہ (قفی) خسرو کا مربی ہوتا تو خسرو کے قصائد مین انکی شان مین بھی کوئی نہ کوئی قصیدہ ضرور پایا جاتا، یا وہ اپنی کسی اور تحریر مین اس کا ذکر ضرور کرتے، لیکن خسرو کہین اس کا حوالہ تک نہین دیتے[1].

عرفات العاشقین مین ہے کہ عمید بلبن کے زمانہ مین مشرف (اکاؤنٹنٹ) کے عہدہ پر مامور تھے،

"معاصر سلطان محمد بلبن بودے ملازمت آن بادشاہ کردے، و در دیوانِ دولت او باشراف مفوض بودے"

ریاض الشعرا مین بھی ہے :-

"در تواریخ مذکور است کہ در ہندوستان ملازمت سلطان محمد بلبن می کردہ واشراف دیوانش بوے مفوض بودہ"

منتخب التواریخ مین ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے نام کے ساتھ مستوفی جمیع ممالک لکھا ہے، اور اس کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود ہی کے زمانہ مین کیا ہے، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ وہ اسی سلطان کے عہد مین مستوفی الممالک تھا، اس خیال کی تائید مخزن الغرائب کے اس بیان سے ہوتی ہے،

"فخر الفضلا، خواجہ عمید مستوفی و مشرف جمیع ممالک ہندوستان بود در عہد سلطان سلطان ناصر الدین ......"[2]

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین نے عمید الدین پر جو مقالہ اپنی کتاب "فارسی کے قدیم شعراء" میں لکھا ہے، اس مین عرفات العاشقین اور گل رعنا کے بیانات کو صحیح تسلیم کرکے وہی باتین لکھدی ہین جو ان دونون تذکرون مین ہین [2] نیز دیکھو نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۸۷،

لیکن خود عمید نے ایک قصیدہ مین بلبن کو مخاطب کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلبن کے عہد مین مشرف کے عہدہ پر مامور تھا، مگر کسی سبب سے معزول کر کے قید مین ڈالدیا گیا۔ شاید وہ ناصر الدین محمود کے عہد مین مستوفی الممالک رہا ہو، اور بلبن کے زمانہ مین مشرف الممالک کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہو، لیکن فرائض منصبی کو ایمانداری سے انجام دینے کے جرم مین قید کر دیا گیا ہو، اور جب وہ قید خانہ مین تھا تو اس نے سلطان بلبن کو اپنے ایک قصیدہ مین مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اس کے ایسا اہلِ فضل، اور طوطی سخن قید مین پڑا ہے،

فرمودۂ کہ بند نہند اہل فضل را	ہے ہے بر اہل فضل منہ زینہار بند
تعظیم کن زحیلۂ واز درج خاطرم	بر نو عروسِ مدح در شاہوار بند
ہرگز کس از ملوک بر اہلِ سخن نہاد	روزے زراہ سلطنت وگیرو دار بند
من طوطی سخنورم آخر نہ جرہ باز	دریلے طوطیان غلط آمد شکار بند

اس قصیدہ کے تقریباً چالیس اکتالیس اشعار مین اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہے۔ اس کا ایک اور جیسیہ قصیدہ ہے جس مین ۳۹ اشعار ہین، وہ توبہ و استغفار کی خاطر اپنی تمام کمزوریون مثلاً بیجا خیالات، بے جا مداحی اور بے جا حرص و ہوس وغیرہ کو یاد کر کے سلطان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ وہ تنہا مجرم نہین، بلکہ اس کے برعکس وہ مشرف کے فرائض بہتر طریقہ سے انجام دیتا رہا ہے،

ہمہ مانم ہر یکے در شغل و من در بند حبس	حاش للہ زین سخن تنہا گنہ من کردہ ام
کار برعکس است ورنہ خود کہ ؤزید کنند	شغل اشراقی[1] کہ من بر وجہ احسن کردہ ام

[1] منتخب التواریخ مین "اشراقی" ہے، اس کے انگریزی مترجم رینکنگ نے اشراقی پر نوٹ لکھتے ہوئے فلسفۂ اشراقیہ سے بحث کی ہے، شغل اشرافی سے مراد مشرف کا عہدہ ہے، اشراقی کتابت کی غلطی ہے،

آخر مین وہ اس صلہ مین کہ اس نے اپنے اشعار مین توحید کے نغمے بھی گائے ہین، خداوند کریم کی رحمتون کا طلبگار ہوتا ہے،

یا رب از نخلِ کرم برگ و نوائے من بدہ — مرغِ جان را چون بہ توحیدت نوا ساز کردہ ام

خلعتِ اسلم کرامت کن کہ مارا در گہت — مامن اصلیت اینک قصد مامن کردہ ام

دور دار از ظلمتِ شرک و نفاق و حقد و کین — باطنی کز نورِ اخلاصت مزین کردہ ام

آفتابِ معرفت در سینہ ام تابندہ دار — چو گہرہائے یقین را سینہ معدن کردہ ام

عمید کی قادر الکلامی سلطان کے دربار مین معذرت اور بارگاہ خداوندی مین استغفار کرنے پر غالباً اس کی رہائی قید سے ہوگئی تھی، معلوم نہین قید و بند کے زمانے مین اس نے اور بھی قصائد لکھے تھے یا صرف وہی دو ہین، جن کو ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ مین نقل کیا ہے، ان دونون قصائد مین اس کے جوش بیان کے ساتھ اس کا حسن اسلوب، جدت ادا، اور مضمون آفرینی خاص طور پر نمایان ہین[1]، اس نے ان حبسیہ قصائد مین بھی جابجا اپنی سخنوری اور قادر الکلامی کا دعویٰ کیا ہے، مثلاً ایک جگہ کہتا ہے،

نامم ز شرق و غرب گذشت از سخن وری — واجب کند بپائے چنین نامدار بند

پھر دوسرے موقع پر کہتا ہے،

ہستم این یک شعر دیوانی و صد درجِ گہر — بلکہ ہر بیتش بہ از شعر مدون کردہ ام

اور یہ دعویٰ محض شاعرانہ تعلّی نہین، ملا عبد القادر بدایونی جیسے ناقد فن نے اس کو ملک الملوک الکلام لکھا ہے، اور اس کے مختلف قصائد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے کلام کا اقتباس

[1] ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ عمید کے حبسیہ قصائد اپنی دلآویزی، جذبات نگاری اور حسن بیان مین مسعود سعد سلمان اور خاقانی کے حبسیات کے ہم پلہ ہین، (ہندوستان کے قدیم شعرا ص ۲۱۳)

منتخب التواریخ کے ۱۳۱ اوراق مین دیا ہے۔ عرفات العاشقین کے مولف نے اس کو "استاد الکلام" افتخار الانام عمید (بمعنی ستون) اقلیم سخنوری، وحید (بمعنی یکتا) زمان معنی پروری، آفتاب جہانگیر کمال" اور "مہر سپہر قدر و جلالت" وغیرہ کہکر اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ مین کی ہے۔

"در صنائع و بدائع معانی بیانش سحر پرواز و در متانت و رزانت سخندانی و بینش صاحب اعجاز است"۔

اور اس تعریف کے غلو مین یہ بھی کہتا ہے کہ عمید کے کلام کی فصاحت سحبان کی فصاحت سے بڑھکر تھی،

"فصاحت سحبان در جنب سخنانش فصاحت وائل یافتہ"

مجمع الفصحا کے مولف نے اس کو ایک فصیح البیان اور پختہ کلام شاعر کہا ہے،

مذکورۂ بالا ارباب نظر نے جو کچھ اس کی تعریف و توصیف کی ہے، اس کی تصدیق خود اس کے کلام سے ہوتی ہے، اس نے شاعری کی ہر صنعت مین طبع آزمائی کرکے اپنی جدت طبع اور سخنوری کا ثبوت دیا ہے، قصائد مین نہ صرف اس نے سلاطین اور امرا کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ حمد و نعت کے نغمے بھی بلند کیے ہین، وہ مولانا شہاب الدین کے شاعرانہ کمال کا بہت معترف تھا اور ان کو استاد فن تسلیم کرتا تھا، منتخب التواریخ مین ہے،

"ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی او (یعنی شہاب حمرہ بداونی) را باستادی یاد کردہ"

پہلے کہا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے شعرا مین مولانا شہاب کو حمد و نعت کہنے مین اولیت حاصل ہے، عمید نے شاید ان کی تقلید ہی مین حمد و نعت دونون مین قصائد کہے ہین، حمد و صنع مین اس کے ایک قصیدہ کے اچھوتے خیالات کے بعض اشعار ملاحظہ ہون، کہتا ہی کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب اور ماہتاب دو بادشاہ پیدا کیے ہین، جو آسمان کے گنبد نیلگون پر سفر کرتے

رہتے ہین، سیارے انکے جلو مین ہتے ہین فلک کے نو پردون یعنی قمر، عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، ثوابت اور اطلس سے سینکڑون ستارے جھلملاتے ہین، دنیا کو دو خادم عطا کئے ہین، ایک رات اور ایک دن، رات ہندو ہے دن رومی ہے، یعنی ایک سیاہ ہے اور دوسرا سفید، وغیرہ وغیرہ،

برخیز عمید از نہ خسروست دلِ تو	بگذر زغزل حمد خداوند جہان گو
مداحی درگاہ خدا کن کہ برافراشت	بے زحمت آلات بسے گنبد مے نو
دو شاہ روان کرد برین طارم ازرق	پس دادہ زسیارہ شان خیل زہر سو
صد شاہد اختر بگہ شام نمودہ	مشاطۂ صنعش زپس پردۂ نہ تو
فرمودہ نجا تون جہان از شب و از روز	دو خادم چالاک لقب رومی و ہندو

عمید اور انوری ایک اور حمد مین فلک، اسمک، غلاک، پرک، خپک، معک، کپک وغیرہ جیسے سنگلاخ قوافی ہین، اس مشکل زمین مین عمید نے انوری کے ایک قصیدہ کی تقلید مین یہ قصیدہ کہنے کی کوشش کی ہے، انوری کے قصیدہ کے دو چار اشعار پہلے ملاحظہ ہون، واضح رہے کہ انوری کا یہ قصیدہ حمد مین نہین کہا گیا ہے، بلکہ کسی کی مدح مین ہے،

اے سپاہت را ظفر لشکر کش نصرت یزک	نے یقین بر طول و عرض لشکرت واقف نہ شک
بستہ گرد موکب صد پردہ بر روے سماک	کردہ نعل مرکبت صد رخنہ در پشت سمک
چوں رکاب تو گران گردد و عنان تو سبک	روز ہیجاے سپاہت انجم و میدان فلک

فخر الملک عمید نے حسب ذیل حمد مین گو انوری ہی کا چربہ اتارنا چاہا ہے لیکن اس نے نئے نئے الفاظ کے ساتھ نئے نئے مضامین بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جو اس کی لفظی صنعت گری اور تخیل آرائی دونون پر قدرت رکھنے کی بین دلیل ہے، ہم اس قصیدہ کے خاص خاص اشعار ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

ای ز نهیب علم تو خم زده قامت فلک   خطبهٔ کبریائی تو وحدک لا شریک لک

ملک تو ملک ثابتست ملک تو ملک راستین   ملک نه ملک منقلب ملک نه ملک مشترک

پرتو نور قدس تو چهره کشای مهر و مه   گوشه نشین ملک تو اوج سماک تا سمک

طاسک مه شکسته در سر و پای هر مهی   غور محیط بستهٔ گرد ستارهٔ پرک

از جگر تنور شرق امر تو می برآورد   قرصهٔ زد مغربی از پس سنگدون جیک

در چمن از صنایعت دست مشاطهٔ صبا   غازهٔ لطف می کشد برگ مثال بر چچک

بر سر عرض نوبهار از در آفرینشت   لاله نشسته با سپر بید ستاده با نجک

قطرهٔ فیض قرب تو گر چکدم بکام دل   ابر نیاز گو مبار اشک امید گو چکک

پایگه سخنوری یافتم از قبول تو   خود نه ازل بعون تو دست مراست این خمک

بر فلک اساس نقش داعی روان شرع را   هر یک ازین چهار رکن آیتی از تمرک

یہ قوافی ہین انوری کے قصیدہ مین کل ۲۴ اشعار ہین، لیکن عمید نے اپنی سخندانی کے زور مین تقریباً دوچندگنے یعنی ۴۷ اشعار کہے ہین، اور ایسے قوافی لائے ہین جو انوری کے یہان مطلق نہین ہین۔

اسی قصیدہ کے حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمید سنی المذہب تھا، وہ خلفائے راشدین کا مداح اور حامی تھا۔ اور شیعہ فرقہ حضرت ابوبکرؓ پر باغ فدک کا جو الزام رکھتا ہے، اس کی گویا تردید کرتا ہے،

حرزم این دو دیده را چار شمر ز دوستی   ورنه بماندی از درج ساخته در درک

رفض چه فائده کند چو علی از تو شد بری   زر چو عیار به دهد هر چه نتابدش محک

کاس رباب را چه نقص ار گسلد ز نغمه در   تار بریشمی بود یا نه سر آیدش خرک

روز سر نامهٔ رسول از سر صدق باز کن   تا شود از ضمیر تو ماحی شبهت فدک

وآنکہ چو بوم شوم دم لاف زند ز خارجی	محرم غار از و چنانکہ آیت زرد شب پرک

اس قصیدہ مین کہین کہین نعت اور منقبت کے بھی اشعار قلبند کر دیے گئے ہین، لیکن عمید نے مستقل ایک نعتیہ قصیدہ بھی کہا ہے۔ اس کے بھی کچھ اشعار ناظرین سن لین، پہلے دو شعر مین "لفظ طراز" کا استعمال صنعت اشتقاق کے لحاظ سے کیا گیا ہے، تیسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ روضۂ نبوت کے پھول سے جو خوشبو پھیلتی ہے، وہ اس طرح کی ہے، کہ صبا چمن سے ماچین تک ایسی خوشبو کبھی نہین لے گئی، چوتھے شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول پاک پر جو کائنات عالم کے سردار ہین، آسمان نے قیمتی موتی صدف کی طرح نثار کیے ہین۔

پانچوین شعر مین عجیب وغریب تمثیلات وتلمیحات ہین، پنج نوبت سے پانچون وقت کی نماز اور دو علم سے آفتاب و ماہتاب مراد ہین، تنورۂ مسدس سے اشارہ عالم الانس، عالم الجن، عالم الملائکہ، عالم الحیوان، عالم النبات اور عالم المعادن کی طرف ہے، حصار ہفتمینش سے مطلب ساتوان آسمان یعنی زحل ہے، اور اشعار مین بھی اسی قسم کے الفاظ کے اشکال اور معانی کے اغلاق ہین، جن سے خاقانی کا رنگ جھلکتا ہے، جیسا کہ ناظرین کو حسب ذیل چند اشعار سے خود اندازہ ہوگا،

سخنے طرازم اکنون کہ طراز آستینش	ز طراز جان بجوید چو طراز آفرینش
دہ طراز تو گزینم ز طراز نعت یکرہ	کہ دو کون شد کتابہ ز طراز آستینش
گل روضۂ نبوت کہ ز سنبلش بماچین	تحفے برون ز نافہ نبرد صبا نہ چینش
سر کائنات عالم بپائے ہمت او	چو صدف نثار بردہ فلک از در ثمینش
فلکش ز پنج نوبت دو علم سپایہ کرد	ز تنورۂ مسدس بحصار ہفتمینش

انوری کے طرز پر عمید نے ایک اور قصیدہ کہا ہے، جس مین خیالات کی برجستگی کے ساتھ ساتھ زبان کی روانی، الفاظ کی شیرینی اور طرز ادا کی شگفتگی و دل آویزی بھی ہے، انوری کے قصیدہ کے دو تین

شعر پہلے ملاحظہ کرلیں۔

حبذا بزمے کہ وہردم دگرگون زیوری — آسمان بر عالمے بند د زمین پر کشوری

کشوری و عالمی را ہم زمین وہم زبان — از چنین بزمے تواند داد ہردم زیوری

مجلس کو دعوی فردوس را باطل کند — گرمیان ہردو بنشاند عادل داوری

خاقانی نے بھی ان قوافی مین طویل قصیدہ کہا ہے۔ اس کا مطلع ثانی ملاحظہ ہو،

ماہ بماہ می کند شاہ فلک کد یوری — عالم خاقہ بردہ را توشہ دہد توانگری

اب ان ہی قوافی مین عمیدؔ کے بھی خاص خاص موسیقی بھرے اشعار ہدیۂ ناظرین ہین۔ ان مین صنعت سجع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی ہر بیت کے تین تین قافیے ہین، اور چوتھا قافیہ قصیدہ کی زمین کا ہے،

رخت امیدم بردہ شد عالم کہ ز رنج افسردہ شد — شاخ طرب پژمردہ شد بے آب چو نیلوفری

بودم درین تیمار و غم پروردۂ رنج و ستم — کز در در آمد صبح دم شمشاد قدمہ پیکری

نسرین بر و کوچک دہن شکر لب و شیرین سخن — در بر نظرش پیرہن در سر ز نازش معجری

از خواب خوش برخاستہ زلف سیہ پیراستہ — خود را چو باغ آراستہ بربستہ زیبا زیوری

شکلش ز ہول انگیختہ سرمہ بہ چشمش ریختہ — غبغب فرو آویختہ چو دلبر سیمین بری

باریک ساق و سخت سم فربہ کفل باریک دم — ہرگز نہ کردہ راہ گم در تیرہ شب بے رہبری

شاخش چو ماہ یکشبہ چشمش سیہ تر از شبہ — نامش چو ذکر شتر بہ مشہور در ہر کشوری[1]

اس قسم کی فصیح اور شیرین زبان مین قصیدہ لکھنے پر اس کو اپنے متعلق شاید ضرورت سے زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اس لیے فخر و تمکنت کے ساتھ کہتا ہے،

---

[1] یہ اشعار مجمع الفصحا سے لیے گئے ہین،

مثل عمید تو سخن نادرہ دوران در زمن ‏ ‏ نہ در سپاہان و یمن نہ در سمر قند و ہری

یہ تو اس کی تعلی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نے نہ صرف پرانے اساتذہ کے رنگ میں لکھکر اپنی قادر الکلامی کا اظہار کیا ہے، بلکہ مشکل اور عجیب و غریب ردیف مثلاً ناخن کشتی، آہو اور روزہ وغیرہ اختیار کر کے اپنی سخن سنجی کے اعجاز اور بقول مؤلف عرفات العاشقین طرز بیان کی سحر پردازی کا ثبوت دیا ہے، جس کے نمونے ہم پہلے پیش کر چکے ہیں، روز روشن کے مؤلف نے اس کے قصائد کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ مقبول رہے[۱]، ڈاکٹر اقبال حسین اس کے قصیدوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی غایت عقیدت میں لکھتے ہیں کہ اس کے بعض قصائد میں اعلیٰ درجہ کی خوش بیانی ہے، اور ان میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ فطری اور پاکیزہ ہیں، ان کے تخیلات زیادہ تر جاذب توجہ اور مناسب ہیں، طرز نگارش شستہ اور چست ہے، اور قافیہ بندی میں ہمواری اور روانی، مخدومی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی بھی رقمطراز ہیں کہ قدرت کلام اور فصاحت بیان میں عمید اول درجہ کے فارسی شعراء میں شمار کیے جانے کا مستحق ہے، لیکن معلوم نہیں انھوں نے یہ کیسے لکھ دیا کہ شاید غزل گوئی جس کا ان دنوں ایران میں چرچا بڑھتا جاتا تھا اسے ناپسند تھی،[۲]

عمید کی غزل گوئی | عمید کا جوش طبع غزل گوئی میں بھی ابھرا، اور گو ہندوستان میں اس تغزل کی شراب کو میر حسن اور خسرو نے تیز کیا، لیکن عمید کی قصیدہ نگاری اور غزل گوئی سے جو دو آتشہ پیدا ہوئی وہ اس لائق ہے کہ اس سے بھی کچھ سرور حاصل کیا جائے، عمید کے قصائد کی عشقیہ تشبیب میں تغزل کی ساری رنگینیاں پائی جاتی ہیں، اس قسم کی تشبیب کو علحدہ کر لیا جائے تو وہ غزل بن جائے، اسی طرح اس نے جو غزلیں کہی ہیں، ان میں قصیدے کی تشبیب کی پوری جھلک ہے، مثلاً حسب ذیل غزل کے علحدہ علحدہ اشعار میں اس نے مفرد خیالات پیش کرنے کے بجائے معشوق کے چہرے،

---

[۱] روز روشن ص ۷۰۰، [۲] تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت،

بال، گیسو، طرہ، غمزہ، رفتار، رخسار، لب وغیرہ کی مسلسل تعریف کی ہے، جس طرح قصیدہ مین ممدوح کے جود وسخا، جبروت واقتدار اور عدل وانصاف کی مدح کی جاتی ہے، اسی طرح اس غزل مین معشوق کے حسن وجمال کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے، زبان تو بے شک غزل کی ہے، لیکن انداز بیان قصیدہ کا ہے، پوری غزل مین بڑی صفائی اور روانی ہے، جو خاص خاص صنائع وبدائع کے ساتھ قلمبند کی گئی ہے، پہلے غزل، پھر اس کی صنعتین ملاحظہ کرین:

روئے تو پیرایۂ صحن چمن	موئے تو سرمایۂ مشک ختن
بستۂ گیسوئے تو صد دین ودل	خستۂ بادام تو صد جان وتن
طرۂ طرار تو عاشق فریب	غمزۂ خونخوار تو لشکر شکن
فتنۂ رفتار تو کبک دری	والۂ رخسار تو ہر مرد وزن
در گہ خندہ لب لعلت شکست	رونق بیجادہ ودر عدن
زلف تو بر روئے تو گوہی کہ ہست	سنبل پر خم زدہ بر نسترن
نرگس جادوئے تو ہنگام ناز	آفتِ جان ودل مجروح من
بندۂ خاک در تو شد عمید	آتش غم در دل وجانش مزن

مطلع مین صنعت ترصیع ہے، یعنی دونون مصرعے کے الفاظ، وزن اور قافیے متحد ہین، اور چوتھے شعر مین ذوقافیتین کے ساتھ کچھ ترصیع کی صنعت بھی آگئی ہے، پھر پوری غزل مین معشوق کے کئی اوصاف کا ذکر پے درپے اس طرح کیا گیا ہے کہ صنعت تنسیق الصفات خود بخود پیدا ہوگئی ہے،

ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ عمید کی غزلین انتہائی درجہ کی روان اور مترنم ہین، اور ان کے خیالات عموماً سیدھے سادے ہین، اس کے طرز ادا مین جو فطری روانی ہے، اس کی وجہ سے اسکی شاعری مین ہمواری اور موسیقیت پیدا ہوگئی ہے، عمید کی غزلون کا مجموعہ سامنے ہوتا تو پھر یہ

فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا کہ ڈاکٹر اقبال حسین کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، یا اس کے اظہار مین کچھ غلو سے کام لیا گیا ہے، مندرجۂ بالا غزل پر تو اس رائے کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن عرفات العاشقین مین اس کی جو ایک اور غزل درج ہے، اس کا رنگ ذرا کچھ مختلف ہے، اور اس پر ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے چسپان نہین ہو سکتی ہے،

اس مین عمید نے تجنیس لفظی کی صنعت کے ساتھ کچھ اس انداز مین اشعار کہنے کی کوشش کی ہے کہ بعض تو کامل کہی جا سکتی ہین، لیکن بعض ناقص ہین، مثلاً "دربار" کے ساتھ "بار" اور یک بار بار اور تار مو کے ساتھ "تار تار" تو صحیح ہین لیکن خار کے ساتھ "لعبت فرخار" بازار کے ساتھ زار اور عیار نو کے ساتھ عیار یا ناقص ہین، اسی لیے حسب ذیل غزل مین وہ سلاست اور روانی اور حلاوت نہین، جو مذکورۂ بالا غزل مین ہے،

گر ندہی عقل را بہ لب دربار یار — بر دلم از غم منہ خیرہ بیک بار بار

تا گل رویت شگفت ہر نفس از رنگ تو — در جگرم دل شکست لعبت فرخار خار

در خم ہر تار موز لعت تو دارد شبے — روز دلم کردہ چون شب زان تار تار

دوش ببازار در عشق شد دل و ہر قدم — کشتۂ چشم تو دید بر سر بازار زار

حور من از خانگی حور و عیار نو ست — ہیچ کس را مباد ہمچو تو عیار یار

داری شفای دلت چون کرم خسروی — یکنفس این خستہ را محرم این راز دار

عمید کی ہزل گوئی[1]

آتشکدہ اور مجمع الفصحا مین عمید کی ایک ہزل بھی درج ہے، جس کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو ہزل کہنے پر بھی قدرت تھی، عام ہجو گویون کی طرح اس کی حسب ذیل ہجو مین سب و شتم نہین بلکہ صرف طنز اور تشنیع ہے، چھوٹی بحر مین زبان اور طرز بیان دونون بے تکلفانہ ہین،

[1] مجمع الفصحا ص

خواجہ بغزو ولیکن بہ درم	گشت مشغول ولیکن بہ شکم
میزبان بود ولیکن بہ رباط	نانم آورد ولیکن بہ درم
سربرآورد ولیکن بفضول	دل تہی کرد ولیکن زکرم
بس حریص است ولیکن بحرام	بس جواد است ولیکن بہ حرم
درش بکشاد ولیکن از بخل	لب فروبست ولیکن زکرم
خواجہ رنجور ولیکن بفجور	خواجہ مشغول ولیکن بہ شکم
دولتش باد ولیکن نہ براہ	نعمتش باد ولیکن شدہ کم
جاودان باد ولیکن بہ سقر	سالہا باد ولیکن بہ سقم

آتشکدہ کے مؤلف کو یہ ہزل پسند آئی ہے، اس لیے اس کو اپنے تذکرہ مین نقل کیا ہے اور نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے،

"این چند بیت از قطعہ ای کہ در ہزل گفتہ نوشتہ شد از دست بد نگفتہ۔"

عمید اور منظوم مناظرات عمید نے جس طرح انوری کے بعض قصائد پر کچھ قصیدے کہے ہین، اسی طرح اسدی طوسی کے رنگ مین منظوم مناظرات لکھ کر اپنی قادر الکلامی اور سخنوری کا سکہ جمایا ہی، ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ ہندوستان مین منظوم مناظرہ لکھنے مین اولیت کا شرف عمید ہی کو حاصل ہے، خلاصۃ الاشعار مین سیف وقلم کا مناظرہ منقول ہے، عرفات العاشقین مین "بنگ وشراب" کا مناظرہ درج ہے، اور یہی زیادہ مقبول ہوا، روز روشن مین بھی یہ نقل کیا گیا ہے، ہم بھی اس کو ناظرین کی ضیافت کے لیے ان کی خدمت مین پیش کرتے ہین،

دی درمیان بادۂ صافی فراج و بنگ	در مصدر[1] دماغ من افتاد شور و جنگ

[1] روز روشن "مصعد"

بگشاد ے زبان کہ منم دختر عنب — صافی تن و نشاط فزائے[1] عقیق رنگ

تا من سر از دریچهٔ خم بر نمی کشم — نا رُست خون گرفته[2] و خون خشک رو چنگ

گر یک دہان زنگ ز من قطرهٔ چکد — بر روئے شیر زنگ[3] تفاوت کند زرنگ

ور[4] موشکی ضعیف ز من جرعهٔ چشد — نشگفت اگر ز پنجهٔ خراشد رخ پلنگ

ممسک[5] ز من برائحہ گر نفس زند — بخشد گہر بدامن و لولو بہ سنگ سنگ

خاصیت[6] من این و توائے بنگ خشک مغز — ذکر خواص خویش بن گوئے بیہ رنگ

بنگ سبک سر از سر حدت زبان کشاد — کاے زد ز غفلت تو بکے شکر و شرنگ

من[8] صوفیم ز خانقہ کیمیائے عقل — بر دانم از زنند حکیمان بطبع چنگ

وز[9] قوت تخیل من بر زبان کنند — سحر حلال در صفت نو خطان شنگ

از تو یکے پیالہ و صد محنت خمار — از من طلب علاج دل ناتوان و تنگ

لا تقربوا الصلوٰة[10] باوراق نقش ہست — ام الخبائث ہر آئینہ از تو زنگ

نے[11] گفت منکر آیہ منصوص نیستی — نام تو بر صحیفہ نیامد و زیر سنگ

من[12] در دہان شیر در آیم صبا صفت — تو بر کنی ز روبہک ست پاے لنگ

وانکہ بہ[13] بحر خز میم غوطۂ خورد — اندر دو عمر باشند اندر دم نہنگ

من[14] عسل با طراوت و تو سبزوے بے نمک — نامم شراب صافی و نام تو خشک بنگ

---

[1] روز روشن نشاط فزا [2] روز روشن دم گرفتہ [3] روز روشن شیرزہ [4] و [5] یہ اشعار روز روشن میں نہیں ہیں۔
[6] یہ مصرع روز روشن میں اس طرح ہے۔ ع گر باور تو نیست بپرس اے بنگ خشک مغز [7] روز روشن و حشیش
[8] و [9] یہ دو اشعار روز روشن میں نہیں ہیں [10] روز روشن ع داوش جواب ے کہ تو منصوص نیستی
[11] و [12] روز روشن میں نہیں ہیں [13] عرفات العاشقین سیر بے نمک

بنگش بخشم گفت چه لافیم ہمہ گر | در وا ز ضرب شرع نداریم ہر دو سنگ
باشد کہ این بساط مقالت بگستریم | در مجلس شہکس مشہور روم و زنگ
فرزانہ تاج دولت بو بکر بن ایاز | آن کو دو قلب پرور واز خم یک خدنگ

پورا مناظرہ شستہ اور شگفتہ زبان مین لکھا گیا ہے، ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے ہو کہ ہندوستان مین اس نظم کا جواب نہ ہو سکا۔ یہ اگر اسدی کے مناظرات سے بر تر نہیں ہین تو کم تر بھی نہین۔

عمید سے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانہ مین فارسی زبان کا ایک جلیل القدر فصیح البیان اور قادر الکلام شاعر تھا لیکن وہ اتنا مشہور نہین ہوا جتنا کہ وہ مستحق تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی زندگی مین خسرو کی شاعری کا نیر اعظم بلند ہو رہا تھا، اور جب نصف النہار کو پہنچا تو عمید بھی اور شاعرون کی طرح ماند پڑ گیا، اور افسوس ہے کہ اس کا کلام زمانہ کے دست برد کی نذر ہو گیا، ملا عبد القادر بدایونی ہی کے وقت مین اس کا کلام "عزیز الوجود" ہو گیا تھا لیکن ملا صاحب نے ازراہ علم نوازی اس کے بہت سے قصائد اپنی تاریخ مین جمع کر دیے ہین، اور کلام کے کچھ نمونے عرفات العاشقین، خلاصۃ الاشعار اور مجمع الفصحاء مین بھی محفوظ ہین اور یہی اس شاعر کی کل کائنات رہ گئی ہے، پھر بھی جو کچھ باقی ہے اس کو ایک باکمال اور مایۂ ناز اہل فن ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

معذرت | عمید کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن دونون کے عہد مین آنا چاہیے تھا، لیکن محض اس خیال سے کہ ناظرین کو ایک ہی جگہ اس شاعر کے تمام حالات پڑھنے میں سہولت ہو گی، سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد مین اس کی اور اس کی شاعری کی ساری تفصیلات قلمبند کر دی گئی ہین۔

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ
۱۲۶۶ - ۱۲۸۷ء

سلاطین دہلی مین غیاث الدین بلبن اپنی شوکت وحشمت اور جلال وعظمت کے لیے سب سے زیادہ ممتاز اور نمایان رہا، اس کی زندگی کی ابتدا تو غلامی سے ہوئی لیکن دبدبۂ شاہی کو اس نے اس طرح بلند کیا کہ وہی آیندہ فرمانرواؤن کے لیے نمونہ بن گیا،

ابتدائی زندگی

التمش کی طرح وہ بھی ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا، اس کا باپ البری ترک کے دس ہزار خاندانون کا سردار تھا[1]، مغلون نے ترکستان مین قراختائی کو تباہ وبرباد کیا تو بلبن کسی مغل سپاہی کے ہاتھون گرفتار ہو گیا، جس نے بغداد مین لاکر اس کو خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا، خواجہ جمال الدین نے اس کو اپنے فرزند کی طرح گھر مین رکھا، وہ اپنے زہد، تقوی اور ذہانت کے لیے مشہور تھا، بلبن کی مذہبی تربیت کی ابتدا اسی گھر مین ہوئی، خواجہ جمال کو جب یہ معلوم ہوا کہ بلبن کی رگون مین ہندوستان کے مشہور فرمانروا سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف کا خون ہے تو اس کو اور غلامون کے ساتھ لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، اور جب سلطان التمش کے حضور مین ۶۳۰ھ مین پہنچا تو سلطان نے تمام غلامون کو بیش قرار رقم دے کر خرید لیا، التمش نے بلبن کے چہرہ پر

[1] طبقات ناصری ص ۲۸۰

سعادت وعظمت کے آثار دیکھ کر اس کو خاصہ دار یعنی اپنا ذاتی محافظ مقرر کیا۔[1] بلبن کا بھائی کشلی خان التمش کے دربار مین پہلے ہی پہنچ چکا تھا، اور ترقی کر کے امیر حاجب کے عہدہ پر مامور تھا۔ بلبن نے اپنے بھائی کو پہچانا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اسی کے بعد اس کی عزت و وقعت اور دوبالا ہوگئی[2]، اور رفتہ رفتہ وہ التمش کے چہل گانی امرا (ترکان چہل گانی) مین داخل ہوگیا۔[3]

خواجہ جمال الدین بصری کے گھر مین بلبن پر جو مذہبی رنگ چڑھا، اس کی جلا التمش کی ان مذہبی مجلسون مین ہوئی جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہین، ان مجلسون کو بلبن برابر یاد کیا کرتا تھا، اور ان مین بزرگان دین نے جمع ہو کر جو کچھ بیان کیا اس کو اس نے برابر ذہن نشین رکھا، اور اپنے لڑکے کو بھی بطور نصیحت سنایا کرتا تھا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ ان مجلسون مین ایک بار مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی کا جو وعظ سنا تھا اس کو بار بار دہرا کر دیا کرتا تھا۔

التمش کی وفات کے بعد بلبن نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے خلاف ان امرا کے ساتھ دیا، جو رکن الدین کی تخت نشینی پسند نہین کرتے تھے، وہ سلطان رضیہ کی تخت نشینی کا بھی حامی نہ تھا، اسی عزل و نصب کے سلسلہ مین شاہی فوج کے ہاتھون گرفتار ہو کر نظر بند کر دیا گیا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ مین قید سے نجات پائی، اور میر شکار کے عہدہ پر مامور کیا گیا۔

---

[1] طبقاتِ ناصری ص ۲۸۲ [2] ایضاً [3] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۲۶، فرشتہ جلد ۱ ص ۷۷،

تاریخ فرشتہ اور طبقات اکبری میں ہے کہ غیاث الدین بلبن کو شمس الدین التمش نے اپنا داماد بھی بنا لیا تھا، لیکن معاصر تاریخون مین اس کا ذکر کہیں نظر سے نہیں گزرا، البتہ برنی (ص ۱۴۵-۱۴۴) کی روایت ہے کہ بلبن کے لڑکون نے خواجہ تاج الدین بخاری سے آداب السلاطین ختم کی تو سلطان التمش نے خوشی مین خواجہ تاج الدین بخاری کو دو گاؤن اور ایک لاکھ جیتل انعام مین دیے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ التمش نے خواجہ تاج الدین کو نواسون کے استادی کی حیثیت سے نوازا ہوگا،

معزالدین بہرام شاہ کے عہد حکومت مین اس کا اعزاز اور بھی بڑھا، اور وہ امیر آخور یعنی داروغہ شاہی اصطبل کے عہدہ پر فائز ہوا، اس نے یہ خدمت تھوڑے ہی دن انجام دی ہوگی کہ تقدیر نے اس کا ساتھ دیا، اور ریواڑی کی جاگیر (جو اب گوڑگاؤن ضلع مین ہے) اس کو دی گئی، جہان اس نے میواتیون کی سرکشی فرو کرکے اپنی مردانگی اور شجاعت کا سکہ جما دیا، سلطان علاءالدین مسعود شاہ کے زمانے مین وہ امیر حاجب کے عہدہ پر مامور ہوا۔ اس عہد مین اس نے گنگا اور جمنا کے دوآبہ کی فوجی مہم اور مغلون کی یورش روکنے مین نمایان خدمات انجام دین، جس سے اس کی سپہگری کی شہرت بھی بڑھی، سلطان ناصرالدین محمود کے زمانہ مین وزارت اسی کو تفویض کی گئی، اس کی ایک لڑکی بھی اس سلطان کے حبالۂ عقد مین آئی جس کے بعد اس کا اقتدار اتنا بڑھا کہ نائب الملک بن کر سلطان ناصرالدین محمود کے بجائے خود ہی حکومت کرنے لگا، وہ اس عہد کے معزز ترین خطاب الغ خان سے بھی سرفراز کیا گیا، ناصرالدین محمود کی وفات ہوئی تو بلبن کی سیاسی بصیرت اور سپہگری کا سکہ اتنا جم چکا تھا کہ امراء نے بالاتفاق اسی کو تخت شاہی پر بٹھایا۔[1]

مشائخ سے عقیدت بلبن اپنے شاہی آقاؤن مین سب سے زیادہ سلطان شمس الدین التتمش سے متاثر رہا، اسی کے قول و فعل کے مطابق حکمرانی کرنے اور اپنی نجی زندگی کو سنوارنے کی کوشش کی، التتمش کی طرح اس کو بھی مشائخ و علماء سے بڑی گرویدگی و عقیدت رہی، گو التتمش نے سلوک و معرفت کی جو منزلین طے کین وہ شاید خود طے نہ کر سکا، لیکن بزرگان دین اس کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس کی عبادت اور راسخ العقیدگی کی تعریف کی ہے۔[2]

---

[1] مزید تفصیلات کے لیے دیکھو طبقات ناصری ص ۲۸۰ - ۳۰۰، ۲ فرشتہ ج ۱ ص ۷۵ - ۷۴، [2] فوائد الفواد مین ہے در بیان حکایت سلطان غیاث الدین بلبن در افتاد رحمۃ اللہ علیہ ز ملازمت او در نماز جمعہ و اوقات خمسہ عقیدۂ خوب، آن گاہ فرمود کہ قاضی باقا لشکری گفت شب گذشتہ (یعنی شب قدر) چہ شب بزرگوار بود، قاضی لشکری گفت شما را کجر روشن شدہ است سلطان گفت آرے -
(ص ۲۳۱ - ۲۳۲)

اور اس کے لیے برابر رحمۃ اللہ علیہ اور طاب اللہ ثراہ کے دعائیہ اور تعظیمی الفاظ استعمال کیے ہین جو عموماً صلحا، اور اخیار کے لیے لائے جاتے ہین[1]، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، کے مرید و خلیفہ امیر خورد مؤلف سیر الاولیا بھی اس کے نام کے ساتھ "انار اللہ برہانہ" لکھتے ہین[2]،

بلبن اور بابا گنج شکر

بلبن مشائخ مین سب سے زیادہ معتقد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا تھا، گذشتہ اوراق مین لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ سلطان ناصر الدین محمود کا وزیر تھا تو سلطان کے حکم سے بابا صاحب کی خدمت مین چار گاؤن کا فرمان اور ایک کثیر رقم کا ہدیہ لیکر پہنچا، لیکن بابا صاحب نے فرمان تو لینے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ یہ ان کو دو جو اس کے طلبگار ہین، البتہ درویشون کے خرچ کے لیے نقد رقم قبول کر لی[3]، پہلے یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ سیر الاولیا، کے مصنف کی روایت ہے کہ بلبن نے حضرت بابا صاحب سے ملاقات کی تو اثنائے ملاقات مین بابا صاحب نے بلبن کے لیے یہ اشعار پڑھے، جو گویا اس کے تخت دہلی کے حصول مین فال نیک ثابت ہوئے،

فریدون فرخ فرشتہ نبود　　　　ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود

ز داد و دہش یافتہ نیکوئی　　　　داد و دہش کن فریدون توئی[4]

یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض تذکرہ نویسون نے لکھا ہے کہ بلبن نے بادشاہت سے پہلے اپنی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ کو حضرت بابا صاحب کے حبالۂ عقد مین دیا جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیان پیدا ہوئین[5]، یہ گویا درویش نوازی اور اللہ کے ایک محبوب سے انتہائی عقیدت و گرویدگی کی مثال ہے،

بلبن بادشاہ ہوا تو اس نے بڑے جاہ و جلال سے حکومت کی، ہر ممکن صورت سے بادشاہت

---

[1] فوائد الفواد ص ۹۹ [2] سیر الاولیا ص ۱۰۶ [3] فوائد الفواد ص ۹۹ [4] سیر الاولیا ص ۸۰-۷۶، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [5] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۸۱ چشتیہ سلسلہ مین بلبن کا نام جس احترام سے لیا جاتا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ اس رشتہ ہی کی بنا پر ہو،

کا رعب اور وقار قائم رکھنے میں کوشاں رہا، اس کا دربار آراستہ ہوتا تو ملوک و امراء، صد ہا نقیب و چاؤش اور دیوپیکر جوان ننگی تلواریں لیے ہوئے اس کے گرد و پیش کھڑے رہتے۔ باہر کا کوئی سفیر یا ہندوستان کا کوئی راجہ دربار میں باریاب ہوتا تو سلام کے وقت خوف سے گر پڑتا، یا بے ہوش ہوجاتا، چنگیز خانی فتنوں سے پریشان ہو کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، روم اور شام وغیرہ سے پندرہ شہزادے بلبن کے دربار میں آکر پناہ لیے ہوئے تھے۔ ان میں سے صرف دو کو جو بنی عباس کی نسل سے تھے تخت کے قریب بیٹھنے کی اجازت تھی، بقیہ اور شہزادے تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ دربار کے بڑے بڑے امرا پر اسکی ہیبت ایسی طاری رہتی کہ وہ اس کی طرف زیادہ دیر تک دیکھنے کی ہمت نہ کرتے تھے، سینکڑوں امراء اور فوجی سردار اس کے گرد و پیش ہوتے، اس کی سواری چلتی تو پانچسو سیستانی، عربی، سمرقندی اور غوری سوار اسکے جلو میں ننگی تلواریں لیے ہوئے اور بسم اللہ کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے، ان کے نعروں سے بازار اور جنگل گونجنے لگتے، یہ دو دو کوس تک سنائی دیتے۔ تماشائیوں اور سامعین پر لرزہ طاری ہو جاتا، لوگ سو سو اور دو دو سو کوس سے آکر یہ تماشا دیکھتے، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن نے اپنی حکومت کے بیس سال کے دور میں شاہی وقار، شاہی آداب، اور شاہی دبدبہ کو اتنا بلند کر دیا تھا کہ اس سے زیادہ بلند نہ ہو سکا[1]۔

لیکن اس شوکت و حشمت کے باوجود وہ ہر قسم کے مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا، اور حصول برکت کے لیے ان کے گھروں پر جاتا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ

.... مشائخ بر جادہ را بغایت حرمت داشتے و بدیدن بزرگان دین در خانہائے ایشان برفتے (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶)

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۳۱-۳۲-۳۳ تاریخ فرشتہ ص ۷۶ و ۷۵

بلبن کا خیال تھا کہ ایک حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کو ایسے شخص کی پناہ میں دیدے جس نے دنیا سے منہ موڑ کر اپنے کو صرف خدا کے لیے وقف کر دیا ہو، ایسا شخص اس کو پناہ میں نہ لے تو وہ اس سے انتہائی عاجزی و زاری کر کے اپنے کو اس کی پناہ میں دیدے۔[1]

بلبن اور حضرت علی چشتیؒ

یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ بلبن ایسے کون سے بزرگ کی پناہ میں تھا، شاید بابا گنج شکرؒ ہی کا دامن اس نے تھام رکھا ہو، لیکن سیر الاولیاء میں ایک ایسی روایت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس نے شیخ علی چشتیؒ کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی ہو، یہ بزرگ چشت سے آکر دہلی میں مقیم تھے، چشت کی سجادہ نشینی کے لیے دو بزرگ ان کو دہلی سے لیجانے کے لیے آئے، شیخ علی چشت جانے کے لیے تیار ہوئے تو اس کی خبر بلبن کو ملی، وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے قدموں میں گر کر قسم کھائی کہ اگر آپ چشت تشریف لے گئے تو میں بھی اپنی مملکت چھوڑ کر آپ کے رکاب میں چشت پہنچوں گا، خواجہ علی نے فرمایا تم نے خداوند تعالیٰ کے بندوں کو آرام و آسایش پہنچانے کا عہد کیا ہے، اور تمام لوگ تمھاری وجہ سے آسودہ ہیں، اگر تم میرے ساتھ گئے تو ایک دنیا پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی، اور تم سے مواخذہ ہوگا لیکن سلطان نے جواب دیا اب چاہے جو کچھ ہو، میں آپ کے قدموں سے دور رہنا نہیں چاہتا، خواجہ نے سلطان کو اپنا اتنا عقیدتمند پایا تو دہلی میں قیام کرنا گوارا کر لیا۔[2]

مراۃ الاسرار کے مولف نے بھی یہ روایت پوری تفصیل سے لکھی ہے، اور اسی سلسلہ میں یہ بھی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (ص ۱۰۳) میں ہے

"اگر توانی بامد دشہ بسیار و بزاری و عجز خود را در پناہ کسے اندازے کہ او صورۃً و معنیً رُئے از دنیا گردانیدہ باشد و کلّی و جزوی خود را در بندگی خدا وقف کردہ باشد۔"

[2] سیر الاولیاء ص ۲۱۲

تحریر کیا ہے کہ

"چون سلطان غیاث الدین بلبن مرید خواجہ علی بود بہ ہزار الحاح خواجہ را گذاشت کہ بچشت زود" (قلمی نسخہ ورق ۳۵۰)

اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان بلبن خواجہ علی چشتی کے حلقۂ ارادت میں باضابطہ داخل تھا،

بلبن اور خواجہ شمس الدین ترک

سلطان بلبن حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی سے جس عاجزی و خاکساری سے ملا ہے وہ بھی ایک عجیب وغریب واقعہ ہے، حضرت خواجہ شمس الدین ترک کو جب ان کے مرشد حضرت خواجہ علاء الدین صابر سے پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا. تو روحانی طور پر اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت اپنے میں نہ پائی، اس لیے مرشد کی اجازت سے مزید مجاہدہ و ریاضت کی خاطر مزدوری کرنے لگے. دہلی آکر غیاث الدین بلبن کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں شامل ہو گئے، اور جب شاہی فوج ایک قلعہ[1] کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئی تو وہ بھی ساتھ گئے، قلعہ کی تسخیر میں بڑی دیر لگی، ایک رات سخت آندھی آئی، اس آندھی میں بلبن کے سقہ نے ان کی بزرگی کے کچھ آثار دیکھے، تو اس نے بلبن کو، اس کی خبر دی بلبن کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا، وہ رات کو چپکے سے پاپیادہ ان کی قیام گاہ پر اس وقت پہنچا جب وہ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے، بلبن چپ چاپ دست بستہ کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو سلطان پر نظر پڑی، تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے. اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کرکے عرض کی کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکا. خواجہ شمس الدین نے ہر چند اپنے

[1] سیر الاقطاب کے مؤلف نے قلعہ کا نام نہیں لکھا ہے.

کو چھپانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لیے دونون ہاتھ اٹھائے، اور فرمایا اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہو گی، سلطان نے ایسا ہی کیا اور قلعہ فتح ہو گیا، دوسرے دن سلطان نے غایت مسرت مین برہنہ پا خواجہ شمس الدین کی خدمت مین حاضر ہونے کا ارادہ کیا، لیکن خواجہ شمس الدین کو اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم ہوا، تو کمل اوڑھ کر شاہی لشکر سے چل کھڑے ہوئے،[1]

فیوض مشائخ بلبن کا یہ معمول تھا کہ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وہ مشائخ کے مزارون کی زیارت کے لیے ضرور جاتا، مشائخ، سادات اور علماء مین سے کسی کا انتقال ہوتا تو ان کے جنازہ مین ضرور شریک ہوتا، پھر ان کے سیوم مین حاضر ہو کر ان کے لڑکون اور بھائیون کو خلعت دیتا، ان کے لیے جاگیرین اور وظائف مقرر کرتا،[2] اس کا عہد نہ صرف سیاسی حیثیت سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ مین اتنے مشائخ و سادات جمع ہو گئے تھے کہ مورخون نے ان کے وجود کی وجہ سے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے،[3] حضرت بابا گنج شکر کے علاوہ خواجہ علی چشتی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدین، شیخ بدر الدین غزنوی، شیخ ابو المؤید، نظام الدین شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ علاء الدین علی بن احمد صابر، سیدی مولہ، شیخ حسام الدین ملتانی شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ ابوبکر حیدر طوسی وغیرہ کے انوار سے ہندوستان منور ہو گیا تھا، ان مشائخ کے برکات کا ذکر کرتے ہوئے سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے

...... میامن و برکات ایشان در عہد سلطان بلبن فیض رحمت آسمان متواتر برین زمین نازل می شد (ص ۵۰۳)

ظاہر ہے کہ بلبن نے ان تمام صلحاء و اخیار سے فیوض حاصل کیے ہون گے، اور ان کی صحبت سے

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۹ - ۱۸۷ [2] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۴۷-۴۶ [3] ایضاً ص ۱۱۱، تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۳

جو اثرات اس میں پیدا ہوئے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

علماء کی قدردانی | ابن بطوطہ نے بلبن کی عدل پروری، بردباری اور نیک چلنی کی تعریف کرکے لکھا ہے کہ وہ عالم اور فاضل بھی تھا، اسی لیے اس نے مشائخ کی طرح علماء کی بھی بہت قدردمنزلت کی۔ اس کا خیال تھا کہ دار السلطنت میں مشائخ، علماء، اور فضلاء کا بہت بڑا اجتماع رہنا چاہیے تاکہ اس شہر کی فضیلت قائم رہے، اپنے لڑکے بغرا خان کو نصیحت کرنے کے سلسلہ میں اپنی ایک اندرونی خواہش کا اظہار اس طرح کرنا چاہا،

دار الملک خود را از علماء، ومشائخ وسادات ومفسران ومحدثان وحافظان ومذکران وفاضلان وماہران ہرہنری پرکن تا مصر جامع گردد (برنی ص ۱۰۳)

خود بھی اسی پر عمل کرتا رہا، اتفاق سے چنگیز خانیوں کے فتنہ سے پریشان ہو کر جو مختلف شہزادے باہر سے آئے تو ان کی معیت میں خوارزم، دیلم، غور، یمن، موصل، سمرقند، کاشغر اور خطا سے علماء، و فضلاء، اور دوسرے اہل ہنر بھی بڑی تعداد میں آئے، بلبن نے ان شہزادوں اور ارباب کمال کو علیحدہ علیحدہ محلوں میں آباد کیا، اور ان کے یہ نام رکھے، محلہ عباسی، محلہ سنجری، محلہ خوارزم شاہی، محلہ دیلمی، محلہ علوی، محلہ اتابکی، محلہ غوری، محلہ چنگیزی، محلہ رومی، محلہ اسفزی، محلہ یمنی، محلہ موصلی، محلہ سمرقندی، محلہ کاشغری، محلہ خطائی، بلبن ان پناہ گزین شہزادوں ہی کا مربی نہ تھا، بلکہ ان کے جلو میں جتنے ارباب ہنر اور اصحاب فن آئے تھے ان سب کی بھی سرپرستی کی جس سے اس کے عہد میں علم و فن کی بڑی رونق رہی، تاریخ فیروز شاہی میں ہے

از فضلاء، و اطباء، و ہنرمندان و ماہران و مقربان و قوالان و مطربان عدیم المثال آن عصر مملو و مشحون بودہ است و از جہت آنکہ در عہد او معتبران بسیار بودہ اند اعتبار او در اطراف عالم پیدا آمدہ ؛ (ص ۱۱۲)

تاریخ فرشتہ مین بھی ہے کہ بلبنی عہد اپنے ارباب ہنر کی وجہ سے ربع مسکون مین بے نظیر و بے عدیل تھا، اور بلبن کا دربار محمود و سنجر کے دربار سے بہتر تھا۔ اس کے لڑکے خان شہید کے یہان تو کثرت علماء و فضلاء و مشائخ جمع ہو گئے تھے۔[۱]

بلبن کو علماء کے ساتھ جو گرویدگی رہی، وہ اپنی مثال آپ ہے، وہ علماء کے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا، بزرگان دین کے سامنے کبھی خود کھانے مین پیش دستی نہین کرتا۔ کھانے کے وقت فضول باتین کرنے کے بجائے علماء سے دینی مسائل کی تحقیق کرتا رہتا، جس سے اس کا دستر خوان مذہبی مذاکرے کی ایک مجلس مین منتقل ہو جاتا، وہ جس طرح مشائخ کی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا، اسی طرح علماء کی بھی عزت و توقیر کیا کرتا، شاہی جلال وجبروت کے باوجود ان کے گھرون پر بھی بے تکلف چلا جاتا، ان مین سے کسی کا بھی انتقال ہو جاتا تو تعزیت کے لیے ان کے گھر پر جاتا، ان کے جنازے مین شریک ہوتا اور ان کے عزیزون کو وظیفے اور جاگیرین عطا کرتا، اس کی سواری شاہانہ کر و فر سے کہین گذرتی ہوتی اور کسی واعظ کو وعظ کہتے دیکھ لیتا تو وہین فوراً اتر جاتا، اور عام لوگون کے ساتھ جا کر بیٹھ رہتا، وعظ مین خدا اور رسول کے احکام سنتے وقت اس پر رقت طاری ہو جاتی، اور ڈھاڑین مار مار کر رونے لگتا۔[۲]

بلبن جن علماء کی طرف خاص طور پر مائل اور ملتفت ہوا، ان مین سے بعض کے مختصر حالات ذیل مین درج ہین :-

مولانا برہان الدین محمود مولانا برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، کہا جاتا ہے کہ نحو، لغت، فقہ، حدیث اور علوم عقلی مین ان کے زمانہ مین ہندوستان مین ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہ تھا۔[۳] فقہ ہدایہ کے مصنف شیخ برہان الدین مرغینانی سے پڑھی جنھون نے یہ پیشین گوئی

---

[۱] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۵، [۲] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۶-۴۷ [۳] نزہۃ الخواطر از مولانا عبدالحیٔ ج ۱ ص ۲۳۰

کی تھی کہ

"این کودک چنان شود کہ بادشاہان بر در او بیایند"[1]

حدیث امام صغانی صاحب مشارق الانوار سے تحصیل کی، اس کے بعد ہندوستان وارد ہوئے جہاں سلاطین اور امراء مین ان کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، علم شریعت کے ساتھ علم طریقت مین بھی ید طولیٰ حاصل کیا[2]، سلطان بلبن ان کا بڑا احترام کرتا تھا، جمعہ کے روز وہ جامع مسجد مین بڑے تزک و احتشام سے نماز پڑھنے کے لیے جاتا، نماز کے بعد اس کا معمول تھا کہ اپنی پوری شاہانہ شوکت و عظمت کے ساتھ مولانا برہان الدین کے گھر پر جاتا، اور ان سے مودب ہو کر ملتا اور فیض اٹھاتا تھا، بلبن کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین،

بعد از نماز جمعہ با چند ان کوکبہ و دبدبہ کہ سوار شدی در خانہ مولانا برہان الدین بلخی فرود آمدہ بتعظیم و توقیر آن عالم ربانی بواجبی محافظت نمودی"۔ (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶)

مولانا برہان الدین نے ۶۸۶ھ مین وفات پائی، ان کی قبر حوض شمسی کے پورب جانب ہے، اخبار الاخیار کے مؤلف کا بیان ہے کہ لوگ ان کے مزار کی خاک اپنے لڑکون کو اسلیے کھلاتے ہین کہ علوم کے دروازے ان کے لیے کھل جائین،

نجم الدین عبد العزیز علامہ نجم الدین[3] عبد العزیز بن محمد دمشقی فلسفہ کے بہت بڑے عالم تھے، امام فخر الدین رازی سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ہندوستان آئے، اور دہلی مین سکونت اختیار کی، یہان کے سلاطین و امراء نے ان کی تشریف آوری کو مغتنم سمجھا[4]، سلطان بلبن ان کی بڑی تعظیم کرتا[5]، ان کے یہان بھی وہ ہر ہفتہ جمعہ کی نماز کے بعد آتا، اور انکی صحبت سے مستفیض ہوتا[6]،

[1] اخبار الاخیار ص ۷۶ [2] ایضاً و تذکرہ علماء ہند ص ۳۲ [3] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۶ [4] نزہۃ الخواطر ص ۲، ۷۱ [5] برنی ص ۴۶ [6] تاریخ فرشتہ ص ۷۶

شیخ سراج الدین ابوبکر — شیخ سراج الدین[۱] ابوبکر بن یوسف سجزی فقہ، اصول فقہ، اور عربی ادب کے بہت بڑے عالم واستاد تھے، درس وتدریس مین مشغول رہے، علماء کی ایک بہت بڑی جماعت ان سے مستفید ہوئی،[۲] سلطان بلبن ان کی بھی بڑی عزت کرتا تھا، ہر جمعہ کو ان کی خدمت مین بھی حاضر ہوتا،[۳] اور ان سے علمی فیوض حاصل کرتا،

مولانا شرف الدین دلواجی — مولانا شرف الدین دلواجی بہت بڑے فقیہ تھے، دہلی مین فقہ کے درس کے لیے مشہور تھے، سلطان بلبن ان کا بھی بڑا قدردان رہا، اور ان سے انتہائی تعظیم وتکریم کے ساتھ پیش آتا،[۴]

مولانا برہان الدین بزاز — دہلی کے ایک دوسرے ممتاز فقیہ مولانا برہان الدین بزاز کا بھی بلبن بڑا احترام کرتا تھا،[۵]

قاضی رکن الدین سامانوی — قاضی رکن الدین سامانوی بھی اپنے عہد کے مشہور فقیہ تھے، سلطان بلبن ان کی بھی عزت وتوقیر کرتا رہا،[۶]

مولانا کمال الدین زاہد — مولانا کمال الدین زاہد علم کے علاوہ اپنے زہد وتقویٰ مین بھی مشہور تھے، مولانا برہان الدین محمود بن ابوالخیر بلخی شاگرد امام صغانی سے تحصیل حدیث کی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولانا کمال الدین زاہد ہی سے امام صغانی کی مشہور کتاب مشارق الانوار پڑھی، سلطان بلبن نے مولانا کمال الدین کے تقویٰ، دیانت اور کمال علم کی شہرت سنکر ایک روز ان سے مودبانہ درخواست کی کہ اگر آپ میری نمازون کی امامت قبول کرین تو کیا عجب کہ آپ کی امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مین میری نمازین بھی قبول ہون، لیکن مولانا کمال الدین نے اس

---

[۱] برنی ص ۱۱۶ [۲] نزہۃ الخواطر ص ۱۲۱ ج اول [۳] تاریخ فرشتہ ص ۷۶ [۴] برنی ص ۱۱۶ و نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۳۳ [۵] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۲۸ [۶] ایضاً ص ۱۵۵

درخواست کو قبول کرنے کے بجائے مکدر ہو کر کہا کہ میرے پاس نماز کے سوا کوئی چیز نہیں رہی ہے، اب بادشاہ اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے، بلبن یہ سنکر خاموش ہو گیا، اور معذرت کر کے مولانا کو رخصت کیا۔[1]

مولانا شمس الدین خوارزمی | مولانا شمس الدین خوارزمی شروع مین دہلی مین درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اپنے علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ عصر سمجھے جاتے تھے، دہلی کے تمام اساتذہ ان ہی کے شاگرد تھے۔[2] ان کے علم و فضل کے علاوہ ان کے حسن اخلاق اور لطافت طبع کی بھی بڑی شہرت تھی، سیرالاولیاء کے مؤلف نے لکھا ہے، کہ

"عجب لطافتے وطبعے لطیف داشت کہ در شہر مثل او نبود"

پھر یہ لطیفہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار ان کے کسی دوست نے بہت ہی شکستہ حروف مین انکو ایک رقعہ لکھا جو ان سے پڑھا نہین گیا، تو اس کی پشت پر انھون نے عربی مین یہ لکھ بھیجا کہ

انا فیکم خطہ کخطہ فی الشط فلا تکتب لنا

یعنی تمہارا خط ایسا ہے جیسے بط کے پاؤن کے نشان دریا کے کنارے ہون[3]،

سیرالعارفین کے مولف ان کے بارہ مین رقمطراز ہیں کہ

"دہلی کے اندر علماء اور فقراء بے شمار تھے، لیکن سرآمد علماء روزگار اور اجلاّ و فضلائے کبار اس وقت مین شیخ شمس الدین خوارزمی تھے، تمام علماء کے گویا مرجع و مآب تھے، اور فی نفسہٖ مولانا مذکور علم اصول و فروع، معقول و منقول کے جامع تھے" (اردو ترجمہ ص ۱۱۵)

شیخ نظام الدین اولیاء بدایوں سے دہلی مزید تعلیم کے لیے آئے، تو مولانا شمس الدین ہی

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۸ و سیر الاولیاء ص ۱۰۶-۱۰۵ [2] سیر الاولیاء ص ۱۰۱- بزم صوفیہ کے ص ۱۸۱ پر بھی انکا ذکر ہے، لیکن اس مین شمس الدین خوارزمی کے بجائے سہواً شمس الدین دامغانی لکھ دیا گیا ہے۔ [3] سیر الاولیاء ص ۲۷۳

کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، مولانا نے ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، وہ عزیز شاگردون کو اپنے حجرہ مین بلا کر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردون، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی، اور حضرت شیخ نظام الدین کو حاصل تھا، ان کا کوئی شاگرد درس سے غائب ہوتا تو جب وہ آتا تو اس سے مذاقاً پوچھتے کہ مین نے تمھاری کیا خطا کی تھی جو تم درس مین حاضر نہ ہوئے، بتا دو کہ پھر وہی قصور کرون، اور تم آیندہ بھی حاضر نہ ہوسکو، لیکن جب حضرت نظام الدین اولیاء کا ناغہ ہوجاتا، اور وہ ان کی خدمت مین پہنچتے تو ان کو دیکھ کر بجائے کچھ کہنے کے یہ شعر پڑھتے۔

آخر کم از آن کہ گاہ گاہے   آئی و بما کنی نگاہے[1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے مقامات حریری ان ہی سے پڑھی، اور اس تلمذ کی وجہ سے ان کا احترام برابر قائم رکھا، سیر الاولیاء مین ہے

"حضرت پیش شمس الملک (یعنی مولانا شمس الدین) مقامات حریری تلمذ کردہ بود و حقوق آن نگاہ می داشت"[2]

مولانا شمس الدین بھی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی شاگردی کے زمانہ مین ان کی بڑی عزت کی، اور ان کی صغر سنی مین بھی تمام علماء سے زیادہ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے،[3]

سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے مولانا شمس الدین کی ذات والا صفات کی قدر کرتے ہوئے ان کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا، اور اپنی سلطنت کا مستوفی الملک (یعنی آڈیٹر جنرل) بنایا، جب یہ اعزاز اور عہدہ ملا تو اس عہد کے مشہور شاعر

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۰۳، سیر العارفین (اردو ترجمہ ص ۱۱۶) مین "آخر" کے بجائے "بارے" ہے

[2] سیر الاولیا ص ۱۰۳ [3] سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص ۱۱۶

تاج الدین ریزہ نے ان کی مدح میں یہ شعر کہا،

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی مستوفی ممالک ہندوستان شدی[1]

مولانا فخر الدین ناقلہ مولانا فخر الدین ناقلہ بھی دہلی کے ممتاز عالم تھے۔ فقہ، اصول اور عربی ادب میں ان کا علم بڑا گہرا تھا، ان کے بھی بہت سے شاگرد پیدا ہوئے، بلبن نے ان کو اپنی مملکت کا قاضی بنا کر صدر جہان کے عہدہ پر مامور کیا، اور وہ ایک مدت تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔[2]

ان علماء کے علاوہ قاضی ربیع الدین گازرونی، قاضی شمس الدین مراجی، قاضی جلال الدین کاشانی بن قاضی قطب الدین کاشانی، قاضی سدید الدین، قاضی ظہیر الدین، وغیرہ بھی اس عہد میں اپنے بلند علمی پایہ کے لیے مشہور تھے،[3] اور قضاۃ کے منصب پر فائز رہ کر شاہی دربار سے وابستہ تھے، سادات میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جن کے زہد و تقوی کی وجہ سے اس دور میں بڑی رونق رہی، ان ہی میں شیخ الاسلام سید قطب الدین (جد بزرگوار قاضیان بدایون) سید منتخب الدین، سید جلال الدین، سید معین الدین سامانہ اور کیتھل جنجیر، بیانہ اور بدایون کے بھی سادات تھے، تاتاریون کے خروج سے بھی بہت سے سادات دہلی میں آکر جمع ہو گئے تھے۔ (برنی ص ۱۱۱)

ترویج تعلیم اس عہد میں جن علماء نے درس و تدریس میں خاص شہرت حاصل کی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، مولانا برہان الدین بلخ، مولانا نجم الدین دمشقی، مولانا سراج الدین سنجری، مولانا برہان الدین بزاز، مولانا شرف الدین ولوالجی، اور مولانا منہاج الدین جوزجانی، (برنی ص ۱۱۱) ان میں سے موخر الذکر تینوں بزرگوں سے بلبن کا گہرا لگاؤ رہا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، ان

---

[1] اس روایت کی تصدیق سیر الاولیاء سے بھی ہوتی ہے (ص ۳۰۰، ۵) سیر الاولیاء میں ریزہ کے شعر میں شمسا کے بجائے "صدرا" ہے، اور "مستوفی ممالک" کے بجائے "مستوفی الممالک" ہے [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۴ و نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۰۶ [3] سیر الاولیاء ص ۵۸۲،

بزرگون کے علاوہ اور دوسرے ارباب کمال بھی درس وتدریس کے ذریعہ مختلف قسم کے علوم وفنون کی ترویج مین مشغول تھے۔ تاریخ فیروزشاہی مین ہے۔

در عصر پادشاہی سلطان بلبن چندین علما و سرآمدہ کہ از نوادر استادان بودند بر صدر افادت سبق می گفتند........ وچندین استادان ومفتیان و سرآمدگان کہ از شاگردان وپسر علماء عہد شمسی در گفتن سبق و نوشتن جواب فتوی معتبر بودند در جملہ عہد بلبنی بچندین استادان وبزرگان کہ یکے از ایشان اقلیمی را بیارا یہ پیراستہ بودند (ص ۱۱۲-۱۱۱)

اس زمانہ مین دہلی کے دو مدارس مدرسہ معزیہ اور مدرسہ ناصریہ کے اخراجات شاہی خزانے سے پورے کیے جاتے تھے، ان دونون مدارس کا ذکر پہلے آچکا ہے، مدرسہ ناصریہ کو بھی التتمش ہی نے اپنے بڑے لڑکے ناصرالدین محمود کی وفات پر اس کے ایصالِ ثواب کے لیے قائم کیا تھا،

اس عہد کے مدارس مین کلام پاک اور حدیث کی تعلیم ضروری تھی، تفسیر مین کشاف، ایجاز اور عمدہ عام طور سے پڑھائی جاتی تھی[۱]، اب کشاف کے بجائے جلالین کامل و بیضاوی سورہ بقرہ پڑھائی جاتی ہے، حدیث مین بخاری اور مسلم کے علاوہ مشارق الانوار[۲]، مصابح الدجی[۳] اور مصابیح[۴] پڑھائی جاتی تھین، اول الذکر دونون کتابین امام صغانی کی ہین، اب ان کتابون کی جگہ مشکوٰۃ نے لے لی ہے، فقہ کے نصاب مین ہدایہ، قدوری اور مجمع البحرین[۵] تھین، قدوری اور ہدایہ کی تعلیم تو اب تک جاری ہے، البتہ مجمع البحرین کی جگہ شرح وقایہ نے لے لی ہے، اور اب مجمع البحرین طاق نسیان بن کر رہ گئی ہے، یہ ابن الساعاتی کی مشہور کتاب تھی جو انھون نے قدوری اور النسفی کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا تھا، نحو مین کافیہ و مفصل[۶] مقبول تھین، کافیہ تو

[۱] فوائد الفواد ص ۱۰۹ [۲و۳] ایضاً ص ۱۰۳ [۴] سیر الاولیا ص ۲۰۷ [۵] ایضاً ص ۲۸۹ [۶] ایضاً

اب بھی نصاب میں ہے مفصل کی جگہ شرح ملا جامی نے لی ہے، ادب میں مقامات حریری بہت زیادہ مقبول تھی،[۱] منطق میں شرح شمسیہ اور کلام میں شرح صحائف اور تمہید ابو شکور سالمی پڑھائی جاتی تھیں،[۲] فارسی میں کیمیائے سعادت، تذکرۃ الاولیاء، خمسہ نظامی پڑھنے پڑھانے کا عام رواج تھا، فن تصوف میں قوت القلوب، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، لوائح، طوالع الشموس (از قاضی حمید الدین ناگوری) وغیرہ ذوق شوق سے پڑھی جاتی تھیں،

بلبن پر بزرگان دین کے اثرات علماء و مشائخ کی پر کیف صحبتوں سے بلبن میں جو انقلاب ہوا اس کے اثرات اس کی نجی و سیاسی زندگی دونوں کے لیے مفید ثابت ہوئے، تخت نشین ہونے سے پہلے اس کی مجلسوں میں ساغر و پیمانہ کا دور چلتا، رقص و سرود کا جشن منایا جاتا، قمار بازی بھی ہوتی، اہل مجلس پر سونے اور چاندی نچھاور کی جاتی لیکن تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد ان تمام مکروہات سے وہ تائب ہوا، اور رفتہ رفتہ علماء و مشائل کی صحبت سے اس میں اتنے غیر معمولی تغیرات ہوئے کہ

وہ عبادت، ریاضت، روزے، نفل اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام کرتا، جمعہ کی نماز، نماز با جماعت، اشراق و چاشت، اوابین اور تہجد کی بھی پابندی کرتا، خواہ کوئی موسم ہو، رات کو جاگتا، سفر و حضر میں بھی اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا، کبھی بے وضو نہ رہتا،[۳]

لیکن اس زہد و عبادت کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمران کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے لڑکوں اور خاص خاص لوگوں سے مولانا سید نور الدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا، جو انھوں نے سلطان شمس الدین التمش کے سامنے کہا تھا، اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں نماز پڑھتا رہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہوں

[۱] سیر الاولیاء ص ۱۰۱ [۲] الندوہ فروری ۱۹۰۹ء، ہندوستان کا نصاب درس از مولانا سید عبد الحی [۳] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶، ۴۷

سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق مین خرچ کرتا رہے لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنون کے قلع قمع کرنے مین صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو، اپنے ملک مین امر معروف کو جاری اور نہی منکر کو مٹانے مین کوشان نہ رہتا ہو، اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو، تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصہ کو بیان کرتا تو زار زار رونے لگتا[1]،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بلبن نے ان فرائض کو ادا کرنے کی بھی کوشش کی؟

اپنی ریاضت و عبادت کے باوجود اس کو اقرار تھا کہ وہ ایک دیندار حکمران نہین ہے، وہ خود کہتا کہ ایک دیندار حکمران کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حکومت حضرت عمرؓ بن الخطاب اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی حکومت کے طرز پر ہو، لیکن وہ اس کا بھی اعتراف کرتا کہ ایسی حکومت قائم کرنا اس کے بس سے باہر ہے[2]، لیکن یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اس کو اپنے دور حکومت مین دین کی حمایت کی خاطر شریعت اسلام، حمیت اسلام اور شعار اسلام کا بڑا خیال رہا، وہ جیسا کہ پہلے آچکا ہے، نمازین پڑھتا، روزے رکھتا، نماز با جماعت مین شریک ہوتا، جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جامع مسجد جاتا، مشائخ سے اپنی گرویدگی کا اظہار کرتا، علماء و صلحاء کی تعظیم و تکریم کرتا، اس نے یہ تمام اوصاف نہ صرف اپنی عاقبت اور آخرت کو درست کرنے کے لیے اپنے مین پیدا کیے، بلکہ اس لیے بھی کہ اس کے ان محاسن سے اس کی رعایا مین بھی خدا ترسی، دینداری اور پرہیزگاری پیدا ہوگی، کیونکہ وہ الناس علی دین ملوکھم کا قائل تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اگر کسی حکمران مین نیکی، دین داری اور تقویٰ ہے تو یہ خوبیان اس کی رعایا مین بھی خود بخود پیدا ہو جائین گی، اور اگر اس مین صرف برائیان ہین تو ساری مملکت مین

---

[1] برنی ص ۴۴ [2] ایضاً ۴۷

برائیاں ہی برائیاں نظر آئیں گی۔[1]

بلبن نہ صرف خود شریعت کا پابند ہوا، بلکہ اپنی قہر و سطوت سے امر معروف ونہی منکر کے مطابق احکام شرعی کو رواج دینے کی بھی کوشش کی، وہ کہا کرتا تھا کہ

"از چنین بادشاہی کہ .... نہ از ہیبت وحشمت وقہر وسطوت او ورد نہائے مردمان ترسان ولرزان شود ہرگز دین پناہی ودین پروری کہ بجریان امر معروف ونہی منکر متعلق است، نیاید" (برنی ص ۳۵)

ایک اور موقع پر ایک حکمران کے فرائض میں یہ بھی بتایا کہ

"امر وجریان ماموات شرعی ونہی منہیات وہوائے نفس لازم داند"(برنی ص۷۹)

وہ تو یہ حجت بھی پیش کرتا تھا کہ حکمرانی کے دوران میں ایک حکمران سے جتنی باتیں خداوند تعالیٰ کی رضا اور سنت کے خلاف ہوتی رہتی ہیں، وہ معاف ہو سکتی ہیں، اگر وہ حمیت اسلام اور شعار اسلام کو برقرار رکھنے کی خاطر امر معروف ونہی عن المنکر کے مطابق احکام شرعی کو رواج دینے میں کوشاں رہے،[2] بلبن کی یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب رہی، چنانچہ اس کا اعتراف نہ صرف ضیاء الدین برنی نے بلکہ تیموری دور کے مورخوں نے بھی کیا ہے، طبقات اکبری میں ہے:

"اوامر ونواہی را کماینبغی رعایت نمودے"[3]

اوامر ونواہی کی پابندی کرانے کے لیے بلبن مختلف منصب پر متقی، متدین اور خدا ترس حکام ہی کو فائز کرتا، (دیکھیے برنی ص ۳۴، ۴۴، ۷۳، ۷۹) تاریخ فرشتہ میں بھی ہے:

"کار مملکت را جز بہ اکابر ومردم دانا نسپردی ...... وتا صلاح تقوی ودیانت کسے مشخص نشدے، شغل وعمل نفرمودے" (ج ۱ ص ۷۵)

---

[1] برنی ص ۷۰، [2] ایضاً ص ۴۱ [3] طبقات اکبری ج ۱ ص ۷۹

اور اپنے ولی عہد کو بھی اسی کی تلقین کی کہ

"قضاۃ وحکام متدین بر خلائق نصب فرمائی تا رواج دین و رونق عدل میان خلائق پذیرا آمد"[۱]

اور وہ متدین اور متقی حکام کی باتوں اور سفارشوں ہی کو قبول کرتا، تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ

"قاضیان لشکر را کہ ایشان بحرمان گفتندے در تقوی و دین داری مشہور بودندے حرمت بسیار داشتے و شفاعتی کہ ایشان کردندے، قبول کردے"[۲]

اسی طرح حکمرانی کے سب سے اہم فرض عدل و انصاف کا جو نمونہ بلبن نے پیش کیا، اسکی مثال ملنی مشکل ہے، تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

"داد دہی اور انصاف پروری میں بھائیوں، لڑکوں، مقربین اور مخصوص لوگوں کا لحاظ نہ کرتا، اگر اس کے نزدیک رہنے والوں میں سے کوئی کسی پر ظلم کرتا تو اس کا انصاف کرنے میں مطلق نہ چوکتا، اور جب تک مظلوم کے ساتھ انصاف نہ کر لیتا، اس کے دل کو آرام نہ پہنچتا، انصاف کرتے وقت اس کی نظر اس پر نہ ہوتی کہ ظلم کرنے والا اس کا حامی و مددگار رہے، اس لیے ملکی مصلحت کی بنا پر اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، مظلوموں اور بیکسوں کے ساتھ اس کی شفقت ماں باپ کی طرح ہوتی، اس کے لڑکے، عزیز، مخصوصین، والی اور مقطع اس کی عدل پروری سے واقف تھے، اس لیے کسی کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اپنے غلاموں، کنیزوں، سواروں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کریں"۔ (ص ۴۰)

طبقات اکبری میں ہے:

[۱] فرشتہ جلد اول ص ۷۲ و برنی ص ۴۳، [۲] برنی ص ۴۰

"دروادو عدل ہیچ یک از سلاطین سابق عدل او نبود" (ج ا ص ۷۹)

اس کے عدل و انصاف کے قصے آج تک خاص خاص حلقوں میں سنائے جاتے ہیں،

(مثال کے لیے دیکھو برنی صفحہ ۴۱-۴۰)

خسرو نے بلبن کی حکومت کی تعریف حسب ذیل شعروں میں اس طرح کی ہے:

غیاث الدین و دنیا شہ بر اورنگ ز بہر عونِ مظلومان دل تنگ

خرام پیل نپسندید بر مور[1] شہے بود کہ از بخشایشش و زور

خود اس زمانہ کے ہندوؤں نے بلبن کی حکومت کو دل کھول کر سراہا ہے، اسی عہد کے کسی ہندو کا لکھا ہوا ایک کتبہ پالم میں ملا ہے جو سنسکرت اور ہریانہ کی مقامی زبان میں ہے، یہ کتبہ ۱۳۳۷ء بکرمی (مطابق ۱۲۸۰ء) میں لکھا گیا ہے جب بلبن تخت نشین تھا، اس میں مسلمان حکمرانوں خصوصاً بلبن کی تعریف کی گئی ہے، بلبن کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس کی سلطنت میں آسودہ حالی ہے، اس کی بڑی اور اچھی حکومت میں غور سے غزنہ اور ڈراوڑ سے رامیشورم تک ہر جگہ زمین پر بہار ہی بہار کی دل آویزی ہے، اس کی فوج نے ایسا امن و امان قائم کیا ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے، سلطان اپنی رعایا کی خبرگیری ایسی اچھی طرح کرتا ہے کہ خود وشنو دنیا کی فکر سے آزاد ہو کر دودھ کے سمندر (شیر ساگر) میں جا کر سو رہے ہیں،[2]

ہاں البتہ بلبن کے شاہانہ لباس اور اس کے دربار کی زینت و آرایش کی جو تفصیل تاریخوں میں ہے

---

[1] مثنوی دول رانی خضر خان، مطبوعہ علی گڈھ ص ۵۰

[2] Epigraphia Indo-Moslemica 1913-1914 pp 35-45

Palam inscription

بحوالہ سلطنت دہلی کا نظام حکومت از اشتیاق حسین قریشی ص ۲۱۲-۲۱۳

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہری نمود و نمایش مین عجمی فرمانرواؤن کی تقلید کرتا تھا، اور اسکا یہ رنگ مشرکانہ تھا، اس کے دربار مین منقش فرش بچھایا جاتا، زربفت کے پردے لٹکائے جاتے، چاندی اور سونے کے برتن رکھے جاتے جن مین میوے، شربت اور پان رکھکر اہل مجلس کی تواضع کی جاتی، کبھی گانا بجانا بھی ہوتا[1]، اس کی سواری کے رکاب مین بھی اسی قسم کی شان و شوکت کا مظاہرہ کیا جاتا، بلبن کو یہ احساس تھا کہ یہ عظمت نمائی اور خود پرستی بلکہ اس کے اور بھی بہت سے افعال و اعمال احکام الہٰی اور سنت نبویؐ کے خلاف ہین، لیکن اس احساس کے باوجود اس نے اپنی شاہانہ عظمت و جلالت کو برقرار رکھنے کے لیے دربار کے تزک و احتشام کے غیر اسلامی طریقے کو قائم رکھا، کیونکہ بہت سے سیاسی مصالح کو سامنے رکھکر اور اس مفتوحہ ملک کے ماحول کو دیکھکر وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ جو بادشاہ دربار کی آرایش، شاہانہ سواری کے مراسم اور سلطنت کے آداب کا لحاظ نہین کرتا اس کا رعب و داب رعیت کے دلون مین قائم نہیں رہتا، اور نہ دیکھنے والون پر اس کی حشمت و جلالت کا کچھ اثر ہوتا ہے، ایسے بادشاہ کے دشمن دلیر ہو جاتے ہین، اور اس کی حکومت مین خلل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین، اس کا قول تھا کہ بادشاہ کا رعب اور اس کی ہیبت جس قدر اسکے وقار و تمکنت سے رعایا کے دلون مین بیٹھتی ہے، اس قدر سزا اور خشونت سے قائم نہین ہوتی، وہ کہا کرتا تھا کہ بادشاہ کا پر ہیبت اور پر جلال نہ ہونا رعایا کی سرکشی اور بغاوت کا باعث ہوتا ہے، ایسی حالت مین غیر مسلم باغیانہ روش اختیار کرتے ہین اور مسلمان فسق و فجور مین مبتلا ہو جاتے ہین اور جو بادشاہ اپنی سطوت کو قائم رکھتا ہے، وہ مدتون حکمرانی کرتا ہے، ورنہ اس کی حکومت مین فتنہ و فساد کا بازار گرم رہتا ہے، عدل و انصاف مین اختلال پیدا ہو جاتا ہے، اور ظلم و تعدی کے دروازے کھل جاتے ہین، وہ تو اس کا بھی قائل تھا کہ اگر ایک بادشاہ باہیبت اور بارعب نہین ہوتا تو اس سے دین حق کی

---

[1] برنی ص ۳۲

رسوائی ہوتی ہے، اور دوسرے ادیان مین رونق آجاتی ہے، پھر مسلمانون کے معاملات مین بے انصافی ہوتی رہتی ہے،[1]

مگر اس تاویل اور مدافعت کے باوجود وہ دربار کی نمایش، خود پرستی اور اسی قسم کی اور باتون کو رسوم جبابرہ ہی مین شمار کرتا تھا، اور تمام رسوم جبابرہ کو شرک، خلاف سنت اور موجب عذاب سمجھتا تھا، مگر اس کے خیال مین اس عذاب سے ایک حکمران کے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ خلق اللہ کی بھلائی مین لگا رہے۔ اور اپنے مین خدا ترسی پیدا کرے، ملک سے فسق و فجور دور کرے، سلطنت کے کام عقلمندون، ایمان دارون اور خدا ترس لوگون کے سپرد کرے، اور عدل و انصاف کو پورے طور پر قائم رکھے،[2]

یہ کہنے مین تامل نہیں کہ بلبن نے حکمرانی کی یہ تمام باتین اپنے مین پورے طور پر پیدا کین، تیموری دور کے مورخین خواجہ نظام الدین احمد اور ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے اوصاف پسندیدہ کے لیے

---

[1] برنی ص ۳۵-۴۴، تاریخ فرشتہ ج اول ص ۷۶-۷۵، [2] طبقات اکبری مین بلبن کے ذکر مین ہے:

"و بارہا می گفت کہ اینکہ بادشاہ در اوضاع و احوال خود، رسوم جبابرہ کار می فرماید، ہمہ اشتراک با خدا و خلاف سنت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم است، مکافات این جز بہ عقاب و عذاب نیست و تلافی این نتوان کرد، مگر آنکہ بچہار چیز، اول آنکہ قہر و سطوت خود را در محل خویش مصروف گرداند و جز از رفاہیت خلق. و ترس حق در نظر او نباشد، دوئم آنکہ نگذارد کہ در ممالک او فسق و فجور علانیہ بوقوع آید، و سد این باب فرماید، و فاسقان و بے باکان را دائم منکوب و مخذول دارد و سیوم آنکہ کار عمل و شغل بمردم دانا و شایستہ و بادیانت خدا ترس تفویض نماید و مردم بد اعتقاد را در ملک خود جا ندہد کہ سبب اضلال خلق خدا شوند، چہارم آن کہ در عدالت و داد خواہی استقصا نماید بمرتبہ کہ آثار ظلم و تعدی در دیار او نماید"

(ج ۱ ص ۸۱)

حسب ذیل اشعار لکھے ہین:

فرکیخسروی از پنجاب خاست	کہ جہان رابعدل وعلم اراست
روز خلوت کلیم پوشیدے	بنماز ونیاز کوشیدے
روے بر ریگ و دل چو دیگ بجوش	دل سخن گستر و زبان خاموش

بلبن کے فر کیخسروی نے تو نہین لیکن اس کے "عدل" "علم" "نماز و نیاز" "روے بر ریگ" "دل سخن گستر" اور "زبان خاموش" نے اس میں ایسا کردار پیدا کیا، جس سے حمیت اسلام اور شعار اسلام کو ضرور فروغ ہوا۔ اور جب وہ اس دنیاے فانی سے عالم بقا کو سدھارا تو اس کی موت پر ماتم نہ صرف ارکان حکومت بلکہ بزرگان دین نے بھی کیا، تاریخ فیروزشاہی مین ہے:

"ملک الامراء کوتوال بلبن کی موت پر چھ مہینے زمین پر سویا، شہر کے تمام ملوک، امراء، صدور، اکابر و معارف بھی چالیس روز تک زمین پر سوئے، عقلمند، ہوش مند اور تجربہ کار لوگ بھی سلطان کی موت پر رنجیدہ اور مغموم ہوئے، اور شہر کے تمام بزرگان دین نے سلطان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے کھانے تقسیم کیے[1]۔"

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور دوسرے بزرگ جب بلبن کا نام لیتے تو اس کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" "طاب اللہ ثراہ" اور "انار اللہ برہانہ" بھی کہتے، خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنی مجلس مین اس کے مذہبی عقائد کی تعریف بھی کی ہے[2]۔

بلبن کے دربار مین شعراء کی کمی

بلبن کو علماء و مشائخ سے کچھ ایسی دلچسپی رہی کہ وہ شعراء کی طرف مائل نہ ہوسکا۔ درباری روایات کے مطابق شعراء اس کے سامنے آکر قصائد پڑھتے اور

[1] برنی ص ۱۲۳

[2] فوائد الفواد ص ۲۳۲ - ۲۳۱

اور انعامات پائے[۱]، لیکن وہ ذوق شعری سے کچھ ایسا عاری تھا کہ علماء کی طرح شعراء اس کے دربار میں رسوخ حاصل نہ کرسکے، مگر اس زمانہ کے شعراء کو بلبن کے شہزادوں اور امراء کے درباروں میں ایسا ملجا و ماوی مل گیا تھا کہ ان کو بلبن کے عدم التفات کا احساس مطلق نہ ہوا شمس دبیر، قاضی اثیر، امیر خسرو اور حسن سجزی نے ان شہزادوں اور امراء کی سرپرستی اور نذر پاشی میں فارسی

---

[۱] برنی ص ۳۲، طبقات اکبری جلد اول ص ۸۰، امیر خسرو کے دیوان تحفۃ الصغر میں بلبن کی شان میں کئی قصائد درج ہیں، یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ خسرو نے بلبن کے دربار میں جا کر یہ قصائد پیش کیے، یا غائبانہ اسکی مدح لکھکر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے، ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے ہم خسرو کے بعض قصائد کے اشعار یہاں پر درج کرتے ہیں:

یقین کہ روز جہاں را نیامدست زوال | چو از کسوف بروں آمد آفتاب جلال

غیاث دنیا و دین سایۂ خدا ے کہ خلق | بدو نیامد از ہم آفتاب زوال

بروز جمعہ بیاراستند ہمچو عروس | برائے شاہ جہان شہر را بہ زیور و مال

بہ قبہ کردند اشکال گردش گردوں | بجز و بگردش گردون نباشد این اشکال

بتان نادرہ ہستند دختران بدیع | ہمی کنند شمائل روان چو آب زلال

ز طبل شاہی آوازکے کہ برمی خواست | بہ شرق و غرب ہمی رفت و رجنوب شمال

ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے جسکو خاقانی کے طرز پہ کہنے کی کوشش کی ہے،

صبح است و بر وو بدہ صبا معجز نہ ش | وافگندہ زلف شب ز عذار مرغوش

بلبن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں

اعظم غیاث دنیا و دین وغیب مکرمت | گر غیب شد ممالک دنیا مقررش

آفاق کردہ بسپرد وران رکاب او | دوران نگندہ زیور اقبال در برش

ایک اور قصیدہ کا مطلع یہ ہے، یہ بھی خاقانی ہی کے طرز پر ہے۔

خسرو عالم غیاث الدین شہ گردون | جناب آنکہ بر سر کردی چو اوں چرخ شد ممالک تاب

شاعری مین جو چار چاند لگائے، وہ ہندوستان مین فارسی ادب کی تاریخ کا ایک اہم اور شاندار باب ہے، ہم پہلے ان شہزادون اور امراء کا ذکر کرتے ہین، پھر ان شعراء کے حالات زندگی اور کارنامے سے ہم ناظرین کو روشناس کرائین گے،

شہزادون کی تعلیم و تربیت

بلبن کو اپنے شہزادون کی دینی اور دنیاوی تعلیم کا بڑا خیال رہا، اس کا دوسرا لڑکا بغرا خان لکھنوتی کا حاکم ہوا تو اس وقت بھی اپنے بیٹے کو یہ تعلیم دی کہ اگر تم اپنے کو خدا کا بندہ اور اسی کا پیدا کیا ہوا انسان سمجھتے ہو تو ہر حال مین پانچون وقت نماز با جماعت ادا کرتے رہو، اور یہ حدیث پڑھی کہ جماعت کا تارک منافق اور ملعون ہے، اور امام کی پہلی تکبیر کے ساتھ جماعت مین شریک ہونا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے، اور اگر نماز ادا نہ ہو سکے تو اس کی قضا ضرور پڑھ لینی چاہیے کہ اس سے عاقبت بنتی ہے،[1]

ظاہر ہے کہ بلبن نے اسی طرح اور دوسرے ارکان اسلام کی تعلیم پر بھی زور دیا ہوگا، دنیاوی تعلیم مین شہزادون نے پہلے تو خطاطی اور زبان و لغت کی تعلیم پائی، پھر ادیبون اور مورخون کی ضروری کتابون کا مطالعہ کیا، اصول حکمرانی اور رموز جہانبانی سیکھنے کے لیے خواجہ تاج الدین بخاری سے آداب السلاطین اور مآثر السلاطین خاص طور پر پڑھین خواجہ تاج الدین، سلطان شمس الدین التمش کے ندیم خاص تھے، انھون نے بلبن کے شہزادون کو آداب السلاطین ختم کرائی تو سلطان التمش نے ان کو دو گاؤن اور ایک لاکھ جیتل انعام مین دیئے۔[2]

بلبن نے شہزادون کو خلوت و جلوت مین اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے کی بھی خاص تربیت دی، اس کی تاکید تھی کہ وہ اپنا خلا ملاء اکابر، اشراف، ارباب دانش، اصحاب ہنر اور نیک بندگان خدا ہی سے رکھین کہ اس سے دنیا مین نیک نامی اور عقبیٰ مین سرخروئی پیدا ہوتی ہے،

[1] برنی ص ۱۰۲ [2] ایضاً ص ۱۴۵ - ۱۴۴

وہ ان کو ایسے لوگون سے ملنے کی سخت ممانعت کرتا جو کم نسل، اخلاقی حیثیت سے بے مایہ، بد دیانت یا مذہبی عقیدے مین گمراہ ہوتے،[1]

بلبن کی تعلیم و تربیت سے اس کے بڑے لڑکے محمد سلطان مین گوناگون اوصاف پیدا ہوئے، سلطان بلبن اس کو اس کے پسندیدہ خصائل کی وجہ سے بہت ہی عزیز رکھتا تھا، وہ نہ صرف اپنی شجاعت، نبرد آزمائی، تدبر اور بصیرت کے لیے سب کی نظرون مین مقبول تھا، بلکہ اپنے عام عادات و اطوار کے لحاظ سے بھی خواص و عوام اور مشائخ و علماء سب ہی کی نگاہ مین محبوب تھا، اس کی تہذیب و شائستگی کا یہ حال تھا کہ جب دربار مین بیٹھتا تو دن کا دن اور رات کی رات گذر جاتی لیکن اپنا زانو نہیں بدلتا کسی نے اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہین سنا، مشائخ سے ان کا ادنیٰ خادم بن کر ملتا، ایک روز شیخ عثمان اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدین دوسرے درویشون کے ساتھ شہزادہ کے یہان ایک مجلس سماع مین شریک ہوئے، عربی اشعار پر ان درویشون پر وجد طاری ہوگیا، اور وہ رقص کرنے لگے شہزادہ بھی دست بستہ کھڑا ہوگیا، اور برابر زار و قطار رو رہا تھا،[2]

شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار

شہزادہ کی مجلس فضلاء و شعراء سے ہمیشہ بھری رہتی اور اس مین برابر شاہنامہ دیوان سنائی، دیوان خاقانی اور خمسۂ نظامی پڑھے جاتے اور ان پر بحث و تمحیص ہوتی، اگر مجلس مین کوئی ندیم ایسا شعر پڑھ دیتا جو پند و نصائح سے بھرا ہوتا تو شہزادہ اس کو سنکر رونے لگتا، اور بعض اوقات اس پر ایسی رقت طاری ہو جاتی کہ شرکائے مجلس کو اس کے تاثرات دیکھکر حیرت ہوتی،[3]

ارباب ذوق شہزادہ کی شعر فہمی کے بے حد معترف تھے، خسرو کہا کرتے تھے کہ سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کو حافظہ مین محفوظ رکھنے مین محمد سلطان

---

[1] برنی ص ۵۰، [2] ایضاً ص ۶۸-۶۷ [3] ایضاً ص ۶۷-۶۸

جیسا کسی کو نہ پایا، شہزادے نے ایک بیاض تیار کی تھی جس مین اپنے مذاق کے مطابق بیس ہزار اشعار انتخاب کر کے درج کیے تھے، ان اشعار کے انتخاب پر خسرو اور حسن سجزی بھی داد دیتے تھے، یہ بیاض ایسی نادر چیز تھی کہ جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو بلبن نے اپنے خاص دوات دار امیر علی کو دے دی، امیر علی کے بعد امیر خسرو کے ہاتھ آئی، اربابِ ذوق اس کی نقلین لیتے اور بیاضون مین درج کرتے تھے۔[۵]

شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان مین لگتا، دہلی مین بلبن کے یہان علماء و فضلاء کا بڑا اجتماع ہو گیا تھا، ان مین سے بعض اربابِ علم محمد سلطان کی فیاضی و زرپاشی سن کر دہلی سے ملتان منتقل ہو گئے تھے، شہزادہ کی علمی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے فرشتہ رقمطراز ہے:

"ہمیشہ مجلس ہمایون خود را بہ فاضلان سعادت قرین و شاعران فراست آئین آراستہ درحق ہمگنان انواع الطاف و اعطاف مصروف داشتے و زمانہ از وجود فائز الجودش بہار بہار و چمن چمن نسرین و نسترن در جیب و دامن کردے" (ج ۱ ص ۷۸)

دہلی کے شعراء مین سے خسرو اور حسن سجزی کی وجہ سے محمد سلطان کے دربار کی رونق خاص طور پر بڑھی، اور ان تینون سخن فہمون اور سخن سنجون کا اجتماع ہوا تو شہزادہ کی بزم ادب مین پانچ سال تک بڑی رنگینی اور کیفیت رہی، شہزادہ ان دونون اربابِ کمال کو اس مدت مین اپنے بے پایان لطف و نوازش اور انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہا، خسرو دل کھول کر شہزادہ کی شان مین قصائد کہتے، اور شہزادہ مال و دولت نچھاور کر کے ان کی داد دیتا، چنانچہ خسرو اس کے جود و سخا اور خلق کے بارہ میں اس کو مخاطب کر کے کہتے ہین:

جود تو گوش صدف را پادہ کرد   نام لولو ہر کسے لالہا د

جود تو گوش صدف را پادہ کرد   نام لولو ہر کسے لالہا د

مشک ارزان شد بوصف خلق تو	کلک من چو روئے در سودا نہاد
مشتری جز مدح تو ننوشت ہیچ	خامہ را بر روئے کاغذ تا نہاد

حسب ذیل قصیدہ مین خسرو نے شاہزادہ کی شان مین اپنے والہانہ جذبات کا اظہار بڑے دلکش پیرایہ مین کیا ہے، عشقیہ تشبیب مین حسن الفاظ کی دل آویزی اور طرز ادا کی شگفتگی کے ساتھ جذبات مین بھی بڑی رنگینی ہے، صنعت التفات (یعنی ممدوح کی مدح کے وقت ضمیر حاضر سے اسکو یاد کرنا) مین شہزادہ کو مخاطب کرتے ہیں:

زہے رویت شگفتہ لالہ زاری	درحسن ترا گل پردہ داری
رخت را بہتر از مہ می شمارم	وزین بہتر نمی بینم شماری
درخت صندل آمد قامت تو	کہ می پیچد در و زلفت چو ماری

اس سراپا نگاری کے بعد خیال یار، خیال وصل اور خیال فراق کی مصوری کرکے گریز کرنا چاہتے ہیں، جس سے گریز مین بڑی دلکشی پیدا ہوگئی ہے،

چو خود رفتی بتسکین دل من	خیال خویش را بفرست باری
نخواہم یادگاری از تو لیکن	خیالت آنکہ بدہی یادگاری
دلم یک چند بود اندر پس کار	فراقت باز پیش آورد کاری
گلے نہ شگفتہ بختم راز وصلت	ز غم ہر موئے برتن گشت خاری

اسی کے بعد ممدوح کا ذکر لاتے ہین:

زشاخ بخت چون برگے ندارم	بخواہم از جناب شاہ باری
شہنشہ نصرت دنیا محمد	کہ نارد چرخ چون او شہریاری

شہزادہ کے وقار، تمکنت، حکمرانی، بلندی اقبال، اصابت رائے، اور جود وسخا کی

تعریف خاص انداز مین کرتے ہیں،

بگاہ زلزلہ کوہ گران سنگ ۔۔۔ ز ذاتش عاریت خواہد وقاری

جہاں دارا توئی دارا جہان را ۔۔۔ جہان دایم ہمی گوید کہ آری

زمین شد مست ز اقبالت کہ دارد ۔۔۔ نگہبان ہمچو رایت ہوشیاری

سپہر پیر از رای تو ہر دم ۔۔۔ گزد انگشت ہمچو شیرخواری

مگر زد لافِ گوہر با تو دریا ۔۔۔ کہ ابر از ژالہ گردش سنگ باری

چو در باریدن آمد ابر دستت ۔۔۔ گہر گیرد گل اندر ہر دیاری

دعائیہ اشعار پر قصیدہ ختم کرتے ہیں:

ز بہر نظم خسرو در ثنایت ۔۔۔ کشد ہر لحظہ دُر شاہواری

حدیث مدح چون پایان ندارد ۔۔۔ بدعوت بہ کہ باشد اختصاری

مدارِ دارِ عالم باش در ملک ۔۔۔ بود تا دارِ عالم را مداری

حسود ملک را بر دار می کن ۔۔۔ وزین دارش زُوان می کن بداری [1]

تحفۃ الصغر کے علاوہ وسط الحیوٰۃ مین شہزادہ محمد کی شان مین تقریباً ۲۳ قصائد ہین، جن مین کبھی ابوالفرج رونی، کبھی انوری، کبھی ظہیر فاریابی، کبھی اسماعیل کمال اور کبھی اپنے خاص رنگ مین اشعار کہکر اپنے قلم کی روانی دکھاتے ہیں، اور یہ روانی دریا کی موجوں کی طرح لہرین مارتی ہوئی دکھائی دیتی ہے،

بحر مجتث مقصور مین ابوالفرج رونی کے ایک طویل قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

بدیع نیست بہ شب دیدن ستارہ در آب ۔۔۔ بروز بین کہ سپہرے است پر ستارہ بر آب

---

[1] دیوان وسط الحیوٰۃ، علی گڈھ اڈیشن ص ۵۳

خسرو نے ابوالفرج رونی ہی کی تقلید مین بحر مجتث مثمن، مجنون مقصور

مین ایک طویل قصیدہ کہا ہے، جس کے تین بند ہین، تیسرے بند کے شروع میں کہتے ہین

سپیدہ دم کہ دمد آفتاب روشن تاب　　زمانہ را کند از آفرین شاہ خطاب

یگانہ نصرت دین قان ملک محمد راد　　خدایگان فلک مرکب ہلال رکاب

گرفتہ منزل رفعت بر آسمان لقبش　　اگرچہ منزل گردد ز آسمان القاب

بہ بند بازوے او بست بہر قوت دین　　زمانہ رشتۂ انصاف وگوہر خطاب

جہان ز معدلت اوست قائم ارنہ بہ چرخ　　بروج منقلب اند وستارگان قلاب

انوری نے سلطان سنجر کی شان مین ایک قصیدہ کہا تھا، جس کا مطلع یہ ہے:

گر دل و دست بحر و کان باشد　　دل و دست خدایگان باشد

خسرو نے اسی کی تقلید مین بحر بدل کر یعنی بحر ہزج مثمن سالم مین شہزادہ کے لیے ایک قصیدہ

لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

کسے را کین چنین زلف و بناگوش آنچنان باشد　　اگر در دیدۂ و دل جائے سازد جائے آن باشد

اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:

درونم ز آتش اندیشہ بند از بند می سوزد　　عفاء اللہ چون کسے کو را تپ اندر استخوان باشد

انوری نے اسی قافیہ کے ساتھ یہ شعر کہا ہے،

ظلم را دائم از سیاست او　　تپ لرزہ در استخوان باشد

خسرو شہزادہ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:

سران را تاج سلطانی محمد شاہ بن سلطان　　کہ تاج سلطنت او را است تا ملک جہان باشد

چہ مجنون یافت یارب بخت او از حقہ گردون　　کہ ہم ہموارہ بیدار است وہم دائم جوان باشد

قصیدہ اس شعر پر ختم ہوتا ہے:

بدار ملک و دولت جاودان می باش دشمن را | بدار ملک بری کش کہ ملک او ہمان باشد

انوری نے اپنے قصیدہ کو اس شعر پر ختم کیا ہے،

در جہان ملک جاودانت باد | خود چنین ملک جاودان باشد

ظہیر فاریابی کا ایک قصیدہ ابو بکر بن محمد کی شان مین ہے جس کا مطلع یہ ہے،

دریں ہوس کہ من افتادہ ام بنا دانی | مرا بجان خطرست از غم تو تا دانی

کمال اسمٰعیل نے بھی اسی قافیہ مین ایک قصیدہ کہا ہے، اس کا مطلع یہ ہے،

بگویم و نہ کند رخنہ در مسلمانی | تو ای کہ نیست ترا در ہمہ جہان ثانی

ان ہی دونون ارباب کمال کے قصیدون کو سامنے رکھ کر خسرو نے شہزادہ محمد سلطان کی شان مین ایک قصیدہ کہا جس کی تشبیب کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں،

چون زلف غالیہ گون بر عذار بنشانی | نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی

نشانہ زخم زبان گرچہ می کشد زلفت | نمی کند سر موئے کم از پریشانی

خراب کرد جہان چشم کافرت افسوس | کہ نیست ہیچ کسے را غم مسلمانی

حدیث روئے تو از دم صبا بشنید | بہ بست لعل لبت از سپید دندانی

برون کشید سر از آب روشن آن سبزہ | کہ داشت جوئے لبت زیر آب پنہانی

کمال اسماعیل کا ایک قصیدہ حسب ذیل مطلع کے ساتھ ہے،

زہے ز سنبل تر کردہ لالہ را پردہ | بر آسمان زدہ عکس رخت سراپردہ

اس ردیف، قافیہ اور وزن مین بھی خسرو نے شہزادہ کی شان مین ایک قصیدہ کہا ہے، جس کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہین:

مکش بگرد رخ از خط دل ربا پرده
کہ کس زشب نکند آفتاب را پرده

ز بیم آن کہ رسد چشم آفتاب بتو
ببند و ابر بہر لحظہ در ہوا پرده

کند بہ پیش خطت پرده پوشی سبزه
چو گل بباغ کشد بر سر گیا پرده

نوائے صیت تو کاہنگ او بہ پرده است
بساختہ فلک از بہر او نوا پرده

نسیم خلق تو روزی خلق را چون گل
کشاد از پس ہر پردۂ جدا پرده

لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ خسرو نے صرف پرانے استادوں ہی کی خوشہ چینی کر کے شہزادے کی مدح کی بلکہ اپنے خاص رنگ مین بھی قصیدہ لکھکر اپنا زورِ کلام دکھایا ہے، مثلاً حسب ذیل مدح مین بہاریہ تشبیب کا جو بہتر سے بہتر نمونہ ہو سکتا ہے، وہ پیش کرتے ہین، ابرِ نیسانی سے بلبل کی شور انگیزی، گل و نرگس کی زرفشانی سے روئے زمین کی طلاکاری، مرغانِ چمن کی نغمہ سرائی، بادِ نسیم کی عنبر بیزی، غنچہ کی کجکلاہی، بندِ قبا کی چستی، بادِ صبا کی مستانہ خرامی، لالہ کی خون افشانی، چشمِ نرگس کی افسون خوانی، سرو و سوسن کی سرکشی، بنفشہ کی تواضع و فروتنی، ابر کی سیارہ افشانی کی مصوری کر کے بہار کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ دی ہے،

وقت آن آمد کہ بر بالائے گردون بر شود
ابرِ نیسانی گرد و آواز بلبل تر شود

از زر افشانِ گل و نرگس ہمہ روئے زمین
شد چنانکہ از خاک را در مشت گیری زر شود

صبح دم مرغان ببانگ آیند و ز باد نسیم
خاک زیر پر مرغان بیضۂ عنبر شود

گر قبا را چست بندد گر کلہ را کژ نہد
غنچہ را آندم کہ بہ خود خواب اندر سر شود

آب را باد صبا زنجیر در گردن کند
دست بید انجیر را چون بید با خنجر شود

ہر زمان دریائے نیلوفر سپہر بر روئے آب
بفگند تا از حبابش قبۂ اسپہر شود

آب را بینی کہ از تندی چہ گنبد ہا کند
چون ز باران آبلہ در پائے نیلوفر شود

نوبہار از لالہ بلبل را بہ طشت خون نشاند | تا چراغ عاشق بروئے لالۂ احمر شود
بر زمین گند ناگون قطرہا افتد ز ابر | سالک مروارید تر در گوش سیمبر شود
زلف سنبل دام چشم نرگس افسون خوان شدہ است | تا گر بلبل بدان افسون بدام اندر شود
سرو و سوسن را بنفشہ زان تواضع می کند | تا مگر در خدمت آزادگان در خور شود

اب اس بہاریہ تشبیب کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

کار دور الکون شود گردان و در ہر مجلسے | ساقیا را دست مطلق پرے د ساغر شود
باغ می گوید کہ من در وجہ ساقی می نہم | ہر زر و سیمی کہ گل را جمع در دفتر شود
غنچۂ نو خیز می خواہد ز بستان بر کند | تا بسوئے مجلس شہزادہ کشور شود
شہ نصیر دولت و دین کز نسیم دولتش | بارہ زرین شاہان را بلند افسر شود
رائے او از یک نظر در خانۂ چرخ افگند | ماہ را بینی کہ اندر خانۂ دیگر شود

شہزادہ محمد سلطان کی تمنا

اسی ادب دفن کی فضا مین شہزادہ محمد سلطان کی تمنا اور خواہش ہوئی کر ملتان ہر قسم کے علوم و فنون کا مرکز ہو جائے، چنانچہ شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صاحب دل بھی تھے، ملتان تشریف لائے تو شہزادہ نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، نذرانے اور ہدیے پیش کیے، اور ان سے بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان مین قیام فرمائین، لیکن انھون نے اس کو قبول نہین کیا،[1]

خسرو اور سعدی

اسی طرح شیخ سعدی کی خدمت مین شیراز دو بار قاصد بھیج کر ان سے ملتان آنے کی التجا کی، زاد راہ بھیجا، اور ملتان مین ان کے لیے ایک خانقاہ اور اس کے مصارف کے لیے گاؤن وقف کر دینے کا وعدہ بھی کیا، لیکن شیخ سعدی نے دونون مرتبہ اپنی پیری کا عذر کیا،

[1] برنی ص ۶۷

اور ہر مرتبہ دست خاص سے اپنی بیاض میں سے کچھ اشعار لکھ کر شہزادہ کو تحفہ بھیجا، فرشتہ کی روایت ہے کہ اس تحفہ کے ساتھ شیخ سعدی نے شہزادہ سے خسرو کی سفارش بھی کی.[1] یعنی اس سے ہندوستان کے اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنے کو لکھا، میخانہ کے مولف عبدالنبی خان جواہرالاسرار مولفہ شیخ آذری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ سعدی ہندوستان آئے اور امیر خسرو کی صحبت میں رہے، اور ان کی تعریف یہ شعر کہکر کی ہے:

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت　　شیرہ از خمخانہ مستی کہ در شیراز بود

ایک اور موقع پر خسرو کے لیے یہ بھی کہا

جلد سخنم دارد شیرازہ شیرازی

شیخ آذری کی اس روایت کو بعض تذکرہ نویسوں نے غلط بتایا ہے. اس لیے مولف میخانہ نے لکھا ہے:

"اما چون تو ان گفت کہ شیخ آذری غلط کردہ است زیرا کہ او یکے از اکابر است واین قسم بزرگان سہو نمی فرمایند ولیکن انچہ بخاطر مؤلف کتاب میخانہ عبدالنبی خان فخر الزمانی می رسانیست کہ حضرت مصلح الدین در اول جوانی در ایام سیاحت وقتے کہ خسرو درصغر سن بودہ رسیدہ و رسانیدہ و با او صحبت داشتہ" (ص ۶۳)

لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ شیخ سعدی جوانی ہی میں خسرو سے ملے. شیخ سعدی کی ولادت سنہ ۵۸۹ھ بتائی جاتی ہے، اور خسرو سنہ ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے، یعنی ان کی پیدائش کے وقت سعدی ۶۲ سال کے تھے، تو پھر یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ وہ اپنی جوانی میں خسرو سے آکر ملے، مولانا شبلی شعرالعجم جلد دوم (ص ۱۴۲) میں رقمطراز ہیں کہ آذری نے جواہرالاسرار میں لکھا ہے کہ

---

[1] فرشتہ ج ۱ ص ۶۹

شیخ سعدی شیرازی خسرو سے ملنے کے لیے شیراز سے دہلی آئے، اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہیں اور اور بعض تذکرہ نویسوں نے صراحتاً اس واقعہ سے انکار کیا ہے، تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہوتا ہے کہ آذری کے نزدیک خسرو اس پایہ کے شخص تھے کہ سعدی کا ان سے ملاقات کے لیے سفر کرنا ممکن تھا، میخانہ کے مؤلف نے تذکرہ مخزن اخبار کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں شیخ سعدی اور خسرو کی ملاقات کا ذکر نہیں ہے، البتہ اس میں یہ ضرور ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کے بھیجے ہوئے تحفے اور امیر خسرو کے اشعار شیخ سعدی کے پاس پہنچے تو انھوں نے نقد و جنس تو فقراء و مساکین میں تقسیم کر دی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھ کر ان کی تعریف کی۔

"اشعار امیر خسرو را مطالعہ می فرمود و تحسین بسیار نمودہ۔"

شہزادہ محمد سلطان کی شہادت افسوس کہ اس علم دوست، علم پرور اور باکمال شہزادہ کی عمر نے وفا نہ کی، ۶۸۳ھ میں چنگیز خانیوں نے ایتمر خان کی قیادت میں ہندوستان پر حملہ کیا، تو انھوں نے لاہور اور دیبالپور کی غارت گری کرتے ہوئے ملتان کا رخ کیا، شہزادہ محمد سلطان ملتان سے نکلا اور لاہور کے پاس دریا کے کنارے ایتمر خان کا مقابلہ کیا۔ اور اس کو شکست دی شہزادے کے لشکری مغلوں کے تعاقب میں آگے بڑھ گئے، شہزادہ محمد نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، دریا کے کنارے پانچ سو لشکریوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ یکایک دو ہزار مغل کمین گاہ سے نکل کر شہزادہ پر حملہ آور ہوئے، شہزادے نے نماز سے فارغ ہو کر بڑی دلیری اور جانبازی سے ان کا دیر تک مقابلہ کیا، اور قریب تھا کہ مغل شکست کھا کر فرار ہو جائیں کہ اچانک ایک تیر شاہزادہ کو آکر ایسا لگا کہ اس کے زخم سے جانبر نہ ہو سکا، اور اس کی شہادت ہندوستان کی تاریخ کا ایک بڑا ہی المناک واقعہ ہے، اس کی علم دوستی کا حال یہ تھا کہ اس میدان جنگ میں بھی خسرو اور حسن دہلوی اس کے ہمرکاب تھے، شہزادے کی شہادت کے بعد مغل ان دونوں کو گرفتار

کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ خسرو نے اسی گرفتاری اور اسیری مین اپنے مربی کی شہادت پر دو نہایت ہی درد انگیز اور غمناک مرثیے لکھے، جو "منظوم سحر حلال" کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک مدت تک لوگ گھر گھر ان مرثیون کے اشعار پڑھتے تھے اور اپنے مقتول عزیزوں پر نوحہ کرتے تھے[1]، پہلا مرثیہ سعدی شیرازی کے مرثیۂ بغداد کی بحر رمل مثمن ومقصور میں ہے، اس میں گیارہ بند ہیں، ہر بند مین بارہ اشعار ہین، پہلے بند میں شہزادہ کی شہادت کے جانگداز سانحہ پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے لکھتے ہیں،

واقعہ است این یا بلا کز آسمان آمد پدید	آفت ست ایں یا قیامت کز جہان آمد پدید
راہ در بنیاد عالم داد سیلِ فتنہ را	رخنۂ کامسال در ہندوستان آمد پدید

بہت ہی رنج وقلق کے ساتھ کہتے ہین کہ شہزادہ کی موت سے مجلس یاران درہم برہم ہوگئی اور اپنے اضطراب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

مجلسِ یاراں پریشان شد چون برگِ گل زباد	برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید
ہر مژہ بے دیدنِ یاران سنانے شد بہ چشم	تیر بالا چون ز نوک ہر سناں آمد پدید
دل نہ پیچد چوں؟ ز نامہ رشتۂ صحبت گسست	دُر نہ ریزد چوں؟ خلل در ریسماں آمد پدید

بڑی حسرت سے اسی مجلس یاران کے دوبارہ اجتماع کی تمنا کرتے ہیں، لیکن پھر یاس بھرے لہجے میں کہتے ہین کہ مجلس کے بچھڑے ہوئے دوست بنات النعش (سات ستارے جو قطب کے ستارون کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں) ہو کر رہ گئے ہیں، پھر یہ بنات النعش پروین دائیں میں

---

[1] منتخب التواریخ میں ہے "دو مرثیۂ ترکیب بند کہ در دیوان غرۃ الکمال مسطور است بنظم در دہ در دہلی فرستاد وتا یک ماہ وبیش آن ترکیب بندہا را مردم می خواندند وبر کشتگان خویش خانہ بخانہ نوحہ می کردند" یہ دونوں مرثیے میری نظر سے وسط الحیوۃ میں گذرے ہیں،

ملے ہوئے ستارے) کیسے بن سکتی ہے، یعنی اب بچھڑوں کا جمع ہونا ممکن نہیں۔

من نخواہم جز بہاں جمعیت واین کے شود خود خیال ست این بنات النعش پروین کے شود

دوسرے بند میں ملتان سے لاہور تک شہزادہ کی فوج کشی، جان بازی اور شمشیر زنی کا ذکر ہے، جس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ شہزادہ کی پامردی اور جوانمردی کام نہ آئی، اور اس کی ساری تدبیریں تقدیر کے سامنے بیکار ہو کے رہ گئیں،

او درین تدبیر آگہ ز تقدیر فلک صفحۂ تدبیر را خطِ مشیت درکشید

تیسرے بند سے آٹھویں بند تک مغلوں سے خونریز لڑائی کا ذکر ہے، کہتے ہیں کہ لڑائی کیا تھی، قیامت تھی،

نے فزع بود آں قیامت را معین دیدہ ام گر قیامت را نشان این است بس من دیدہ ام

شہزادہ کی موت سے مسلمانوں کی فوج کو جو نقصان پہنچا اس کا ذکر کر کے اپنے کو تسکین دیتے ہیں کہ اس کی شہادت کوئی عیب نہیں، نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو دار پر چڑھایا، اسی طرح شہزادہ دین کی خاطر کافروں کے ہاتھ شہید ہوا، لیکن اس تسکین و تسلّی کے باوجود خسرو اپنے اندوہ و غم کو ضبط نہیں کر سکے ہیں، شہزادہ کی موت پر ہر طرف جو آہ و بکا ہوئی اس کی تصویر آٹھویں بند میں کھینچتے ہوئے پہلے تو شاعرانہ انداز میں کہتے ہیں کہ اس موت پر آفتاب رویا، ماہتاب رویا، دریا میں مچھلیاں روئیں، ہوا میں پرندے روئے، ستاروں کے آنسو شبنم کی صورت میں ہے، پھر ملتان کے لوگوں پر کیا گزری، اسکو بیان کرتے ہیں:

خلقِ ملتان مرد و زن گریہ کنان و مو کنان کو بکوی و سو بسوی و جا بجا بگریستند

از خروشِ گریہ و بانگِ دہل کس می نخفت بسکہ در ہر خانۂ اہلِ عزا بگریستند

ہم بآبِ چشمِ خود کردند ترتیب وضو | مغفرت جویان کہ در وقتِ دعا بگریستند
دیدہ خون افشاند بر گل چون گلوے کشتگان | بسکہ ہر کس کشتگان خویش را بگریستند

نوین بند مین ایک دوسرے پیرایہ مین شدتِ غم کا اظہار ہے جس کا آخری شعر یہ ہے

موے سر تا چند ازین غم زار وگریان بہ کنم | این تنِ چوں موئے بارے از سر جان بہ کنم

پھر دسویں بند میں دوستوں کی جدائی کا بڑا ہی درد انگیز ماتم ہے، شہزادہ کی بزم کے دوستوں کو یاد کرکے نوحہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں

حیف باشد مردمان در چشم ما از چشم دور | دیگران را چون توان دیدن بجائے دوستان
دوستان رفتند غیرے را چہ گیرم در کنار | چون کشم بر قامت ہر کس قبائے دوستان

آخری بند میں دوستوں اور شہزادہ کے لیے دعا کرتے ہیں جس کا پہلا شعر یہ ہے

یارب از خورشید رحمت نور در جان بادشان | جان ز فیض نور چون خورشید تابان بادشان

آخر مین برسم تعزیت سلطان بلبن کو تسکین دیتے ہین، اور اس کے بقیہ دونون شہزادون کے لیے دعائیں کرتے ہین،

چون محمد رفت شہ را عاقبت محمود باد | کیقباد ش اسعد وکیخسروش مسعود باد

یہ مرثیہ شروع سے آخر تک کچھ ایسا درد انگیز اور المناک ہے کہ اس کو پڑھ کر آج بھی اس ہر دل عزیز شہزادہ کی موت کا غم تازہ ہو جاتا ہے، دوسرے مرثیہ کا مطلع یہ ہے:

اے دل بغم نشین کہ ز شادی نشان نماند | اے دیدہ خون گری کہ طرب در جہان نماند

اس مرثیہ کا بھی ہر شعر غم والم سے بھرا ہوا ہے، خسرو مغلون کی قید سے چھوٹ کر دہلی آئے تو شہزادے کی موت پر جو مراثی لکھے تھے، غیاث الدین بلبن کے دربار میں جا کر پڑھے، دربار مین کہرام مچ گیا، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا، سلطان بلبن اس قدر رویا کہ اس کو

بخار آ گیا[1] وہ شہزادہ کی شہادت کے بعد لب گور ہوتا چلا گیا، برنی کا بیان ہے کہ شہزادہ کی موت کے بعد وہ ملکی مصالح کی بنا پر دربار میں تو پورے وقار و تمکنت کے ساتھ آتا لیکن رات کو اپنے محبوب فرزند کی یاد میں زار و قطار روتا، کپڑے پھاڑ لیتا، اور سر پر خاک ڈال لیتا[2] یہاں تک کہ اسی غم میں ایک روز عالم جاودانی کو سدھارا،

مرثیۂ حسن سجزی

خسرو نے اپنے مذکورۂ بالا مراثی میں اندوہ و غم، کرب و الم اور سوز و گداز کی جو مصوری کی ہے، اس سے زیادہ موثر اور درد انگیز مرقع کھینچنا ممکن نہ تھا، اسی لیے شہزادہ کے دوسرے ہم جلیس اور اس کے عہد کے دوسرے بے مثل اور قادر الکلام شاعر حسن سجزی نے اس دردناک حادثہ کا مرثیہ نظم کے بجائے نثر میں لکھا، جو خسرو کے مراثی ہی کی طرح بہت مقبول ہوا، بڑا طویل مرثیہ ہے لیکن ہر زمانہ میں ذوق و شوق سے پڑھا گیا حتیٰ کہ تیموری دور کے مورخوں میں نظام الدین بخشی مؤلف طبقات اکبری اور ملا عبد القادر بدایونی مؤلف منتخب التواریخ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس طویل مرثیہ کو نقل کر کے گویا اس کی داد دی ہے، اس کے کچھ ٹکڑے ہم ناظرین کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں، تاکہ شہزادہ کی موت پر حسن سجزی کے جذبات میں جو تلاطم پیدا ہوا اس کا اندازہ ہو، اور ان کی نثر نگاری کا نمونہ بھی سامنے آجائے، گو یہ اسلوب بیان انھوں نے اپنی مشہور و معروف تالیف فوائد الفواد میں اختیار نہیں کیا،

اس مرثیہ میں ایک فاضلانہ تمہید کے بعد میدان جنگ کا نقشہ ہے، پھر شہزادہ کی برد آزمائی کا ذکر کر کے اس کی ناگہانی شہادت کی تصویر کھینچے ہیں کہ یکایک ایک تیر قضا شہزادہ کو آکر لگا اور اس کے زخم سے اس کی روح اس کے قالب سے نکل کر روضۂ رضوان کی طرف منتقل ہوگئی اور معلوم ہوا کہ اسی وقت دین محمدی کی پشت غمزدہ یتیموں کے دل کی طرح ٹوٹ گئی اور ملت محمدی کی دیوار گھر ویران کی طرح پست ہوگئی، ملک کی قوت کھو گئی، اسلام کا سہارا جاتا رہا،

[1] شعر العجم ج ۲ ص ۱۱۵، [2] برنی ص ۱۱۰،

"ہم درعین این عنا واثنائے این آشوب وبلا ناگاہ تیرے از شست قضا بہ بال
آں شہباز فضائے غزا رسید ومرغ روح از قفس قالب آنحضرت بجانب گلشن روضۂ
رضوان نقل کرد، انا للہ وانا الیہ راجعون، ہمان زمان پشت دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
چون دل یتیمان زار بشکست وسنہ ملت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم چون گور غریبان پست
بیفتاد واعتقادی کہ بازوی ملک را بود از دست بہ شد واعتمادے کہ بیضۂ اسلام
داشت از جائے برفت۔"

غروب آفتاب کے وقت شہزادہ کی روح عالم بالا میں پرواز ہوئی، آسمان سوگوار
ہوکر نیلگوں ہوگیا، سیارے اشکبار ہوگئے، زحل نے اہل ہند کی تعزیت میں سیاہ لباس پہن
لیا، مشتری نے شہزادہ کے خون آلود کپڑے دیکھ کر اپنا لباس چاک کرلیا، مریخ رنج اور تاسف
میں اس طرح تڑپنے لگا جیسے حوت (مچھلی) آفتاب کے سامنے اور حمل (بھیڑ) قصاب کے سامنے
تڑپتی ہو، آفتاب اس شرم سے کہ اس حادثہ کو ہونے سے کیوں نہ روک دیا، زمین میں ڈوب
گیا، زہرہ نے یہ دیکھکر کہ اجرام فلکی کس مصیبت میں آگئے ہیں، طنبورہ کو زور سے اور دف کو
دوسرے دھن میں بجانا شروع کیا، اور نیا راگ الاپنے لگی، اور شہزادہ کی وفات پر رونے لگی
عطارد نے جو لڑائی اور فتح کا حال لکھا کرتا ہے، دوات کی سیاہی سے اپنا منہ سیاہ کرلیا اور
غم میں کاغذ سے اپنے کو لپیٹ لیا، ہلال بھی افق میں سر پیٹ کر سوگوار بنا ہوا تھا، اب فارسی
عبارت ملاحظہ ہو

راست وقت غروب آفتاب عمر آن شاہ کہ آفتابش زرد شدہ بود بمغرب فنا فرو
رفت، وگردون برشعار سوگواران جامہ در نیل زدہ واشک سیارہ بر اطراف رخسارہ
روان گردیدن گرفت، زحل بر وقت قضائے وفاہ شرط عزا کسوت سیاہ گردانیدہ و، ز

مرگ او بر اہل ہندوستان نوحہ می کرد، ومشتری بر دریغ آن اندام گردانده و قبائے خون آلود دراعہ چاک می کرد، ودستار بر خاک می زد ومریخ کہ دست قوت او چون چشم ترکان وروی معیشت او چون جعد زنگیان تنگ وتاریک بماند، از تاسف آن خار خار کہ در دل خون انگیخت چون حوت دہ پیش آفتاب وحون حمل در قبضہ قصاب می طپید، وآفتاب از شرم آنکہ چرا در دفع این حادثہ وقمع این واقعہ نکوشید بر نیامد و درنہ مین فرو شد. وزہرہ چون دید کہ اجرام او چنگ ایام چہ زحمت یافتند زاد فی الطنبور نغمہ دف را ورق بگردانید وسماع در پردۂ دیگر آغاز کرد و برفات آن شاہ بندہ نواز خود بجائے ساز نالیدن گرفت. وعطارد کہ در غزوات وفتوحات بہ موافقت کاتب فتحنامہا در قلم می آورد دران نظم از سواد دوات خود روی سیاہ می کرد واز اوراق دفتر خویش پیراہن کاغذین می دوخت دماحالے درصورت ہلالے با قامت منحنی دران قیامت زمین سر بر دیوار دورافق می زد۔"

اس کے بعد شہزادہ کے ایصال ثواب کے لیے دعائیں ہیں،

خسرو اور حسن سجزی کے مراثی کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر شہزادہ سلطان محمد کی زندگی دفا کرتی تو ہندوستان کی علمی تاریخ کا رخ کچھ اور ہی ہوتا، شہزادگی ہی کے زمانہ میں تو اس کا دربار علم وفن کا گہوارہ بن چکا تھا، جب وہ تخت نشین ہوتا تو معلوم نہیں شعراء وفضلاء کی سرپرستی کس کس طرح کرتا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ

"میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا، اور بلبنی تخت پر متمکن ہوتا، اور ہم اور تمام ارباب ہنر روپیوں میں غرق ہو جاتے، لیکن ارباب فضل وکمال کی قسمت کھوٹی تھی، زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں

دیکھا، اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت واستطاعت دیکھ سکتا ہے، غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان، ہنرشناس اور ہنرپرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا" (ص ۶۹-۶۸)

شہزادہ بغرا خان

بلبن کے دوسرے لڑکے ناصر الدین محمود المعروف بہ بغرا خان کی بھی تعلیم و تربیت شہزادہ محمد سلطان ہی کی طرح ہوئی، اس نے بھی خطاطی، زبان اور تاریخ کی تعلیم خاص طور پر پائی، لکھنوتی سے اودھ آکر اس نے اپنے لڑکے کیقباد کو آداب السلاطین کے حوالے سے جو رموز حکمرانی بتائے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے آداب السلاطین کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا[1]، مگر شہزادہ محمد سلطان اور اس کے طبائع میں فرق تھا، اس لیے محمد سلطان کو جو محبوبیت حاصل ہوئی وہ اس کو حاصل نہ ہوئی لیکن وہ بھی علم دوست، ہنرپرور اور خصوصاً ماہرین فنون لطیفہ اور ارباب نشاط کا دلدادہ رہا، فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دربار رقصہ گویوں، سازندوں، گویوں، اور ظریفوں سے بھرا رہتا تھا[2] لیکن امیر خسرو کے دیباچۂ غرۃ الکمال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہزادہ بھی شعروشاعری سے ذوق رکھتا تھا، اور شعراء کو اپنی زر پاشیوں سے سیراب کرتا رہتا تھا، ایک بار سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے اور اس کے دربار کے ممتاز زرین خان کشلی خان کی قیام گاہ پر شعراء کا اجتماع ہوا، اس میں بغرا خان بھی شریک تھا، شعراء نے اپنے اپنے کلام کشلی خان اور بغرا خان دونوں کو مخاطب کرکے سنائے، شعراء میں شمس دبیر اور قاضی اثیر کے علاوہ خسرو بھی تھے، خسرو کی زمزمہ سنجی سے بغرا خان اتنا متاثر ہوا کہ صلہ کے طور پر ان کو ایک لگن بھر کر روپیے دیے، یہ بات کشلی خان کو ناگوار ہوئی، خسرو اسی کے دربار سے وابستہ تھے، اس کی ناگواری کے بعد اس کے دربار سے علیحدہ ہو کر بغرا خان کے یہاں سامانہ

---

[1] برنی ص ۱۴۷، [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۵،

چلے گئے، جس نے ان کو ندیم خاص بنا کر بڑی قدر و عزت کی، وہ خود لکھتے ہیں:

"بندہ بندیمی خاص مخصوص گشتم، و بر قاعدہ خدمت قیام نمودم، روز بروز کار براوج می شد" (دیباچہ غرۃ الکمال)

خسرو نے اس قدر شناسی سے متاثر ہو کر اس کی شان میں کئی قصیدے کہے جن میں ایک کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

چون بخت روشن من سر بہ آسمان آورد — مرا بہ حضرت شہزادۂ جہان آورد

خدائگانِ سلاطینِ عصر نصرتِ دین — کہ بخت بر در او سر بہ آستان آورد

بلند مرتبہ محمود شاہ بن سلطان — کہ عزم او کرۂ چرخ زیر ران آورد

عنانِ باد بہ یک بارگی برفت از دست — ازان کمیت کہ با د با دہم عنان آورد

برائے ضبط جہان آفتاب تیغت را — قضا زما در ایام تو امان آورد

حدیث چشمۂ خورشید بر فلک می رفت — فلک حکایت آن تیغ در میان آورد

نسیم بزم تو چون بزم بوستان بگرفت — بہ پردہ داری گل را بہ بوستان آورد

بہ تیغ سایۂ گل راہی برد سوسن — کہ او بہ مجلس تو یاد گلستان آورد

حدیث جود تو باران بگوش ماہی گفت — صدف ز گفت تو آتش آب در دہان آورد

بیاد بزم تو دل غنچہ گشت نرگس را — ز باد لرزہ چو در شخص ناتوان آورد

چو بخت دید کہ دستم کسے نمی گیرد — گرفت دستِ من و بر خدایگان آورد

۶۷۸ھ میں بغرا خان اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی کی مہم پر گیا، تو اس کے درباری شعراء شمس دبیر اور قاضی اثیر کے علاوہ خسرو اور حسن سجزی بھی اس کے ہم رکاب تھے، لکھنوتی پہنچکر خسرو کو دہلی کی یاد زیادہ ستانے لگی، مولانا شمس دبیر کی خواہش تھی کہ خسرو ان کے آقا کی مجلس ہی کو

پر رونق بنائے رکھیں، لیکن امیر خسرو نے بنگال کے معاوضہ میں دہلی دینا پسند نہیں کیا، اسلیے وہ دہلی واپس آگئے،

جن شعراء نے بغرا خان کی منادمت آخر وقت تک کی، ان میں دو کے نام نمایاں ہیں، مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر،

شمس دبیر مولانا شمس دبیر کا پورا نام شمس الدین تھا، دہلی کے ملوک سلاطین کے دربار سے وابستہ ہوئے، تو دبیر (سکریٹری) کے فرائض انجام دیتے رہے، اس لیے ان کے نام کا جزء دبیر ہو گیا، تذکروں، تاریخوں اور خواجگانِ چشت کے ملفوظات مین ان کا ذکر عام طور سے شمس دبیر ہی کے نام سے ہے، سنام وطن تھا، تاریخ فرشتہ مین ہے،

"شمس الدین نام شاعرے کہ ساکن قصبہ سنام بود......" (جلد دوم ص ۳۸۹)

خواجہ امیر حسن سجزی مرتب فوائد الفواد نے ان کو اپنا قریبی عزیز اور ہم قوم بتایا ہی، خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی مجلس مین ایک بار مولانا شمس دبیر کا ذکر فرمایا تو امیر حسن سجزی نے کہا

"بندہ را باد نسبت قرابتے ہست...... خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ ہم قوم بود، بندہ گفت آرے"[1]

مولانا شمس دبیر کی ابتدائی تعلیم کا حال تو معلوم نہین ہو سکا لیکن ان کی علمی استعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے علوم کی تعلیم پائی تھی، مولانا عبد الحئی نے ان کا شمار علماء مین بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ممتاز علماء اور شعراء مین تھے،[2]

شمس دبیر اور بابا گنج شکر فوائد الفوائد کی ایک روایت سے اتنا معلوم ہو سکا کہ انھوں نے علم سلوک پر قاضی حمید الدین ناگوری کی کتاب لوائح بابا فرید الدین گنج شکر سے پڑھی تھی،[3] اس لحاظ سے بابا صاحب

[1] فوائد الفواد ص ۱۳۸ و ۱۶۲ [2] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۵ [3] فوائد الفواد ص ۲۰ و سیر العارفین اردو ترجمہ ج ۱ ص ۸۸، ۸۹، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۸۹

ان کے استاد تھے، اور غالباً ان سے بیعت بھی کی تھی[1]۔ کیونکہ بابا صاحب کے مجموعۂ ملفوظات راحت القلوب میں ان کی مجلس کے شرکا میں ان کا بھی کئی بار ذکر آیا ہے، ۲۷ رشعبان ۶۵۵ھ میں ان الفاظ میں ذکر ہے،

"شیخ بدرالدین غزنوی نے عرض کی کہ اہل سماع کی بیہوشی کہاں سے آئی، شیخ الاسلام نے فرمایا، اس روز سے کہ جب انھوں نے "الست بربکم" کی ندا سنی اور بیہوش ہو گئے، وہ بیہوشی ابتک ان میں سرایت کی ہوئی ہے، اس لیے جب بھی یہ سماع سنتے ہیں بیہوشی ان میں اثر کرتی ہے، اور وہ بیہوش ہو جاتے ہیں، اس وقت شمس دبیر نے زمین کی طرف رخ کر کے کہا اس روز جب کہ الست بربکم کی ندا آئی تو کیا سب روحیں ایک تھیں، فرمایا" ہاں"۔

۲۵ رشوال ۶۵۵ھ کی مجلس میں ان کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ ایک موقع پر انھوں نے بابا فریدالدین گنج شکر کی شان میں ایک طویل قصیدہ کہا، اور ان کی اجازت سے ان کو سنانا شروع کیا، بابا صاحب اس قصیدہ کو سنتے جاتے اور جابجا ان کی اصلاح فرماتے جاتے، مولانا شمس الدین دبیر اس سے خوش ہوئے، اس کے بعد بابا صاحب نے فرمایا کہ کیا صلہ چاہتے ہو، شمس دبیر نے کہا کہ ایک بوڑھی ماں کی خبر گیری کرتا ہوں، لیکن تنگیٔ معاش سے پریشان ہوں، بابا صاحب نے فرمایا جاؤ شکرانہ لے آؤ، مولانا شمس دبیر نے پچاس چیتل (یا جیتل) لاکر پیش کیے، بابا صاحب نے اپنے دست مبارک سے اسی وقت مجلس کے حاضرین میں تمام چیتل تقسیم کر دیے، جن میں چار حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بھی ملے، پھر بابا صاحب نے فاتحہ پڑھی، اسی کے بعد شمس دبیر کی مالی پریشانی جاتی رہی[2]، یہ روایت فوائد الفواد (ص ۱۲۸ - ۱۲۷) سیرالعارفین (اردو ترجمہ ۸۹) اور تاریخ فرشتہ (ج ۲ ص ۳۸۹) میں بھی ہے، لیکن راحت القلوب میں ہے کہ بابا صاحب کی دعاؤں کے چند روز بعد مولانا شمس دبیر

---

[1] نزہۃ الخواطر میں ان کے بارہ میں ہے و اخذ الطریقۃ عن الشیخ فریدالدین مسعود الاجودھنی [2] راحت القلوب ص ۳۱

سلطان غیاث الدین کے دبیر ہو گئے، فوائد الفواد اور سیر العارفین میں ہے کہ غیاث الدین کے لڑکے کے دبیر ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ شمس الدین التتمش کے لڑکے کے وزیر ہوئے،

شمس دبیر اور بغرا خان | ملا عبد القادر بدایونی نے ان کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں کیا ہے، اور ان کو عہد ناصری کا ملک الکلام بتایا ہے[1] اور ان کا ایک قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ملا صاحب کے خیال کے مطابق سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا تھا، گو آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

"سلطان غیاث الدین بلبن در آخر حال او را منشی مملکت بنگالہ کہ قلمرو ساختہ در ملازمت پسر بزرگ خویش نصیر الدین بغرا گذاشتہ بود" (ج ۱ ص ۹۴)

لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے شمس دبیر کے متعلق جتنی باتیں لکھی ہیں، ان میں زیادہ تر مسامحات ہیں، مثلاً اوپر کے اقتباس میں بلبن کے بڑے لڑکے کا نام نصیر الدین بغرا بتایا گیا ہے، جو صحیح نہیں، اس کا نام محمد سلطان تھا، البتہ اس کے چھوٹے لڑکے کا نام ناصر الدین (نصیر الدین نہیں) محمود بغرا خان تھا، جو لکھنوتی کا ایک آزاد حکمران تھا، اور اسی کے مناومت میں مولانا شمس دبیر برابر رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، ملا عبد القادر بدایونی کو دہلی کے سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن کے لڑکے ناصر الدین محمود (والیِ لکھنوتی) کا دھوکا ہوا، اسی لیے انھوں نے شمس دبیر کو عہد ناصری کا شاعر بتایا ہے، اور جو قصیدہ لکھنوتی کے والی ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا ہے، وہ دہلی کے سلطان ناصر الدین کی طرف منسوب کر دیا، اور شاید ان ہی کے بیان کو سامنے رکھکر فرشتہ نے

---

[1] ملا عبد القادر کی عبارت یہ ہے کہ

"از جملے کہ در عہد ناصری کوس نواختہ بدرجۂ ملک العلامی رسیدہ بودند شمس الدین دبیر است"

منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم نے ملک العلامی کے بجائے ملک الکلام لکھا ہے، اور اس کا ترجمہ Lord of Eloquence کیا ہے۔ (انگریزی ترجمہ جلد اول ص ۱۳۴)

لکھ دیا ہے کہ

"زدوی شمس الدین وزیر پسر شمس الدین التمش شدہ (ج ۲ ص ۳۹۰)

تذکرہ نویسوں میں مظفر حسن اور مولانا عبدالحئی نے بھی غالباً ملا عبدالقادر ہی کے بیان پر بھروسہ کیا ہے، مظفر حسن نے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اپنے تذکرہ روز روشن میں لکھا ہے،

"شمس الدین دبیر بتوجہ ناصرالدین غازی منشی ممالک گردید"

نزہتہ الخواطر میں بھی ہے:

"وہ سلطان ناصرالدین محمود بن التمش کے عہد میں دیوان انشا کے متولی تھے، اور اسی کے شان میں بڑے پرزور قصائد کہے۔"

لیکن درحقیقت شمس دبیر جیسا کہ فوائد الفواد میں ہے، حضرت بابا گنج شکر کی دعاؤں کی بدولت سلطان غیاث الدین کے لڑکے یعنی ناصر الدین محمود بغرا خان کے دبیر ہوئے، اس کی تصدیق امیر خسرو کے دیوان عزۃ الکمال کے دیباچہ سے بھی ہوتی ہے، اس دیباچہ میں وہ مولانا شمس کے نام کے ساتھ برابر دبیر لکھتے ہیں، اور ان کو شہزادہ بغرا خان کے ندیم ہی کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"روزے شہزادہ خورد بغراخان بزرگی فرمود و در خانۂ خان معظم کشلو خان کہ ابن عم او بو مہمان آمد، بدان سبب کہ از عشرت ایشان مدام دور بسلطان می رسید از حرفا خلوتے چند برابر دارند تا شمس الدین دبیر و قاضی اثیر برا اثر در آن قران السعدین و اجتماع نیرین ......"

بلبن کے ابتدائی دور میں مولانا شمس الدین اور زیادہ معزز اور مقتدر امیر ہو گئے، جیسا کہ امیر خسرو کے اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے اپنی صغر سنی میں اس وقت لکھا جب وہ دربار کے مختلف امراء کی مدح میں قصائد لکھ کر اپنے شاعرانہ کمال کا سکہ جمانے اور دربار میں رسوخ

حاصل کرنے کی بھی پوری کوشش کر رہے تھے، چند اشعار یہ ہین:

دہند زر دل و دیدہ نرگس و سمنش	کند چو باد صبا وصفِ غنچۂ دہنش
بکوہ لالہ گرفتہ ست سنگ تر دامن	کہ تا بسینہ زند پیش سیمگون سمنش
چرا بہ بحر معلق شدست چون ہاروت	اگر نہ خندہ کند رہ نمائی سمنش
سپہر عز و علا شمس دین و دول کہ گشت	میان سنبلہ فضلی بسر ودانہ حسنش
بچرخ آئینہ وش عکس رای روشن اوست	کہ کردہ اند خطاب آفتاب تیغ زنش
چو نوک خامۂ او در رہ خطا برود	چرا نہ پیش او باز نا نہ ختنش؟

اور جب بغرا خان دہلی سے سامانہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، تو مولانا شمس بھی اس کی معیت مین گئے، سامانہ مین ان کی حیثیت اور بھی زیادہ ممتاز ہو گئی، چنانچہ امیر خسرو سامانہ بغرا خان کے یہان پہنچے، تو وہان کے قیام کے زمانہ مین مولانا شمس دبیر کی شان مین بھی قصائد کہے، ان مین سے ایک قصیدہ کے بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہین،

ناگہش مست ز گلزار برون آوردند	وز تہ مقنعۂ رخسار برون آوردند
باز کردند گریبانش کہ گرہ مازدہ بود	سینہ چو گل و گلنار برون آوردند
بلبلان ریختنی کف پاش از دل گل	اے بسا زر کہ بمنقار برون آوردند
گل کہ در خاک بغلطید ز رشک اندامش	پارہ پارہ شدہ از خار برون آوردند
چون غم سوختہ گشتند روان آب حیات	از خط صدر جہاندار برون آوردند
شمس دین مردمک چشم خرد کز دل او	فضل را قیمت و مقدار برون آوردند
از پے کشتن دشمن دو زبانِ قلمش	گوئی خود از دہن مار برون آوردند

ؔ یہ قصیدہ کے منتخب اشعار ہین پورا قصیدہ نقل نہیں کیا گیا ہے،

در پناہِ قلمش جان بر داز تیر خدنگ	شرزہ شیرے کہ زنے زار برون آوردند
اے دبیرے کہ بہ پروانۂ نوک قلمت	تیغ خورشید ز زنگار برون آوردند
زان ولایت کہ در آن خامۂ تو تیرہ بزد	عَلَم فتنہ نگونسار برون آوردند
گرہ کلکِ ترا اہل سخن بکشادند	زان ہمہ لولوے شہوار برون آوردند
نافۂ مشک ز خلق تو بکہسار رخزید	مو گرفتند ز کہسار برون آوردند

اجودھن کی حاضری | مگر اس دنیادی اعزاز کے باوجود مولانا شمس دبیر نے بابا گنج شکرؒ کے یہاں کی حاضری نہیں چھوڑی، کبھی کبھی اجودھن میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کا بھی ساتھ ہو جاتا تھا، چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں:

"میں شمس دبیر شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمہ ایک ہی وقت شیخ کے یہاں سے واپس ہوئے، چند منزل ہم لوگ ساتھ رہے، پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے دو راستے ہو جاتے تھے، انھوں نے (یعنی شمس دبیر نے) سام کی راہ لی، اور ہم لوگ سرستی کی جانب روانہ ہوئے، جب ہم لوگ ان سے رخصت ہوئے تو شیخ جمال الدین نے شمس کی طرف منہ کرکے یہ مصرع پڑھا، ع

اے یار قدیم راستامی روی

اس وقت اس مصرع نے عجیب کیفیت پیدا کر دی[1]"

سیر الاولیاء میں بھی ایک روایت ہے جو معلوم نہیں مذکورۂ بالا روایت ہی کو تصرف کرکے لکھی گئی ہے، یا کوئی علحدہ روایت ہے، بہرحال یہ بھی پڑھنے کے لائق ہے،

سلطان المشائخ نے فرمایا۔

"شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ شمس الدین دبیر اور دوسرے یاروں اور

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۸

عزیزوں کو ایک ساتھ (شیخ کے یہاں سے) مراجعت کا اتفاق ہوا، شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے وداع کے وقت شیخ جمال الدین نے کچھ وصیت کرنے کو کہا، اہل ارادت کے آداب میں یہ ہے کہ سفر پر روانہ اور شیخ سے جدا ہوتے وقت وہ وصیت چاہتے ہیں، اگر شیخ درخواست کرنے سے پہلے ہی وصیت کر دے تو بہت اچھا ہوتا ہے، ورنہ مرید اس کے لیے درخواست کرتے ہیں، شیخ شیوخ العالم نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا، میری وصیت یہ ہے کہ سفر میں ان کو (یعنی میری طرف اشارہ کیا) خوش رکھو۔

ع مقصود توئی دگر بہانہ است

شیخ جمال الدین اس حکم کے مطابق بڑے لطف سے پیش آئے، خواجہ شمس الدین دبیر بھی جو معدنِ لطافت ہائے کان ظرافت تھے بڑی تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے رہے ......" (ص ۱۷۹)

حضرت بابا گنج شکرؒ کے وصال کے موقع پر (۶۶۴ھ میں) مولانا شمس دبیر اپنے مرشد کے پاس ہی تھے، وفات سے کچھ روز پہلے انھوں نے نظامی کی مندرجۂ ذیل مثنوی سنائی :-

جہان چیست بگذر ز نیرنگ او	رہائی بچنگ آر از چنگ او
مقیمے نہ بینی درین باغ کس	تماشا کند ہر یکے ہر نفس
درین چار سو، ہیچ بیگانہ نیست	کہ کیسہ بر مرد خود کامہ نیست
در دہر دمے نو برے می رہند	یکے می رود دیگرے می رسد
جہان گرچہ آرامگاہے خوش است	شتابندہ را نعل در آتش است
دو در دارد این باغ آراستہ	در و بند این ہر دو برخاستہ
در آ از درے باغ بنگر تمام	ز دیگر درے باغ بیرون خرام
اگر زیرکی با گلے خو مگیر	کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر

دوین دم کہ داری بہ شادی بسیچ — کہ آئندہ در زیر پیچیت و پیچ

یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز — دگر را ز ہنگامہ گوید کہ خیز

نظامی سبک باش یاران شدند — تو ماندی بہ غم غمگساران شدند

بابا گنج شکر نے یہ مثنوی سنی تو متاثر ہو کر بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو مولانا شمس دبیر کو اپنی بارانی عطا فرمائی[1]،

حضرت نظام الدین اولیاؒ، مولانا شمس کے حسن طبع اور اخلاق کے مداح تھے، مگر ان کو ان سے ایک ہلکی سی شکایت یہ تھی کہ انھون نے دنیاوی اعزاز بابا گنج شکر ہی کی دعاؤن کے ذریعہ حاصل کیے، مگر بابا صاحب کے وصال کے بعد ان کے خاندان والون کے ساتھ انھون نے کوئی حسن سلوک نہین کیا، حضرت نظام الدین اولیاء کے الفاظ یہ ہین:

"اما در انچہ روزگار او بساخت، اگرچہ خدمت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نقل فرمودہ بود در حق فرزندان او اہل بیت شیخ چندان توفیق خدمت نیافت یا ندانست یا کسے او را نگفت[3]"

لکھنوتی میں قیام | طغرل کی بغاوت اور سرکشی فرو کرنے کے لیے ۶۷۸ھ مین جب سلطان غیاث الدین لکھنوتی کی مہم پر جانے لگا تو اس نے سامانہ سے بغرا خان کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا، بغرا خان اپنے خلوت و جلوت کے تمام ہمراہیون کی معیت مین باپ کے ساتھ روانہ ہوا، مولانا شمس دبیر اور خسرو بھی اس کے جلو مین تھے، فوائد الفواد مین امیر حسن سجزی خود روایت کرتے ہین کہ اس سفر مین مولانا شمس دبیر کے ہمراہ وہ بھی تھے۔

"در آنکہ سلطان غیاث الدین بہ لکھنوتی رفت دران لشکر بندہ داد (یعنی مولانا شمس دبیر)

---

[1] راحت القلوب ص ۹۸ [2و3] فوائد الفواد ص ۱۲۸ یہ ملفوظ ۷۱۴ھ کا ہے۔

ہم در اثنائے راہ چہ در کشتی وچہ در خشکی یکے می شدیم" (ص ۱۲۸)

سلطان غیاث الدین طغرل کی بغاوت فرو کرکے لکھنوتی سے دہلی واپس آنے لگا تو بغرا خان

کو لکھنوتی کی اقلیم عطا کی، اور اس کے ساتھ چتر، دورباش اور دوسرے لوازم شاہی بھی دیے،

اور نصیحتیں بھی کیں، جن کو مولانا شمس الدین ہی نے قلمبند کیا، ضیاء الدین برنی کے بیان سے معلوم

ہوتا ہے کہ سلطان بلبن کے دو دبیر تھے، عمدۃ الملک خواجہ علا اور ملک قوام الدین۔ موخر الذکر

لکھنوتی کی مہم میں ساتھ تھا۔ اور اسی نے لکھنوتی سے فتحنامہ لکھکر دہلی بھیجا تھا[1]، مولانا ضیاء الدین برنی

اس مہم میں مولانا شمس الدین کا بغرا خان کے دبیر کی حیثیت سے تعارف کراتے ہیں، ان کا بیان

ہے کہ سلطان بلبن نے بغرا کو نصیحت کرتے وقت اپنی خلوت میں پہلے تجربہ کار بوڑھے امراء کو بلایا،

پھر بغرا خان سے کہا کہ اپنے دبیر شمس کو دوات، قلم اور کاغذ میرے پاس لانے کو کہو، تاکہ میں تمہارے

لیے ان سے کچھ نصیحتیں لکھوا دوں، بغرا خان نے شمس دبیر کو سلطان کے سامنے پیش کیا، سلطان

نے بغرا خان اور شمس دبیر دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا، اس کے بعد سیاست و حکمرانی کے

اصول و رموز سے متعلق جو قیمتی نصیحتیں کیں ان کو مولانا شمس الدین لکھتے رہے، یہ نصیحتیں تاریخ

فیروز شاہی کے ۱۲ صفحوں (۱۰۶ - ۹۵) میں درج ہیں،

شمس دبیر اور خسرو جب سلطان غیاث الدین بلبن لکھنوتی سے رخصت ہوا، تو خسرو بھی اس کے

ساتھ ہو گئے، مولانا شمس دبیر کو یہ گوارا نہ تھا کہ خسرو جیسے دوست اور شاعر کی صحبت سے محروم ہو جائیں

اور اپنے آقا بغرا خان کی منادمت کے لیے بھی ان کو پسند کرتے تھے، لیکن خسرو کو بنگالہ جیسی جگہ

پسند نہ تھی، اور ان کو اپنے عزیزوں کی جدائی بھی شاق تھی، اس لیے مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی

اثیر کے اصرار کے باوجود سلطان بلبن کے ساتھ دہلی واپس ہو گئے، وہ خود غرۃ الکمال کے دیباچہ

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۹۱،

مین رقمطراز ہیں:

"ملک شمس الدین دبیر و قاضی اثیر خواستند کہ بلباسانم دامن گیری کنند، اما فراق عزیزانم گریبان گیر بود وضرورت یوسف وار زان چاہ زندان سوے مصر جامع روان گشتم ودر سایۂ علم ظل الٰہی در شہر پیوستم۔"

سلطان بلبن کی وفات کے بعد بغرا خان لکھنوتی مین بنگالہ کا حکمران بن بیٹھا، اور اس کے لڑکے کیقباد نے دہلی کے تخت پر اپنا قبضہ جمایا اور اس طرح باپ بیٹے کی دو متوازی حکومتین قائم ہوگئیں، لیکن کیقباد بہت جلد اپنے درباریون کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بن گیا، اور سلطنت دہلی کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی، بغرا خان نے پہلے تو بیٹے کو نصیحت آمیز خطوط لکھ کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو خود فوج لے کر بہار کی سرحدون تک بڑھ آیا، امراے دہلی بھی پوری جنگی تیاری کے ساتھ کیقباد کو اودھ لے آئے، اور گھاگرا اور سرو (شاید سرجو مراد ہو) کے درمیان باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی، بغرا خان کی معیت مین شمس دبیر بھی تھے، اور باپ بیٹے کی اس ملاقات کے مراحل طے کرانے مین پیش پیش رہے، خسرو نے اس تاریخی ملاقات کو اپنی مشہور و معروف مثنوی قرآن السعدین مین نظم کیا ہے، اس مین مولانا شمس دبیر کا ذکر اس طرح کیا ہے:

جست رسولے کہ گذارد پیام	ہرچہ بگوئید بگوید تمام
گر سخن از صلح بود یا نبرد	کم نکند ہیچ ز نیروے مرد
دید کہ کس نیست ز برنا و پیر	در خور این کار چو شمس دبیر[1]

اس موقع پر خسرو کی بھی ملاقات مولانا شمس دبیر سے ہوئی، اور ایک دوسرے سے بڑے والہانہ انداز سے ملے، امیر خسرو اپنے بچھڑے ہوئے مربی اور سرپرست کو دیکھ کر رونے لگے،

[1] قرآن السعدین ص ۱۰۲-۱۰۱ علی گڑھ اڈیشن

ایک رقعہ میں رقمطراز ہیں:

"ناگاہ ذات منور شمس الدین دبیر نور اللہ الی یوم الدین چون آفتاب قیامت بر سر این ذرہ آمد طلعت الشمس کشمس الطلعۃ از گرمی آن مہر بر خود ہمہ سوختم و خونم از حرارت درونی بیرونی جوشید از غایت احتراق طاقت آن نداشتم کہ سوئے او توانم دید معہذا چشم بجالش تیز کردم آب چشم من بگشت۔"

آب در چشم بگردد چو ببینی خورشید　　خاصہ خورشید ے کش خانہ بود اندر چشم

مولانا شمس کے نام کی رعایت سے آفتاب، طلعت الشمس کشمس الطلعۃ، مہر، خورشید وغیرہ کے الفاظ بار بار لائے ہیں، ان کی صحبت میں امیر خسرو تین دن تک رہے، قاضی اثیر بھی مولانا شمس کے ساتھ تھے، اس صحبت کا ذکر امیر خسرو مذکورۂ بالا رقعہ میں بڑے لطف و لذت سے کرتے ہیں اور جب مولانا شمس رخصت ہونے لگے تو انھوں نے امیر خسرو کو اپنا ایک دیوان عطا کیا، چنانچہ امیر خسرو لکھتے ہیں:

"بعد از سلطان بسیار بندہ را وداع کرد و آیت العود خیر بہ خواند و دیوان خاص کہ نظمش از نثرہ و شعرے سخن می گوید یادگار بکاتب سپرد و خود و بقرد و دولت خرامید۔"

خسرو ان سے بڑے کرب و بے چینی سے جدا ہوئے، چنانچہ لکھتے ہیں:-

"و نادیدن آن عزیز را بر نقد بر خدائے علیم حوالہ کرد۔"

مولانا شمس دبیر اپنے آقا بغرا کے ساتھ ۶۸۶ھ میں لکھنوتی واپس گئے، اور غالباً وہیں

لہ اعجاز خسروی رسالہ خامسہ کے ص ۵۲ کے حاشیہ پر یہ درج ہے:

"شمس الدین نام یکے از مریدان حضرت نظام الدین اولیاء بود و بساتین الانس از تصنیفات اوست"

یہ تو غلط ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے لیکن یہ نہ معلوم ہوسکا کہ بساتین الانس ان ہی کی تصنیف ہے۔

عالم جاودانی کو سدھارے، روز روشن مین ان کی تاریخ وفات ۷۲۵ھ لکھی ہے (ص ۲۸۵)

امیر خسرو مولانا شمس دبیر کی سخن سنجی و سخن فہمی کے برابر معترف رہے، ایک بار دہلی مین کشلو خان کے یہان شعر و شاعری کی مجلس ہوئی، اس مین شہزادہ بغرا خان کے ساتھ مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر بھی شریک ہوئے، امیر خسرو بھی جو اس وقت محض ایک نوخیز شاعر تھے، اس بزم مین حاضر تھے، لیکن وہ خود لکھتے ہین کہ ان دونون کی حیثیت بڑے سیارون یعنی زہرہ اور مشتری کی تھی، اور وہ محض عطارد (کاتب فلک) کی طرح وہان موجود تھے، پھر ان کی سخن سنجی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ ان کی نظم سیارون (زہرہ اور مشتری) سے ہم کلامی کرتی ہے، ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہین کہ شاعر شمس الدین دبیر کے فضائل و کمالات بیان سے باہر اور تعریف و توصیف سے مستغنی ہین، انھون نے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر خسرو اپنے اشعار کے اچھے ہونے کا معیار ان ہی کی پسندیدگی پر رکھتے تھے، اور اس پر وہ فخر کرتے تھے، مگر تعجب ہے کہ ملا صاحب نے اس سلسلہ مین یہ کیسے لکھ دیا:

"در دیباچہ غرۃ الکمال و در آخر ہشت بہشت کلام خود را بہ ذکر محامد و نشر مناقب او زیور تمام بخشید" (ج ا ص ۲۹)

غرۃ الکمال کے دیباچہ مین تو شمس دبیر کی مدح ضرور ہے، لیکن ہشت بہشت کے آخر مین شمس دبیر کا نہین، بلکہ مولانا شہاب الدین مہمرہ کا ذکر ہے، جیسا کہ پہلے دکھایا جا چکا ہے،

حال کے تذکرون مین مولانا شمس کا ذکر روز روشن اور نزہۃ الخواطر مین ہے، روز روشن مین ہے:

"طبعش از اقسام شعر بسوے قصیدہ بسیار مائل بود" (ص ۳۵۴)

نزہۃ الخواطر مین ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہین نہین ملتا،

"کان شاعرا بلیغا مجید الشعراء" (ج ۲ ص ۵۵)

شمس دبیر کے کلام کی نایابی لیکن افسوس ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہین نہین ملتا، ملا عبد القادر بدایونی نے ان کا جو قصیدہ نقل کیا ہے وہی ان کی کل کائنات ہے جو ہم تک پہنچی ہے، یہ قصیدہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، مولانا شمس نے اپنے آقا و ولی نعمت ناصر الدین محمود بغرا خان کی شان مین کہا ہے، قصیدہ مین ناصر الدین بغرا خان کے نام کے بجائے محمود لکھا گیا ہے، کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور تھا،

قصیدہ ملاحظہ ہو:-

این ہمہ کارِ دلم از تو بتا دانی خام   دادۂ دوش مرا وعدۂ مہمانی خام

پختہ کردم ہمہ شب چشم ندانستم کان   طمعے بود از ان گونہ کہ می دانی خام

پختہ دارم دل از اندیشۂ رویت کہ چرا ست   رنگ تو پختہ ہمین نقرۂ پیشانی خام

سست می دارم و ہر چند قوی می کندم   ریسمانی است ز من تا بہ پریشانی خام

بکن از عیش خودم پختہ چو مہمان توام   کہ ثوابے است قوی دادن قربانی خام

گفتیم ہیچ مسلمان نہ خورد خام ببین   غم تو می خوردم اینست مسلمانی خام

خام می خواہم از سینۂ خود بہ شگافم   پختہ بنمایم اندک کہ تو می خوانی خام

بس کہ در حسن تو دفر ملک حیرانم   کار نا پختہ من ماندہ ز حیرانی خام

چو ملک خسرو ثانی است نماند ہرگز   کارم از دولت خسرو ملک ثانی خام

تا خبر دنیا و دین آنکہ بہ پیش ملکش   شد ز شاہان ہوس ملک سلیمانی خام

شاہ محمود شہ آن سلطان کز فر پدر   دیگ در آرزوئیش نیست ز سلطانی خام

آفتاب کرمش گر سوے بستان تابد   تابد از شاخ برون میوۂ بستانی خام

چہ کند چرخ اگر بار وقارت نکشد   چہ کشد بار گران مرکب پالانی خام

دشمنت لائق آنست کہ در خام کشی | بہ کہ در کالبد خام چہ پیشانی خام
غسل خصم است بخون جامۂ زرہ پیراہن | در گلو می کشدش ہردم ز ندانی خام
ہمہ کار تو زز ریختہ و بد خواہ ترا | کار برہر زہ و مصداق پشیمانی خام
خصمت آن غول برہنہ است کہ از گل جہان | پوستے دارد و آن نیز چوبستانی خام
خلق را گرنکشی ماندہ ہر روز دو وقت | دانہ خانید چو دست اس زبے نانی خام
خصم اگر گرد و پر باد چہ باک است ازچہ | گرد چون شیر علم حملہ ز کشخانی خام
سحر فرعون چہ آرد چہ فرد خواہد برد | اژدہاے علمی از دم ثعبانی خام
خسرو اشمس دبیرست توی پختہ سخن | نیست چون دفتریان سوختہ دیوانی خام
ہست او پختہ شعرش چو زر پختہ و نیست | غشش چون سخن پختہ خاقانی خام
پختہ گر ہست فلک بہر تو مملکت یارب | پختہ او بجرم باز مگر دانی خام[1]

اسی قصیدہ کے کچھ اشعار روز روشن اور نزہتہ الخواطر مین بھی نقل کئے گئے ہین، ان کے علاوہ اور اشعار میری نظر سے کسی اور تذکرہ مین نہین گذرے، حالانکہ انھون نے اپنا ایک دیوان مرتب کرکے خسرو کو دیا تھا، ہندوستان کے خزانۂ ادب کا یہ قیمتی سرمایہ شاید زمانہ کے دست برد کی نذر ہوگیا، سیر الاولیاء مین ان کا ایک حسب ذیل شعر منقول ہے، جو محبت الٰہی کے سلسلہ مین درج کیا گیا ہے،

آہ سربستہ من اشک مرا در دل گفت | خیز باز سے تو برون رو کہ گذر یافتہ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اشعار اہل دل کی مجلسون مین بھی پڑھے اور نقل کیے جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان پر گمنامی کا پردہ پڑ گیا،

---

[1] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۱۹۲ - ۹۴

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے (اردو جنوری ۱۹۳۳ء ص ۹۵) ایک مضمون میں لکھا تھا کہ شمس نظام الدین اولیا کا استاد بھی ہے، انھوں نے مقاماتِ حمیدی (شاید مقامات حریری مراد ہو) اس سے پڑھی، اور علم حدیث حاصل کیا، بلبن شمس کو اپنے فرزند بغرا خان کا مستوفی بتاتا ہے، تاج ریزہ مبارکباد میں کہتا ہے،

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی — مستوفی ممالک ہندوستان شدی

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کو شمس کے نام سے غلط فہمی ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے استاد مولانا شمس الدین خوارزمی تھے، جو شمس دبیر سے ایک علٰحدہ شخصیت تھی، اسی قسم کی غلط فہمی امیر خسرو کے سوانح نگار جناب محمد سعید احمد مارہروی کو بھی ہوئی ہے، وہ تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ امیر خسرو کی استادی کا فخر خواجہ شمس الدین خوارزمی کو بھی اس لحاظ سے حاصل ہے کہ انھوں نے آپ کی مشہور تصنیف پنج گنج کی اصلاح فرمائی ہے، دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ اور پنج گنج کے آخری گنج یعنی مثنوی ہشت بہشت میں حضرت امیر خسرو نے آپ کے علم و فضل کی بہت کچھ تعریف کی ہے، اور ان کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے، جناب سعید احمد مارہروی نے وہ قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ہم شمس دبیر کے نام سے گذشتہ اوراق میں نقل کر چکے ہیں جناب سعید احمد مارہروی نے نہ صرف شمس دبیر اور مولانا شمس الدین بلکہ شہاب مہمرہ کو بھی خلط ملط کر دیا ہے، کیونکہ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہشت بہشت کی اصلاح مولانا شہاب مہمرہ نے کی، اور امیر خسرو کو ان ہی کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی،

قاضی اثیر افسوس ہے کہ مولانا شمس دبیر کے دوست اور اس زمانہ کے بلند پایہ شاعر قاضی اثیر کے حالات یا ان کے اشعار کے نمونے ہم کو کہیں سے نہیں مل سکے، اس لیے ان کے متعلق کچھ لکھنے سے ہم سردست قاصر ہیں،

امراء بلبنی دربار کا گل سرسبد علاء الدین کشلی خان تھا، جو بلبن کا بھتیجا اور اسکی حکومت

کا باربک تھا، مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ وہ سخاوت مین اپنے وقت کا حاتم طائی تھا، بلکہ وہ یہ بھی لکھتے ہین کہ مین نے معتبر لوگون خصوصاً امیر خسرو سے یہ سنا کہ عطا و بخشش کے علاوہ چوگان اور شکار کھیلنے مین اس کی طرح کسی مان نے کوئی فرزند پیدا نہین کیا۔[۱] تاریخ فرشتہ مین ہے کہ مصر، شام، روم، بغداد، خراسان، ترکستان اور ماوراءالنہر وغیرہ مشہور مقامات سے فضلا و شعرا اس کی بخشش کا شہرہ سن کر اس کے یہان آتے، اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس جاتے۔ وہ اپنی بخشش اور سخاوت کی وجہ سے ہر شہر اور ہر ملک مین مشہور تھا۔[۲] اس کی غیر معمولی فیاضی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین برنی رقمطراز ہین کہ ایک بار خواجہ شمس معین نے اس کی شان مین ایک مدح کہی، برنی نے خواجہ شمس معین کا تعارف محض ملک قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص کی حیثیت سے کرایا ہے، جنھون نے اپنے مربی کے محاسن مین کئی جلدین لکھین، لیکن فرشتہ نے ان کا نام خواجہ معین الدینؒ کے صاحبزادے کی حیثیت سے کیا ہے، بہر حال انھون نے اپنی نظم جشن نوروز کے موقع پر شاہی دربار مین بلبن کے سامنے مطربون کو گانے کے لیے دی۔ اس تقریب مین دستور یہ تھا کہ دربار کے خان اور ملک سلطان کی خدمت میں پیش کیے جاتے، اور ان مین سے ہر ایک کے کارنامے بیان کیے جاتے اور اسی موقع پر شاہی مطربون نے کشلی خان کی شان مین وہ مذکورہ مدح پڑھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:

شہ علاء الدین الغ قتلغ معظم باربک | پور کشلی خان معظم خسرو روے زمین

کشلی خان نے یہ مدح سنی تو مجلس ختم ہونے کے بعد خواجہ شمس معین کو اپنی پایگاہ کے تمام گھوڑے انعام مین عطا کیے، اور مطربون کو دس ہزار ٹنکے دیے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ

---

[۱] برنی ص ۱۱۳ [۲] تاریخ فرشتہ ص ۸۰

مجلس ختم ہوئی تو کشلی خان نے خواجہ شمس الدین کو اپنے یہاں بلاکر مجلس نوروزی کے تمام پر تکلف اور قیمتی سامان ان کو دیدیئے، اس کے علاوہ مطربوں کو دس ہزار تنکے دیے، برنی اور فرشتہ دونوں رقمطراز ہیں کہ بارہا ایسا ہوا کہ یہ عالی ہمت امیر نقد، اسباب، سامان سب کچھ انعام واکرام میں لٹا دیتا، یہانتک کہ اس کے پاس جسم کے کپڑے کے سوا کچھ نہ رہتا[1]، ہلاکو خان نے اس کی خوبیاں سن کر اس کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، اور عراق کا نصف حصہ اسکے حوالہ کردینے کا وعدہ کیا، لیکن کشلی خان نے اپنی شوکت و حشمت سے اس کے دربار کی رونق بڑھانے کے بجائے دہلی ہی کے دربار کی زینت بن کر رہنا پسند کیا،

دربار کے امراء میں خسرو سب سے پہلے کشلی خان ہی کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور دو سال تک اس کے دربار میں رہے، اور جیسا کہ خود لکھتے ہیں، اس کی بوستان مجلس کو اپنی سوسنِ زبان کی نسیم سے تازہ اور شگفتہ رکھا، اس کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے، ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

صبا امروز پیغام گل آورد ست سوے من | کہ یادت می دہم وقتِ شراب و موسم گلشن

یہ قصیدہ خسرو نے اس زمانہ میں کہا جب ان پر خاقانی کا رنگ غالب تھا، چنانچہ یہ قصیدہ خاقانی کے اُس قصیدہ کی تقلید میں کہا گیا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

ضمان دار سلامت شد دلِ من | کہ دار عزلتش داد ند مسکن

گو اس کی بحر مختلف ہے، خاقانی کا قصیدہ بحر ہزج مسدس میں ہے اور خسرو کا قصیدہ بحر ہزج مثمن سالم میں ہے، پھر بھی ایک ہی قافیہ میں دونوں کے کچھ اشعار بھی ناظرین ملاحظہ فرمائیں

---

[1] برنی ص ۱۱۴-۱۱۳ فرشتہ ج ۱ ص ۸،

خسرو	خاقانی
بجنگ از بیندش رستم بلرزد ہم چو تیغ خود	بوحدت رستم از غرق آب وخشت
زسر تا پائے گردد آب افتد در چہ بیژن	بر رستم رستہ گشت از چاہ بیژن
شہنشہ اختیار الدین محمد شاہ کشلی خان	دلم آبستن خرسندی آمد
کہ گشت از زادن ہمتاے او ہفت اختر استرون	اگر شد مادر گیتی سترون
فلک بزناچو در مجلس نشینی شاد در دولت	اگر ناہید در عشرت گہ چرخ
شراب ارغوانی درکشی با نغمت ارغن	سراید شعر من در ساز ارغن
ہنم امروز صحن باغ و بازی کردنے با گل	ازین نوزند غافل چند اعمی
کہ بلبل از چہ گویا گشت و سوسن از چہ شد الکن	وزین نطقند منکر چند الکن
ترا اقبال خواہد داد دولت بازتا دایم	مراد کاف ونون طاہا ویاسین
نخواہد از کسے یاری مگر از ایزد ذوالمن	کہ عین رحمتست از فضل ذوالمن

کشلی خان کی شان مین خسرو کا مندرجۂ ذیل قصیدہ بھی خاقانی ہی کے رنگ میں کہا گیا ہے، خاقانی کے ایک قصیدہ کا مطلع ہے

صبح ست کمانکش اختران را — آتش زدہ آب پیکران را

اس کی بحر دل کر خسرو کہتے ہیں:

مبارک باد در دولت رسیدن شاہ گیہان را — پناہ لشکر اسلام پشت دین یزدان را

شہنشہ اختیار الدین چراغ چشم کشلی خان — کہ روشن کرد عکس جبہتش درگاہ سلطان را

عدو شیطان ست در فعل و دو شاخی یا سیخ تیرش — ہماے لاے لاحول ست بہر دفع شیطان را

گر از خون عدو بے آب گیرد و نوک پیکانش — کند ہم خون شیطان آب و بدبد نوک پیکان را

خراسان گیر شد صیت حسام ہندیت آری | بہندستان کشیدی تیغ و بگرفتی خراسان را

عدو بندا ہمان بندہ است احسانِ ترا خسرو | کہ دایم بود خود بندہ شود کے خسرو احسان را

کشلی خان کی شان مین ایک اور قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہون، اس کی تشبیب بہت ہی رنگین اور سامعہ نواز ہے،

بیا کہ وقت مے لعل دل نواز آمد | نیاز بر ہمہ خوبان کہ وقت ناز آمد

پیالہ بر کف من نہ لبالب از مے لعل | پیالہ کہ چو لعل تو دل نواز آمد

کرشمہ کہ کند نرگس تو مگزارش | کہ آن شگافتنِ پردہائے راز آمد

مدار ثابتہ چرخ قطب دولت و دین | کہ قطب ز آمدن او در اہتزاز آمد

سپہر مرتبہ محمود شاہ کشلی خان | کہ بخت بر در او بندہ چون ایاز آمد

نشانہ نظر و سائبان دولت بخت | کہ فتح بر علم نصرتش طراز آمد

کشلی خان کی قیام گاہ پر اکثر بزم مشاعرہ منعقد ہوتی، اس کی ایک بزم کا ذکر امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ مین بھی کیا ہے، جس مین شعراء کے علاوہ شہزادے اور دوسرے معززین بھی شریک تھے، امیر خسرو نے شہزادون مین بغرا خان اور شعراء مین شمس دبیر اور قاضی اثیر کے نام خاص طور پر لیے ہین، وہ لکھتے ہیں کہ اس بزم مین شمس دبیر اور قاضی اثیر نے اپنی سخنوری کا سکہ خوب جمایا، وہ خود بھی اپنے کمالات کے اظہار مین ان دونون سے کم نہیں رہے، اس سخن آرائی سے شہزادے اور ان کے ندماء بے حد محظوظ ہوئے، اور سونے اور چاندی کے سکے گلاب کی پنکھڑیون کی طرح مجلس مین بکھرے ہوئے تھے، بغرا خان کو خسرو کی شیرینی کلام مین کچھ ایسی لذت محسوس ہوئی کہ اس نے ایک لگن (طبق) بھر کر روپیے خسرو کو دیے، یہ خسرو کی تو بڑی قدر دانی تھی، لیکن کشلی خان کی غیرت نے اس کو پسند نہ کیا کہ

بقول مولانا شبلی مرحوم کہ اس کا وابستۂ دولت دوسرے دربار کا احسان اٹھائے، اس کے چہرہ سے ملال کے آثار ظاہر ہوئے، خسرو نے اس کے بعد بار بار مختلف موقعون پر اس کی تلافی کرنی چاہی، لیکن کشلی خان کے دل سے وہ پھانس نہ نکلی، اس لیے خسرو نے اس کے دربار سے جدا ہو کر بغرا خان کے سایۂ عاطفت مین پناہ لی،

امیر علی سرجاندار

اس عہد کا ایک دوسرا فیاض اور علم دوست ملک امیر علی سرجاندار تھا، سرجاندار (بادشاہ کے دستۂ محافظ کا سردار) تو اس کا فوجی عہدہ تھا، اختیار الدین شاید خطاب ہو، باپ کا نام ایبک تھا، اسی لیے بعض جگہ اس کا نام اختیار الدین علی بن ایبک بھی آتا ہے، لوگ اس کے جود و سخا و بخشش و فیاضی کی وجہ سے اس کو حاتم خان، اور "شاہ عہد" بھی کہتے تھے[1]، وہ جب کسی کے ساتھ کچھ حسن سلوک کرتا تو ہزارون روپے دے ڈالتا، اس کی کوئی بخشش سو ٹنکے سے کم نہ ہوتی، کسی کو گھوڑے اور خلعت دیتا تو چاندی کے سامان کے بغیر نہ دیتا، فقیرون کو خیرات مین سونے اور چاندی کے ٹنکے تقسیم کرتا، جیتل کا نام زبان پر لانا ننگ سمجھتا، سلطان بلبن کو اس کی فیاضی معلوم ہوتی تو وہ خوش ہو کر کہتا کہ شکر ہے کہ میرا مولازادہ ایسا سخی اور جواد ہے، اور اس کے انعام اور جاگیر مین اضافہ کرتا رہتا، ایک روز بلبن نے اس سے کہا کہ مین نے سنا ہے کہ تم سرمستی کی حالت مین اتنی بخشش کرتے ہو، اگر نشہ مین نہ رہ کر ایسی سخاوت کرو تو مین تم کو فیاض اور سخی سمجھون، اسی روز سے اس نے شراب چھوڑ دی، اور اس کی سخاوت اور بھی زیادہ بڑھ گئی،[2]

---

[1] برنی نے لکھا ہے کہ وہ سلطان بلبن کا مولازادہ یعنی غلام کا لڑکا تھا، (ص ۱۱۸) ڈاکٹر وحید مرزا نے معلوم نہیں کس سند پر اس کو سلطان بلبن کا Cousin (ابن عم) بتایا ہے، (ص ۲۸۰) [2] برنی ص ۱۱۹ - ۱۱۸

شہزادہ محمد سلطان کی وفات کے بعد خسرو نے اسی ملک کے یہان ملازمت کرلی تھی، جو اس زمانہ مین اودھ مین کسی عہدہ پر مامور تھا، ناصر الدین بغرا خان اور کیقباد کی جو ملاقات اودھ مین ہوئی تو اس موقع پر امیر علی کیقباد کے جلو مین تھا، اور اس کے ساتھ خسرو بھی تھے، کیقباد باپ سے مل کر دہلی واپس جانے لگا تو اس نے امیر علی کو اقطاع اودھ کی حکومت عطا کی اور خان جہان کا خطاب دیا، خسرو اپنے اس محسن کے ساتھ اودھ مین دو سال رہے، اور اس کے بے پایان لطف و کرم کا اظہار اس کی شان مین کئی قصیدے لکھ کر کیا ہے، غرۃ الکمال مین اس کی مدح مین دو قصیدے منقول ہین، ایک قصیدہ کی سرخی مین لکھتے ہین کہ علی کا عین عید کے عین اور ماہ نو سے مشابہ ہے، اسی مناسبت سے قصیدہ کی پوری تشبیب ہلال ہی پر ہے، کہتے ہیں:

ہلال عید جہان را ز نور خویش آراست — شراب چو شفق و جام چون ہلال کجاست

نگر شراب شفق خورد شب ز جام ہلال — کہ ہر گہر در و بود جملہ در صحراست

بہ نیم دائرہ مانند ہلال در گردش — ہزار نقطہ ز نقش ستارگان پیداست

چو ہست بر صفت نون عین ولام ہلال — تو نعل توسن شاہ ار بخوانیش خطاست

گریز کے ساتھ مدح کے دو تین شعر ملاحظہ ہوں،

نہ بلکہ شیشۂ مے زان شدست حلقہ نمای — کہ خان ز نیزہ بہ بازی عید حلقہ رباست

سماک نیزۂ ملک اختیار دولت و دین — کہ بہر نیزۂ او ماہ عید حلقہ نماست

ستودہ حیدر ثانی علی بن ایبک — کہ ہمچو شیر خدا روز رزم بے ہمتاست

آگے چل کر اپنے ممدوح کے جود و کرم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بہ بحر گفتم مانی بدست خان ز کرم — روان بہ لرزہ در آمد کہ آن محل نہ مراست

کہ سخا و ریا قوت بخشش کف اوست　　　　کہ عطا خس و خاشاک پایہ کف ماست

دیباچہ غرۃ الکمال مین خسرو لکھتے ہین کہ حاتم خان نے اپنے کف در موج سے ان کو طشت بھر بھر کر اتنے روپیے دیے کہ اگر وہ اس دولت کو محفوظ رکھتے تو ان کے اہل و عیال تمام عمر عزت و خوش حالی سے زندگی بسر کرتے رہتے، اسی جذبۂ احسان شناسی مین انھون نے اس کی شان مین ایک اور مدح کہی، جس کی سرخی میں لکھتے ہین کہ "احسان وجود بیش از مبالغہ شد"۔ چنانچہ اس مدح کے شروع میں کہتے ہیں،

خجستہ باد خداوند را ولایت نو　　　　فراز چرخ کشیدن طراز رایت نو

ستودہ خان معظم گزیدہ حاتم خان　　　　کہ شد خطاب نوین زینت ولایت نو

ملوک جہان اختیار دولت کرد　　　　زمانہ از کرمش ہر زمان روایت نو

علی بن ایبک کز ذوالفقار تیغ کند　　　　ہمہ ضلالت ہندوستان ہدایت نو

آخر میں پھر فرماتے ہیں :

چو زندہ گشت زنامت حکایت حاتم　　　　ہلیست حاتم طائی بدیں حکایت نو

زبہر جود تو آوند رشتہ در گردن　　　　زکان اگرچہ بود لعل در حمایت نو

خسرو نے حاتم خان کے محل پر بھی ایک نظم لکھی ہے، اس نے ان کو ایک گھوڑا بھی دیا تھا یہ گھوڑا ان کو پسند نہ آیا، اس پر ایک دلچسپ مثنوی لکھ کر اس کی خدمت مین پیش کی، اور اس سے یہ گھوڑا واپس لے کر دوسرے گھوڑے کی فرمایش اس طرح کی،

اے زتو عالمے در آسایش　　　　کار تو بخشش است و بخشایش

از من خستہ از چہ رنجیدی　　　　کہ نہ بخشودی نہ بخشیدی

گرچہ دانم کہ از پشیمانی　　　　دادہ خویش باز نستانی

اسپ دیگر بدہ مرا بستان	لیک زین ظالم بر آر دستان
اسپ فرما و آنچہ اسپ خورد	ورنہ زآن پایگاہ جان نبرد
اسپ بے کہ مدہ اگر خواہی	کہ نمیرد چو من ز بے کاہی
نکشید آنچہ من کشیدم ازو	بخشد ہر چہ من چشیدم ازو
من خود اینک بیک نفس کردم	خبر آن جہان ہمی شنوم
می روم تا تہی کنم یک راہ	غلہ دان قیامت از جو کاہ
دل بدادم ز بہر جان دادن	ایستادم ز بہر افتادن
نزیم من چنین کہ دارم حال	تو بحال نکو بمان صد سال
باد اسپ مرادت اندر زین	این دعا مستجاب باد امین

خسرو کو اودھ مین رہتے دو سال کی طویل مدت گذر گئی تو ان کو اپنی ماں کی یاد ستانے لگی، بالآخر اپنے محسن سے اجازت لے کر دہلی واپس آئے، حاتم خان نے خسرو کو رخصت کرتے وقت دو طشت اشرفیان بطور زاد راہ عنایت کیں،[1]

ملک الامرا فخر الدین بلبنی دربار کا ایک اور علم نواز امیر ملک الامرا فخر الدین تھا، وہ دہلی کا کوتوال بھی تھا، اس کے نیک کامون مین صدقہ و خیرات کی بڑی شہرت تھی، اس کے یہان بارہ ہزار وظیفہ خوار کلام پاک پڑھنے کے لیے تھے، جو ہر روز ایک ہزار بار کلام پاک ختم کرتے، یہ امیر ہر روز نئے کپڑے پہنتا، اور جو اتارتا وہ محتاجون کو دیدیتا، اس کا پلنگ اور بستر بھی بدلا جاتا، اور وہ یتیمون اور مستحق لوگون کے لیے رکھ دیے جاتے، ہر سال ایک ہزار غریب لڑکیون کے لیے جہیز کے بھی سامان فراہم کرتا،[2]

---

[1] قران السعدین، علی گڈھ اڈیشن ص ۲۲۲ [2] برنی ص ۱۱۷

شعراء | بلبن اور اس کے شہزادون کے درباری شعراء کا ذکر جابجا اتنا آگیا ہے کہ بظاہر ان کے لیے اب ایک علٰحدہ سرخی قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ہے، لیکن ان کے کچھ حالات ایسے بھی ہین، جن کو اگر یہان پر بیان نہیں کیا گیا تو بڑی کمی محسوس ہوگی، اس سلسلہ مین اگر بعض واقعات کے تکرار سے ناظرین کو کچھ تکدر پیدا ہو جائے تو ہم ان سے پہلے ہی معذرت کے خواہان ہیں،

یہان پر جن شعراء کا ذکر خاص طور پر ہم کرنا چاہتے ہین، ان مین سب سے نمایان نام امیر خسرو کا ہے،

خسرو | خسرو اپنے دور کی فارسی شاعری کے پیغمبر تھے، اس وقت سے اب تک ان کے متعلق اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے بارہ مین کوئی نئی بات لکھنا مشکل ہے، لیکن اس کتاب مین ان کا ذکر اتنا آیا ہے کہ ان کی سخن وری اور سخن سنجی کے ساتھ ان کے حالات مختصر طور پر بیان کرنا بھی ضروری ہے،

خاندان | خسرو ترک النسل تھے، ان کا خاندان لاچین کے قبیلۂ ہزارہ سے تعلق رکھتا تھا، لاچین غالباً قبیلہ کے سردار کا نام تھا جس سے یہ قبیلہ موسوم ہوا، یہ قبیلہ کش مین آباد تھا، جو ماوراء النہر مین واقع ہے، یہ کش سے قرشی اور وہان سے بلخ آیا، خسرو کے آبا و اجداد تیرہوین صدی مین دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان داخل ہوئے، اور کچھ عرصہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں رہے، پھر اسکے بعض افراد شمس الدین التتمش کے عہد مین دہلی آئے، اور اس کے دربار میں ملازم ہوئے، ان ہی مین خسرو کے والد بزرگوار سیف الدین محمود بھی تھے، یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ سیف الدین محمود شمس الدین التتمش کے دربار مین کس عہدہ پر مامور تھے، لیکن یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے دربار کے معزز امیر تھے، خسرو نے دیباچہ غرۃ الکمال مین ان کے نام کے ساتھ

"امیر" اور "سیف شمسی" لکھا ہے، برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بارہ ہزار تنکے سالانہ وظیفہ ملتا تھا،[1] وہ اپنی بہادری اور نبرد آزمائی کے لیے مشہور تھے، جیساکہ دیباچہ غرۃ الکمال میں امیر خسرو لکھتے ہیں:

"پدرم سیف شمسی کہ از نور پیشانی تیغ آفتاب بود و نصف شکنی اشتہار یافتہ"

ان کی امارت کے ساتھ ان کی خدا ترسی کی بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ

"ہم از طریق دنیا امیر بود وہم از جانب عقبیٰ صاحب ولایت با آنکہ امی بود ......"

غالباً ان کو مومن پور المعروف بہ پٹیالی[2] میں کوئی جاگیر ملی تھی، اور یہیں وہ سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کی شادی عماد الملک کی لڑکی سے ہوئی، جن کا شمار شاہی دربار کے معزز امراء میں ہوتا تھا، اس شادی سے ان کے تین فرزند ہوئے، اعزالدین علی شاہ، ابوالحسن یمین الدین خسرو، اور حسام الدین قتلغ۔

وطن و تعلیم | خسرو مومن پور یعنی پٹیالی ہی میں ۶۵۱ھ (مطابق ۱۲۵۳ء) میں پیدا ہوئے،[3] سیر الاولیاء میں ہے کہ خسرو کی پیدایش کے وقت ان کے والد بزرگوار ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے محلہ کے ایک مجذوب اور صاحب نعمت بزرگ کے پاس لے گئے، انھوں نے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۹۰، [2] پٹیالی ضلع ایٹہ، یو۔ پی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ [3] قران السعدین میں خسرو لکھتے ہیں:

انچہ بتاریخ ز ہجرت گذشت	بود سنہ شش صد وہشتاد وہشت
سال من امروز اگر بر رسی	راست بگویم ہمہ شش بود و سی

یعنی ۶۸۸ھ میں ان کی عمر ۳۶ سال کی تھی، اس لحاظ سے وہ ۶۵۲ھ میں پیدا ہوئے، لیکن وسط الحیوٰۃ میں فرماتے ہیں:

کنوں کز شش صد ہشتاد چار شد تاریخ	مرا بسی و سہ آمد نوبد سی چہار

اس شعر کے مطابق ان کا سنہ ولادت آغاز ۶۵۱ھ ہوتا ہے۔

بچہ کو دیکھتے ہی فرمایا،

"آوردے کسے راکہ دو قدم از خاقانی پیش خواہد بود" (ص ۳۰۱)

ہوش سنبھالا تو تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھائے گئے۔ ان کے والد نے خود تو تعلیم نہیں پائی تھی، کیونکہ ان کے خاندان میں سپہگری کا پیشہ تھا، لیکن انھون نے اپنے لڑکون کو شوق سے تعلیم دلانی شروع کی، خسرو اپنے دیوان تحفۃ الصغر مین لکھتے ہین کہ ان کے استاد خواجہ سعد الدین ان کو خوش نویسی سکھانے مین ان کی پیٹھ پر دُرّے لگاتے۔ لیکن ان کے سر مین زلف پیچان کا سودا ایسا سمایا ہوا تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے کی طرف کم مائل رہے، اور شعرگوئی کی دھن مین جو کچھ موزون ناموزون کہہ سکتے تھے، اسی کی مشق وصلیوں پر کیا کرتے تھے، اس کم عمری مین اپنی شعرگوئی کا ایک واقعہ تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ ایک روز میں اپنے استاد خواجہ سعد الدین کے ساتھ خواجہ اصیل نائب کوتوال کے یہاں گیا، وہان ایک صاحب علم اور "دریائے سخن کے شناور" خواجہ عزّ الدین نظر بند تھے، جب ہم دونون وہان پہنچے تو خواجہ موصوف کے ہاتھ مین ایک بیاض تھی، وہ اس کا مطالعہ کر رہے تھے، انھون نے گفتگو شروع کی، تو ان کے منہ سے موتی جھڑنے لگے، میرے استاد نے ان سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کمسن لڑکا میرا شاگرد ہے۔ شعر و شاعری مین بھی بلند پروازی کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کو کچھ اشعار پڑھنے کے لیے دیجیے، دیکھیں کہ کس طرح پڑھتا ہے، انھوں نے بیاض مجھکو دیدی، اور میں نے اس مین سے اشعار پڑھنے شروع کیے، میری خوش الحانی سے سب کی آنکھون میں آنسو بھر گئے، اور سب متحیر رہے، میرے استاد نے خواجہ موصوف سے پھر کہا کہ شعر پڑھنا تو آسان ہے، لیکن اس کا امتحان لیجیے کہ وہ شعر کہہ بھی سکتا ہے کہ نہیں، انھون نے چار بے جوڑ چیزون مو، بیضہ، تیر، خربزہ کے نام لیے کہ ان کو ملا کر شعر کہو، مین نے برجستہ

یہ اشعار موزون کیے،

ہر موئے کہ در دو زلف آن صنم است / صد بیضۂ عنبرین بر آن موئے صنم است

چون تیر مدان راست دلش را زیرا کہ / چو خربزہ دندانش میان شکم است[1]

جب میں نے یہ رباعی پڑھی تو خواجہ عزالدین کو بڑی حیرت ہوئی، انھوں نے بہت داد دی اور میرا نام پوچھا، میں نے کہا خسرو، والد بزرگوار کا نام پوچھا، میں نے اصل نام کے بجائے قبیلہ کا نام بتایا، یعنی لاچین، خواجہ صاحب نے ظرافت سے کہا، لاچین یعنی چین نہیں، پھر کہا ترک خطا است، یعنی ان کو ترک کہنا خطا ہے، میں نے اسی کو الٹ کر کہا بے خطا ترک است، یعنی قطعاً وہ ترک ہے، دریافت کیا تم درم خریدۂ ناصری ہو، عرض کی سلطانی شمسی کا ہوں[2]، خواجہ صاحب نے کہا کہ تمھاری نسبت سلطانی ہے، اس لیے اپنا تخلص سلطانی رکھو،[3]

مشق سخن — خسرو نے اس نصیحت پر عمل کیا، تحفۃ الصغر کی اکثر غزلوں میں یہی تخلص ہے، اسی کم عمری میں خسرو نے شاعری شروع کی، وہ خود لکھتے ہیں کہ جب میرے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے تھے، تو میں نے شعر گوئی کی ابتدا کی،[4] لیکن جب وہ آٹھ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار ایک معرکہ میں شہید ہو گئے، آگے چل کر خسرو نے باپ کی یاد میں ایک مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے

سیف از سرم گذشت و دل من دو نیم شد / دریائے خون روا شد و در یتیم شد

---

[1] مولانا شبلی نے شعر العجم (ج ۲ ص ۱۰۵) میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے،

چون تیر بداں راست دلش را زیرا کہ / چون خربزہ دندانش درون شکم است

[2] سلطانی اشرفی کو کہتے ہیں، درم کی رعایت سے یہ لفظ لائے تھے، [3] یہ روایت تحفۃ الصغر کا محض خلاصہ ہے، [4] دیباچۂ غرۃ الکمال میں ہے "دران صغر سن کہ دندان می افتاد، سخن می گفتم و گوہر از دہانم فرو می ریخت۔"

بظاہر خسرو پر بڑی مصیبت آگئی، لیکن اس مین بھی مصلحت خداوندی پوشیدہ تھی، والد کی شہادت کے بعد اپنے نانا عماد الملک کی نگرانی اور سرپرستی مین آگئے، اور یہ سرپرستی ان کے لیے بڑی نعمت ثابت ہوئی، اس کا اعتراف وہ خود بھی کرتے ہیں:

"جد من بر سر من بود، آن جد نبود، بلکہ دولتے بود، وصاحب دولتے.... (دیباچہ غرۃ الکمال)

عماد الملک کی سرپرستی عماد الملک بڑے طنطنہ کے امراء میں سے تھے شمس الدین التمش کے عہد سے بلبنی عہد تک عرض ممالک کے عہدہ پر فائز رہے، دبدبہ و حشمت کا یہ حال تھا کہ دو سو ترک غلام، دو ہزار ہندو، اور دو ہزار سوار برابر ان کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے[1]، اپنے دفتر کے کام کرنے والوں کو اپنے پاس بلاتے، مہمان رکھتے، خلعت دیتے، اور ان کو بیس بیس ہزار ٹنکے اپنی تنخواہ میں سے دیدیتے۔ دسترخوان بچھتا تو انواع واقسام کے کھانون کے پچاس ساٹھ خوان آتے، امراء وملوک کے علاوہ جو بھی موجود ہوتا، کھانے میں شریک ہوتا، اگر کھانا بچ جاتا تو غربا مین تقسیم کر دیا جاتا، کوئی دسترخوان پر شریک ہونے سے معذور رہتا تو اس کے گھر کھانا بھجوایا جاتا، عماد الملک خاص قسم کا پان کھایا کرتے تھے، جو اپنی لذت اور لطافت کے لیے بہت پسند کیا جاتا، ان کی مجلس مین پچاس ساٹھ غلام ہی پان برابر تقسیم کرتے رہتے تھے، ان کے دربار کے تمام آداب بڑے بڑے خوانین و ملوک ہی کی مجلسون کی طرح تھے، مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ نیک کامون مین انھون نے اتنے گاؤن وقف کیے تھے، کہ ان کے زمانے یعنی فیروز شاہی عہد تک لوگ ان کے اوقاف سے گذر اوقات کرتے ہیں اور عماد الملک کے ایصال ثواب کے لیے کلام پاک پڑھتے رہتے ہین[2]، عہد بلبنی مین عماد الملک کا شمار سلطنت کے چار ستونون مین ہوتا تھا،

---

[1] دیباچہ غرۃ الکمال [2] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۱۱۷ - ۱۱۵

تحصیل علم

اسی امارت و ثروت بھرے ماحول مین خسرو نے پرورش پائی، عمادالملک کی مجلس مین علماء، شعراء اور ارباب نشاط سب ہی شریک ہوتے تھے، ظاہر ہے کہ خسرو کو اپنے نانا کی مجلسون مین علم و ادب اور موسیقی کے ذوق کے نشو و نما مین کس قدر مدد ملی ہوگی، ان کے درسی علوم و فنون کی تحصیل کی تو تفصیل معلوم نہ ہو سکی، لیکن تحفۃ الصغر کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سال کی عمر مین ان مین اتنی غیر معمولی قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ فارسی شاعری کے اساتذہ مثلاً انوری اور سنائی وغیرہ کے کلام کا مطالعہ کر سکتے تھے، اور پھر اسی صغر سنی مین ان اساتذۂ فن کے تتبع مین اشعار کہنے بھی شروع کر دیے تھے، اپنی ابتدائی زندگی مین تو انھون نے غالباً مختلف علوم و فنون پڑھنے کی کوشش نہین کی لیکن آگے چل کر ان مین جو علمی استعداد پیدا ہوئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف زبانون کے جاننے کے علاوہ مذہب، فقہ، نجوم، ہیئت، صرف و نحو پر غیر معمولی درک رکھتے تھے،

مختلف زبانوں سے واقفیت کا اظہار وہ خود اپنی مثنوی نہ سپہر کے ان اشعار مین کرتے ہیں،

من بزبانہاے کسان بیشترے | کردہ ام از طبع شناسا گذرے
دانم و دریافتہ و گفتہ ہم | جستہ و روشن شدہ زان بیش و کم[1]

ان زبانون مین ترکی و فارسی تو گویا ان کی فطری مادری زبانین تھی، دیباچۂ غرۃ الکمال مین ہندی کے متعلق کہتے ہین

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب | شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

پھر اسی دیباچہ مین ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہین کہ وہ میٹھی ہندی بول سکتے ہیں،

چو من طوطی ہندم راست پرسی | ز من ہندوی پرس تا نغز گویم

---

[1] نہ سپہر، مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا، مطبوعہ کلکتہ ص ۱۷۲

پھر عزۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ انھون نے ہندی مین نظمین لکھ کر دوستوں مین تقسیم کیں،

"جزوی چند نظم ہندی نیز نذر دوستاں کردہ شدہ است، این جا ہم بذکرے پسندہ کردم"۔

خسرو کے نام سے بہت سے ہندی گیت، دوہے، معمے، مخمس، چوپائیان مشہور ہیں، ایک ہندی تصنیف خالق باری بھی ان ہی کی بتائی جاتی ہے، آیا یہ سب واقعی ان ہی کی ہین یا ان کے نام سے منسوب ہو گئی ہین، اس پر بحث ابتک جاری ہے، ہم ان مباحث سے گریز کرتے ہین، لیکن یہ حقیقت ہے کہ خسرو ہندی کے بھی بہت بڑے شاعر تھے۔

مذکورۂ بالا شعر کے اس مصرع

شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

سے یہ گمان ہوتا ہے کہ خسرو عربی نہیں جانتے تھے لیکن مولانا شبلی رقمطراز ہین کہ امیر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی کی تحصیل تمام تھی، اعجاز خسروی مین ان کے بعض خطوط عربی مین بھی ہین[1]، عزۃ الکمال کے دیباچہ مین انھون نے اپنے عربی اشعار کے کچھ نمونے بھی دیے ہین، شاید اسی قسم کے نمونوں کو دیکھ کر مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ وہ عربی مین ادبائے عرب کے ہمسر ہین، عزۃ الکمال کے دیباچہ مین فارسی اور عربی شاعری کا جو موازنہ کیا ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عربی ادب پر ان کی نظر گہری تھی،

اس سلسلہ مین انھون نے فارسی، عربی، ترکی اور ہندی زبانون کے مختلف پہلوؤن پر جو بحث کی ہے، اس کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ وہ فن زباندانی کے حقائق و دقائق سے

---

[1] اعجاز خسروی نولکشور پریس، رسالہ ثانیہ ص ۱۲۳، ۱۲۸

اچھی طرح واقف تھے، اور صرف و نحو پر پوری دسترس رکھتے تھے، کچھ دنوں عربی زبان کیطرح فارسی زبان کی صرف و نحو مرتب کرنے کی فکر میں رہے، لیکن پھر فارسی زبان کی عام مقبولیت اور شہرت کا خیال کرتے ہوئے اس کام کو سعی لاحاصل سمجھا، مثنوی نہ سپہر میں رقمطراز ہیں

از عربی کردہ ہمہ کس شرفے ۔۔۔ واہل عرب رانہ شرف در طرفے

لیک بہ شیرین سخن پارسیان ۔۔۔ ضابطۂ نہاد کسے از اہل بیان

من بتوانم چو زدل خواست کنم ۔۔۔ گر پئے این ہمہ روشے راست کنم

لیک چو محتاج نہ اند اہل زبان ۔۔۔ وانیست کشادے ز پئے بستہ زبان

چون ہمہ بستہ نہ بینم لب کس ۔۔۔ بیہدہ دلہ حیلہ چہ مانم بہوس

اسی مثنوی نہ سپہر میں فلکیات سے متعلق جا بجا ایسی باتیں لکھی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ نجوم و ہیئت میں بھی بڑا درخور تھا، لیکن انھوں نے یہ تمام علوم و فنون کسی استاد سے حاصل کرنے کے بجائے اپنی غیر معمولی ذہانت اور طباعی سے خود ہی حاصل کئے تھے،

اساتذۂ فن کی تقلید سولہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے خسرو نے سخن سنجی میں اچھی خاصی مہارت پیدا کر لی، اور اس زمانہ میں بھی ان کے اشعار کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ گویئے مجلسوں میں گانے لگے جن کو سن کر بڑے بوڑھے وجد کرتے تھے، ذہن رسا نے اس کمسنی میں بھی کسی شاعر کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے پر آمادہ نہیں کیا، بلکہ فطری ذوق ہی کو اپنا استاد تسلیم کرتے رہے، اساتذۂ فن کے کلام پڑھتے اور ان ہی کے رنگ میں کہنے کی کوشش کرتے، شروع میں انوری سے متاثر تھے، تحفۃ الصغر میں ان کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

باز بلبل در غزل خوانی شدہ ست ۔۔۔ عاشق سرو گلستانی شدہ ست

لہ نہ سپہر ص ۱۷۳-۱۷۴

اسی مین انوری کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہتے ہین :

خہ کہ در عہد تو سلطان سخن | خسرو لاچین سلطانی شدہ ست
تا کشہ گردون بہ چشم انوری | خاک من کحل سپاہانی شدہ ست

اسی زمانہ مین خاقانی کے رنگ کی بھی تقلید شروع کی، مثلاً خاقانی کا ایک مشہور نعتیہ قصیدہ ہے، جس کا مطلع یہ ہے :

ہر صبح سر ز گلشن سودا بر آورم | وز صور آہ بر فلک اوا بر آورم

اسی کی تقلید مین خسرو نے غیاث الدین بلبن کی شان مین ایک قصیدہ کہا، جسکا مطلع یہ ہے،

صبح از کمین چو رخ بہ تماشا بر آورد | چرخ آتشین حجاب بر اعضا بر آورد

اسی قصیدہ مین آگے چل کر کہتے ہیں :

خاقانی ار ز خاک بر آید بہ صد زبان | انصاف این قصیدہ غرا بر آورد

اسی طرح خاقانی کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

کرد خزان تاختن بر صف خیل بہار | باد وزان بر رزان گشت بدل کینہ وار

خاقانی نے اس قصیدہ مین تقریباً ۵۴ اشعار کہے ہین. خسرو نے بھی اسی قافیہ مین دو مسلسل قصیدے کہے ہیں، جن مین تقریباً ۸۰ ابیات ہین، ان کے قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

قلب خزان راشکست تاختن نو بہار | قالب آفاق کرد جوشن سبز آشکار

خسرو نے خاقانی کے حسب ذیل قصیدہ

ما فتنہ بر توایم و تو فتنہ بر آئینہ | ما را نگاہ در تو ترا اندر آئینہ

کے جواب مین ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے :

اے ماہ بستہ روئے تو مہر اندر آئینہ | مو بیت ز شانہ ریختہ عنبر بر آئینہ

لیکن خسرو نے اپنے دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں اعتراف کیا ہے کہ وہ اس عمر میں خاقانی کے تتبع مین ناکامیاب رہے، لکھتے ہین کہ اگرچہ خاقانی کے مغلق اشعار حل کر لیتا تھا لیکن کم عمری کے سبب ان کے کلام کے دقائق واضح نہ ہوتے تھے، میری ہمت بلند تھی پھر بھی ان کا کلام اتنا بلند تھا کہ میرے فہم کی رسائی وہان تک نہیں ہوتی تھی، ان کے اصلی الفاظ ملاحظہ ہون'

"چند گاہے فتراک دولت خاقانی را بدوال گیری دست آویزی نمودم وانچہ تعلق بلفظ داشت تعلیق کردم اگرچہ ابیات مغلق درمی یافتم اما درآمد وبیرون شد ارکان آن معانی وابواب آن معانی جا بجا بہنگام بر ست کشادہ نمی شد کہ کلید دیان. ابی سبب صغر سنی ہنوز دندانہا خورد بود وبرہ دل نفوذی نیافت وبوینت آب وگل قصوری داشت اگرچہ از ہمت عالی با آسمان سخن می گفتم وسخنم برزمین نمی افتاد وما علو سخن اسناد بالاتر ازان بود کہ دست ہمت من بدان پایہ رسد"

ترتیب دیوان تحفۃ الصغر

لیکن اس ناکامیابی کے اعتراف کے باوجود خسرو خاقانی اور دوسرے اساتذہ کی تقلید مین قصائد لکھ کر اور جدت پسندی اور ذہن رسا سے کام لے کر اپنی صغر سنی مین اپنے شاندار مستقبل کا پتہ خود ہی دے رہے تھے، اور جب ابھی ۲۰ سال ہی کے تھے، تو اپنا ایک دیوان تحفۃ الصغر کے نام سے مرتب کر لیا، جس مین تقریباً ۳۵ قصیدے، پانچ ترکیب بند، کچھ متفرقات اور ایک مثنوی ہے، قصیدے غیاث الدین بلبن، شہزادہ سلطان محمد، اور بلبنی دربار کے امرا، امیر علی حاتم خان، اختیار الدین کشلی خان، شمس الدین قوام الملک اور عزیز الدین وغیرہ کی شان مین ہین، ایک ترکیب بند مین اپنے نانا عماد الملک کی وفات پر مرثیہ کہا ہے، مثنوی مین قلعہ پٹیالی کے بد تہذیب اور وحشی افغانون کی ہجو ہے،

خسرو اور سلطان المشائخ

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ خسرو کے کلام میں روز بروز لطافت، حلاوت اور شوکت ان کے مرشد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی دعا اور کرامت کی بدولت پیدا ہوتی گئی۔ ان کا پورا گھر حضرت سلطان المشائخؒ کے حلقۂ ارادت مین داخل تھا، ان کے نانا اور والد بزرگوار دونون ان کے مرید تھے[1]، ظاہر ہے کہ خسرو کو بچپن ہی سے ان کے فیوض و برکات حاصل کرنے کا موقع ملا، وہ خود بھی اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، اپنے مرشد کی شان مین ایک قصیدہ کہتے ہوئے رقمطراز ہین،

خوش اندم کہ من ز اعتقاد ضمیر	گرفتم بحق دست آن دست گیر
بہ نہ بحر از آن جانبم راہ شد	چو کشتی مرا دست آن شاہ شد
من از دوے لعاب دہان یافتم	کہ زین گونہ آب دہان یافتم[2]

سیر الاولیا مین ہے کہ خسرو کے نانا کے دولتکدہ کے پاس ہی سلطان المشائخ کی قیامگاہ تھی، خسرو نے اسی زمانہ مین شعر کہنا شروع کیا تھا، وہ جو بھی نظم کہتے سلطان المشائخ کی خدمت مین پیش کرتے، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے کہا کہ اصفہان کے شعراء کے طرز مین کہا کرو، یعنی کلام عشق انگیز ہو، خسرو نے اسی پر عمل کرنا شروع کیا، اور اس کو انتہائے کمال تک پہنچا دیا، ایک بار انھوں نے سلطان المشائخ کی مدح کہی، اور جب اس کو آکر سنایا تو سلطان المشائخ نے پوچھا کیا صلہ چاہتے ہو، خسرو نے جواب دیا، کلام مین شیرینی، اس وقت چارپائی کے نیچے طشت مین شکر رکھی تھی، سلطان المشائخ نے حکم دیا کہ لاؤ، اور اپنے سر کے اوپر چھڑک لو اور

[1] سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ عماد الملک بڑے اولیا کرام میں سے تھے، (اردو ترجمہ ص ۱۲۴)

[2] مثنوی نہ سپہر، مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا ص ۲،

ورکچھ کھا بھی لو، اسی کے بعد ان کے کلام میں بڑی شیرینی پیدا ہو گئی، امیر خسرو آخر عمر میں پچھتایا کرتے کہ کوئی اور بہتر صلہ مانگتے تو وہی ملتا، امیر خسرو جب کوئی کتاب لکھتے تو پہلے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے، وہ اس کو ہاتھ میں لے کر اس پر فاتحہ (یعنی فاتحۃ الکتاب) پڑھتے، امیر خسرو میں کمال اسی وجہ سے پیدا ہوتا گیا، سلطان المشائخ کو یہ بھی خیال رہا کہ کہیں امیر خسرو شعر و شاعری میں پڑ کر اسی میں الجھے نہ رہیں، اس لیے ان کو بہتر کام میں بھی لگایا، اور ان کی ہدایت کے مطابق تہجد کے وقت کلام پاک کے سات پارے پڑھا کرتے تھے، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے پوچھا ترک! تمھارا کیا حال ہے، امیر خسرو نے جواب دیا، اب رات کے آخر حصہ میں گریہ طاری رہتا ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا

"الحمد للہ اندکے ظاہر شدن گرفت"[1]

سلطان المشائخ کو خسرو سے ایسا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کے حضور میں جانے کی جب کسی کی بھی ہمت نہ ہوتی، تو اس وقت خسرو ہی ان کے پاس بھیجے جاتے، کیونکہ وہ غایت شفقت میں فرمایا کرتے کہ میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں حتی کہ اپنے سر سے بھی تنگ آ جاتا ہوں لیکن خسرو سے کبھی تنگ نہیں آتا،[2]

سلطان المشائخ کی صحبت میں رہتے رہتے امیر خسرو نے جس عشق مجازی کا راگ اپنی شاعری میں الاپنا شروع کیا تھا، وہ عشق الٰہی سے بدل گیا، رفتہ رفتہ ان میں عشق الٰہی کی ایسی سوزش پیدا ہو گئی کہ سلطان المشائخ فرمایا کرتے کہ قیامت کے روز مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کیا لائے تو میں کہوں گا کہ یہ ترک اللہ کا سوز سینہ،[3] وہ ان کو محبت میں ترک بچہ کہا کرتے تھے، آخر میں ترک اللہ

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۳۰۲ [2] سیر الاولیاء، ص ۳۰۲۔

[3] سفینۃ الاولیاء، ص ۱۶۰

کہنے لگے تھے[1]، ازراہ لطف و کرم یہ بھی فرماتے کہ بہشت میں امیر خسرو کے بغیر نہ داخل ہوں گا[2]،

سلطان المشائخ نے اپنے مرید کی شاعری کی بھی بڑی قدر کی، سیر الاولیا، میں ہے کہ ایک بار امیر خسرو ان کے سامنے اپنی ایک غزل گانے لگے، جب اس شعر پر پہنچے

رخ جملہ را نمودہ و فرا گفتہ تو مبین | زین ذوق مست و بے خبرم کین سخن چہ بود

تو سلطان المشائخ نے نگاہ محبت سے امیر خسرو کو دیکھا اور بے خود ہو گئے، اسی تذکرہ میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک روز امیر خسرو کے صاحبزادے امیر حاجی نے ان کی ایک غزل حضرت سلطان المشائخ کے سامنے شروع کی اور جب یہ شعر سنایا،

خسرو تو کیستی کہ در آئی درین شمار | کین عشق تیغ بر سر مردان دین زدہ است

تو سلطان المشائخ پر وجد طاری ہو گیا، اور جب امیر حاجی نے اس کو بار بار دہرایا تو سلطان المشائخ نے اسی وجد و کیف میں اپنی ایک دستار امیر حاجی اور ایک امیر خسرو کو دیدی[3]۔

سلطان المشائخ نے اپنے محبوب مرید کی شاعری پر یہ اشعار کہہ کر اپنی شفقت کا اظہار کیا ہے،

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست | ملکیت ملک سخن آن خسرو راست

آن خسرو ماست ناصر خسرو نیست | زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست[4]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی کے قصے آج تک مجلسوں میں دہرائے جاتے ہیں، ان کو ہر قسم کا دنیاوی اعزاز حاصل ہوا لیکن اس کے باوجود بھی مرشد کی خدمت ہی کو سعادت عظمی سمجھتے تھے، کبھی خلوت میں ان کے

---

[1] حضرت شیخ المشائخ کی شان میں ایک قصیدہ کہتے ہیں۔

برزبانت چو خطاب بندہ ترک اللہ رفت | دست ترک اللہ گیر و ہم بہ اللہش سپار

[2] سیر الاولیا ص ۳۰۳ [3] ایضاً ص ۵۱۶ - ۵۱۵ [4] ایضاً ص ۳۰۴

ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں ان کو اپنی غزلیں سناتے اور جو شعر ان کو پسند آجاتا اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے،

خسرو کی جامعیت

قدرت نے خسرو کی آواز میں بھی بڑا درد اور سوز عطا کیا تھا جس وقت وہ خوش گلوئی کے ساتھ اپنا کلام سناتے تو اس میں عجیب کیفیت اور تاثیر پیدا ہو جاتی، آگے چل کر وہ موسیقی کے بھی اساتذۂ فن میں شمار کیے جانے لگے، اور انھوں نے بہت سے نئے راگ بھی ایجاد کیے جیسا کہ آیندہ ذکر آئے گا، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے، غرضیکہ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان کے ذہن، ان کے دل اور ان کی آواز میں کونسی چیز قابلِ ترجیح تھی، مولانا شبلی نے بجا طور پر کہا ہے کہ ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگون اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کیے ہوں گے،[1]

خسرو اور علاء الدین کشلی خان

خسرو کی عمر ۲۰ سال کی ہوئی تو ان کے نانا عماد الملک کا انتقال ہو گیا نانا کی وفات کے بعد فکر معاش ہوئی، وہ سلطان غیاث الدین بلبن، اس کے شہزادوں اور امراء کے دربار میں اپنے قصیدوں کی وجہ سے متعارف ہو چکے تھے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ سلطان بلبن کو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، پھر خسرو ابھی بہت ہی کمسن شاعر تھے، اس لیے بلبن ان کی طرف خاص طور پر مائل نہیں ہوا، گو خود انھوں نے اس کی شان میں بہت سے قصائد کہے ہیں، لیکن شہزادوں اور امراء کی نظریں خسرو کی طرف اٹھی ہوئی تھیں، ایک دل آویز شخصیت کے لیے جتنے اوصاف ضروری ہو سکتے ہیں وہ سب خسرو میں موجود تھے، دینداری، سخن آرائی، بذلہ سنجی اور خوش الحانی، ان ہی چیزوں کو شہزادے اور امراء اپنے ندیم خاص کے لیے پسند کرتے تھے، خسرو

[1] شعر العجم جلد ۲ ص ۱۳۲

ہیں یہ ساری چیزیں موجود تھیں، ان کو کسی شہزادہ یا امیر کے دربار میں رسائی حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، پھر امراء کا یہ عجیب و غریب دور تھا، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ شمسی، ناصری اور بڑی حد تک بلبنی دور میں بھی خوانین و ملوک میں رشک و حسد اس پر ہوتا تھا کہ کون زیادہ فیاضی کرتا ہے، اگر کوئی خان یا ملک یہ سن لیتا کہ فلان خان یا ملک کے دسترخوان پر پانچ سو آدمی کھاتے ہیں تو اس کو غیرت آجاتی، اور وہ یہ کوشش کرتا کہ اس کے دسترخوان پر ایک ہزار آدمی شریک رہیں، اگر ان میں سے کسی کو یہ خبر ملتی کہ فلان ملک نے اپنی سواری کے موقع پر دو سو ٹنکے صدقے کیے ہیں، تو وہ چار سو ٹنکے صدقے میں دیتا، اسی طرح اگر ایک کو معلوم ہوتا کہ کسی نے پچاس گھوڑے اور دو سو آدمیوں کو کپڑے دیے ہیں تو وہ غایت رشک میں سو گھوڑے اور پانچ سو آدمیوں کو کپڑے عطا کرتا[1]، غرضیکہ ان امراء کے جود و سخا کی کوئی انتہا نہ تھی، ایسے احول میں تمام امراء خسرو کو اپنے دربار کی زینت و آرایش بنانے کے لیے چشم براہ تھے، لیکن خود انھوں نے سلطان بلبن کے بھتیجے اور اس کے دربار کے باربک علاء الدین کشلی خان (عرف ملک چھجو) کے دامن دولت سے وابستہ ہونا پسند کیا، اور دو سال تک اپنی سخن سنجی اور نغمہ سرائی سے اس کو محظوظ کرتے رہے،

خسرو اور بغرا خان پہلے کہا جا چکا ہے کہ ایک روز کشلی خان کے یہاں شعراء کا اجتماع ہوا جس میں شہزادہ بغرا خان بھی شریک ہوا، اس مجلس میں خسرو نے بھی اپنا کلام سنایا، شہزادہ بغرا خان کو ان کا کلام کچھ ایسا پسند آیا کہ اس نے ایک طشت بھر کر خسرو کو روپے انعام دیے، یہ بات کشلی خان کو ناگوار ہوئی کہ اس کا وابستۂ دولت دوسرے کا ممنون ہو، یہ ناگواری اس حد تک بڑھ گئی کہ خسرو اس کے دربار سے علحدہ ہو گئے، اور بغرا خان کے یہاں سامانہ چلے گئے، اس کا ذکر بھی آچکا ہے کہ بغرا خان نے

---

[1] برنی ۲-۱۰۱

ان کو ندیم خاص بنا کر ان کی بڑی عزت کی، احسان شناسی میں انھون نے اس کی شان مین بھی اچھے اچھے قصیدے کہے ہیں، ۶۷۸ھ مین بغرا خان باپ کے ساتھ لکھنوتی گیا تو اس کی معیت مین وہ بھی تھے، لکھنوتی پہنچے تو یہ جگہ ان کو پسند نہ آئی، بغرا خان نے اپنے خاص اہد باریوں کے ذریعہ انکو روکنا چاہا، لیکن انھون نے وہان رکنا پسند نہ کیا، اور بلبن کے ساتھ دہلی واپس چلے آئے،

خسرو اور شہزادہ محمد سلطان

لکھنوتی کی مہم میں بلبن کو جو فتح و کامرانی حاصل ہوئی، اس کا جشن دہلی مین دھوم دھام سے منایا گیا، اس موقع پر باپ کی خدمت مین مبارک باد پیش کرنے کے لیے شہزادہ محمد سلطان قیمتی تحائف لے کر ملتان سے دہلی آیا، یہ علم نواز اور ہنر پرور شہزادہ خسرو کا کلام پہلے ہی سن چکا تھا، دہلی کے قیام کے دوران مین اس نے ان کو اپنے یہان بلا کر اور ان کا کلام سننے کا اشتیاق ظاہر کیا، ان کے پاس جو کچھ اس وقت نیا کلام موجود تھا، انھون نے جا کر سنایا، شہزادہ سن کر بے حد محظوظ ہوا، خلعت اور انعام و اکرام عطا کیا[1]، اور اپنا ندیم خاص بنا لیا، اور جب ملتان جانے لگا تو ان کو ساتھ لیتا گیا، حسن دہلوی بھی شہزادہ کے ساتھ گئے، فرشتہ کا بیان ہے کہ خسرو شہزادہ کے مصحف دار اور حسن دوات دار مقرر ہوئے[2]، پانچ سال تک ان دونو جلیل القدر شاعرون نے شہزادہ کی بزم کو اپنی سخن آرائی سے بہت ہی پر رونق بنائے رکھا، خسرو خود ہی غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین:

"پنج سال دیگر پنج آب ملتان را از بحر لطائف فانی آب دادم"[3]

شہزادہ محمد سلطان بھی خسرو کو ہر طرح کی عنایات سے نوازتا تھا، لیکن خسرو کو دہلی کی یاد برابر ستاتی رہی، دہلی ان کے خیال مین ایک جنت تھی، اس کو قبلۂ اسلام کے نام سے یاد کرتے تھے اس کی سر بفلک عمارتون، محل سراؤن، اس کے تالابون، مرغزارون، اور باغون کی خوشبوؤن کو

---

[1] دیباچہ غرۃ الکمال [2] فرشتہ ج ۱ ص ۲۰۲ [3] اس عبارت میں تجنیس لفظی بھی ملاحظہ ہو،

یاد کر کے ملتان میں بے چین ہو جاتے تھے، وہ سال میں شہزادہ کے ساتھ ایک بار دہلی آتے، ڈاکٹر وحید مرزا کا خیال ہے کہ اسی اثنا میں ان کی شادی بھی ہوگئی تھی[1]، اور جب وہ اپنی والدہ اور بیوی سے رخصت ہوتے تو ان کو انتہائی شاق ہوتا، لیکن ان کی زندگی کا یہ دور مسرتوں سے معمور رہا، اب وہ ایک نومشق شاعر نہیں رہے تھے، بلکہ ان کی شہرت ہندوستان سے باہر ایران تک پہنچ گئی تھی، اور جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ جب شہزادہ محمد سلطان نے سعدی شیرازی کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تو انھوں نے اپنی ضعیفی کے سبب خود تو آنے سے معذوری کا اظہار کیا، لیکن ہندوستان کے شعرا میں خسرو کے اشعار کی تعریف کی، اور اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنے کو لکھا، لیکن خسرو کو شہزادہ محمد سلطان کی سرپرستی سے جلد ہی محروم ہونا پڑا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ ۶۸۳ھ میں چنگیز خانیوں نے ہندوستان پر یورش کی، تو شہزادہ محمد سلطان نے ملتان سے نکل کر لاہور کے پاس ان کو روکا، لیکن ان سے لڑتا ہوا شہید ہوا، خسرو اس کے ساتھ تھے، شہزادے کی شہادت کے بعد چنگیز خانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، اس گرفتاری کا حال انھوں نے اپنے قصیدہ حکم الحکم میں بہت ہی پردرد طریقہ پر لکھا ہے، اس میں تقریباً دو سو اشعار ہیں، جو رضی نیشاپوری کے ایک قصیدہ کے ہم وزن اور ہم ردیف ہیں، اس کی ابتدا فقر و تصوف اور مواعظ و حکم سے کی گئی ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد اس کے سپاہی خاک و خون میں آلودہ ہوگئے، مغلوں نے ان کے سر کاٹ کاٹ کر فتراک میں لٹکا دیے، خود خسرو قید کر لیے گئے، ایک بدشکل چوڑے منہ، گندہ دہن اور کچی داڑھی مونچھ والے مغل کے حوالے کر دیے گئے، جو خود تو گھوڑے پر سوار رہا، اور خسرو کو پیاسا اور برہنہ جسم رکھ کر بے دردی سے پاپیادہ گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے چلا، ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے،

---

[1] دیکھو دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو از ڈاکٹر وحید مرزا، لکھنؤ یونیورسٹی،

ضعف سے لاغر ہو گئے، ان کی آنکھوں سے برابر اشک جاری تھے، خود فرماتے ہیں،

اسیر گشتم و از بیم آن کہ خون ریزد ۔۔۔ نمی نماند ز خون در تن نحیف و نزار

چو آب بے سر و پا می دویدم و چو حباب ۔۔۔ ہزار آبلہ در پا ز رفتنِ بسیار

ز پا بپہائے من از آبلہ جدا شدہ پوست ۔۔۔ چنان کہ باز شود در زہائے پا افزار

ز رنج سخت شدہ جان چو قبضۂ شمشیر ۔۔۔ ز ضعف چوب شدہ تن چو دستہ جقار

دمے نماند بنایم ز بودہ رہ تشنہ ۔۔۔ دمے شدہ شکم من ز ماندۂ ناہار

برہنہ ماندہ تن چون درخت گاہ خزان ۔۔۔ ہزار بارہ چو گل از خراش خار آزار

بگریہ مردمک دیدہ قطرہا می ریخت ۔۔۔ چنان کہ نگسلد از گردن عروسی ہار

فرد جہ کہ مرا پیش کردہ رہ می رفت ۔۔۔ نشستہ بر فرسے چون پلنگ در کہسار

کشادہ از دہنش نکہتے چو بوئے بغل ۔۔۔ فتادہ بر زنخش سبلتے چو موئے زہار

ز ماندگی قدمے گر بماند می بستوہ ۔۔۔ گہے طغانہ کشیدے خشم گہ تکمار

اسی سفر میں معلون نے ان کے سر پر توبرہ چڑھا دیا تھا، ایک دوسرے موقع پر کہتے ہیں

من کہ بر سر نمی نہادم گل ۔۔۔ توبرہ بر سر نہاد و گفتا جل

اسیری سے رہا ہوئے تو خوش نہ تھے، مقتول اور بچھڑے ہوئے دوستوں کی یاد میں بیچین رہے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے اپنے مربی شہزادہ محمد سلطان (خان شہید) کی شہادت پر بڑے دل گداز اور المناک مرثیے لکھے، جو ایک عرصہ تک گھر گھر پڑھے جاتے تھے، ان کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں،

اسیری سے رہائی کے بعد خسرو دہلی آئے، ماں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے، ماں بھی بیٹے کے فراق میں نیم جان ہو رہی تھیں، اس لیے ان کی مسرتوں کی بھی کوئی انتہا نہ تھی، خسرو دہلی کو

قبۃ الاسلام سمجھتے تھے، اور ماں کے قدم کے نیچے بہشت دیکھی[1] اس لیے شہزادوں اور امراء کے دربار سے الگ رہ کر قبۃ الاسلام کی بہشت ہی میں کچھ دنوں رہنا پسند کیا، پھر دہلی سے مومن پور عرف پٹیالی آ گئے، جہاں گنگا کے کنارے مقیم رہے۔

ترتیب دیوان وسط الحیوٰۃ اسی زمانہ میں انھوں نے اپنا دوسرا دیوان وسط الحیوٰۃ مرتب کیا، جس میں تقریباً ۵ قصائد، ۲ ترجیعات، ۴۲ قطعات، دو مثنویان، ۱۵۷ رباعیات اور ۳۰۰ غزلیں ہیں[2]، ان ہی کے بیان کے مطابق دیوان میں کل اشعار کی تعداد آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہے[3]، اس دیوان کی ترتیب کے وقت ان کی عمر ۴۳ سال کی تھی، علی گڈھ میں یہ زیور طباعت سے آراستہ تو ضرور ہوا، لیکن غالباً اس کی عام اشاعت نہ ہو سکی، اسی لیے صرف محدود حلقہ میں یہ پہنچ سکا، اس کے شروع میں جناب فضل احمد حافظ صاحب کا ۱۵۶ صفحے کا بڑا ہی پر مغز اور فاضلانہ مقدمہ ہے، جس سے

---

[1] غرۃ الکمال میں لکھتے ہیں "چون خدائے رشتۂ عمرم دراز دادہ بود، خلاص یافتم و آن شہر دہلی الاقدام و تماشای قبۃ الاسلام آمدم و زیر قدم مادر بہشتی شدم"۔ [2] دیکھو مقدمۂ وسط الحیوٰۃ نوشتۂ فضل احمد حافظ ص ۳۳۔
[3] یہ تعداد حسب ذیل اشعار میں بتائی ہے،

واسطہ ست از پے حیات ابد	این کتاب از چنین خجستہ خطاب
در شمردن ز بیتہا ے ترش	ہشت ابر آمدست و یک آب
غیم یعنی کہ ہشت بار بخوان	ما بیک بارہ دیدہ ایم صواب
چار صد چل یکے ست و ہشت ہزار	ہمہ بیت اند جمل کشادہ نقاب
این شمارست وضع بندہ کنیت	ہیچ کس را درو محل جواب

غیم کے اعداد ۱۰۵۰ کو آٹھ گنا کیا جائے تو ۸۴۰۰ = ۸ × ۱۰۵۰ ہوئے، ابر میں ما کے اعداد ۴۱ اور ملا لیے جائیں تو کل آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہوئے، اس صنعت سے اشعار لکھنے پر خسرو فخر کرتے ہیں۔

راقم نے کافی استفادہ کیا ہے،

خسرو وسط الحیٰوۃ کے دیباچہ مین خود تحریر کہتے ہین کہ ان کا یہ دیوان بحیثیت زمانی ہر دیوان سے بہتر ہے، کیونکہ یہ عالم شباب مین مرتب ہوا، جب کہ اس مین بچپن کا تکلف، تصنع اور آورد ختم ہو کر باریک بینی، موشگافی، روانی، پختگی، جودت اور متانت آگئی تھی، اور وفور جذبات کا ظہور بدرجۂ کمال تک پہنچ گیا تھا، وہ اپنے زمانہ کہولت کے کلام کو بھی عہد شباب کے کلام پر ترجیح دینا پسند نہیں کرتے، ان کا خیال تھا کہ

در جوانی سخن جوان باشد　　　سخن پیر ناتوان باشد

گو ان کا کلام ان کی پیری میں بھی جوان رہا،

یہ دیوان مذہبی، روحانی، علمی، ادبی اور تاریخی حقایق کا ایک عجیب وغریب مجموعہ ہے، حمد مین ربوبیت، احکم الحاکمین کی غیر متناہی وسعت، اس کی شان رزاقی اور کمال رحمت کا ذکر ہے، ایک حمدیہ قصیدہ کی خاص بات یہ ہے کہ ہر دعوی کو آیت قرآنی سے ثابت کیا ہے، یہ صنعت ان کی خاص ایجاد ہے، مختلف نعتیہ قصائد مین مواعظ وحکم کے علاوہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو طبیب روحانی، معلم اول، اور محرم راز ثابت کر کے تمام کائنات کو ان کے خوان ہستی پر ریزہ دار عدم بتایا ہے، پھر اپنے محبوب مرشد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی منقبت مین بے ثباتی عالم، زہد وطاعت، نفس کشی پر معارف وحقایق بیان کر کے مرشد کی نظر کیمیا اثر، ان کی شب بیداری اور روشن ضمیری وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اسی دیوان مین خاقانی کے طرز پر عالم العلم کے نام سے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس مین اپنی قوت تخیل سے پورا کام لے کر خاص خاص علوم وفنون مثلاً کیمیا، سیمیا، طبیعیات، نحو، منطق، فلسفہ، کلام اور نجوم کے رموز بتائے ہین،

وسط الحیٰوۃ کے قصائد مین دو صنعتون کا ذکر خود خسرو اپنے دیباچہ مین خاص طور پر کرتے ہیں،

ایک تو یہ کہ اس مین زیادہ تر کلام ذو معنین ہے، اس کی مثالین بکثرت ہین، دوسرے یہ کہ ممدوح کی مدح مین ایک بیت مین اسکا لقب اور دوسری مین اس کا نام لائے ہین، تاکہ ممدوح کے نام کو بھی بقا حاصل ہو، اس کی کئی مثالین خود ہی دی ہین، مثلاً

اگر ز لطف برین بندہ مہربان نبود — ہنوز تا چہ کند کہ غمزہ ہائے نیزہ ورت

کہ خبر بدولت از محمدت نشان نبود — ستودہ نصرت دنیا محمد سلطان

اس صنعت کا نام انھون نے خود تخلص حامل موقوف رکھا ہے، یہ صنعت آگے چل کر بہت عام ہو گئی، تاریخی حیثیت سے نہ صرف وہ قصائد اہم ہین جو خسرو نے اپنے مربیون مثلاً شہزادہ محمد سلطان بلبن، کیقباد، بغرا خان، اختیار الدین کشلی خان، شمس الدین دبیر، تاج الدین الپ وغیرہ کی مدح مین لکھے ہین، بلکہ ان کی ترجیعات بھی زیادہ تر تاریخی واقعات پر مشتمل ہین، پہلی ترجیع مین جو پانچ بندون کی ہے، شہزادہ محمد کی ستایش ہے کہ اس نے مغلون کے فتنہ کو کس طرح دبایا، دوسری ترجیع کا نام عین المعانی ہے، اس مین مغلون کو حدود ملتان سے بخارا کی طرف بھگانے کا بیان ہے تیسری ترجیع نشاط عید، اور مغلون کی مزید شکست پر ہے، چوتھی ترجیع مین معز الدین کیقباد کی مدح اور "تہنیت تاج پوشی" ہے، پانچوین ترجیع "نورو النور" اور چھٹی ترجیع حدیقۃ الحدقات اختیار الدین کشلی خان کی تعریف و تحسین مین ہے، ساتوین ترجیع "نعت الغزا فی بعث الغزا" شہزادہ محمد کی شہادت اور مغلون کے مظالم پر ہے، آٹھوین ترجیع مین شہزادہ محمد کا مرثیہ ہے، جو ہر زمانہ مین بہت ہی مقبول رہا، ان ترجیعات کے علاوہ مثنویون سے بھی اس عہد کے مستند تاریخی واقعات معلوم ہوتے ہین، ایک رزمیہ مثنوی مین سلطان بلبن نے طغرل کے خلاف لکھنوتی مین جو لشکر کشی کی تھی، اس کی پوری تفصیل لکھی ہے، اسی مثنوی مین شہزادہ محمد کی فتح دمریلہ و نگر کوٹ وغیرہ کا بھی ذکر ہے، ان فتوحات کے بعد ۶۸۲ھ مین شہزادہ نے مغلوں سے معرکہ آرائی کی،

جس میں ان کا سردار تخلک اور اس کے بڑے بڑے ساتھی مارے گئے، اس میں ان جانبازوں کے نام بھی ہیں جنھوں نے بڑی پامردی اور دلیری سے جنگ کر کے مغلوں کو شکست دی، پھر مغلوں کے حلیہ و شباہت کا بھی بیان ہے، جس کے ذکر میں خسرو کے قلم میں غیر معمولی روانی پیدا ہو جایا کرتی تھی، خسرو کی دوسری مثنوی میں بھی شہزادہ محمد سلطان اور مغلوں کی ایک اور جنگ کی تصویر کھینچی گئی ہے، پھر متعدد قصائد، ترجیعات، قطعات میں بھی مغلوں کی پسپائی اور ہزیمت کا ذکر ہے، بقول جناب فضل احمد حافظ صاحب (مرتب وسط الحیوٰۃ) مغلوں کی شکست کے موقع پر امیر کا قلم رقاصہ کی طرح طرب انگیز ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ان کو شہزادہ محمد سے بڑی شیفتگی تھی، کیونکہ وہ نہ صرف علم دوست اور علم نواز تھا، بلکہ اپنی نبرد آزمائی، لشکر شکنی، شمشیر زنی اور قادر اندازی میں اپنی مثال آپ تھا، اس نے جس دلیری اور پامردی سے مغلوں کی سرکوبی کی وہ ہندوستان کی تاریخ کا واقعی ایک بڑا کارنامہ ہے، خسرو اپنے ممدوح کے اس کارنامہ کا ذکر مختلف پیرایوں میں کر کے نہ صرف اپنے زور قلم اور قوت بیان کا ثبوت دیتے رہے، بلکہ اپنے محبوب مربی اور سرپرست کے جوہر کو بھی اس عہد کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے، اور آج یہی قصائد، ترجیعات اور قطعات وغیرہ تاریخی لٹریچر کی حیثیت سے بڑے ہی مفید اور اہم ہو گئے ہیں،

خسرو اور خاقانی پہلے کہا جا چکا ہے کہ خسرو کے شباب کی تیزی فکر، بلندی ہمت اور روانی طبع نے ان کے قلم کو جادو رقم بنا دیا تھا، اس لیے ان کے کلام میں جودت طبع کے ساتھ عذوبت، فصاحت اور بلاغت بھی پیدا ہونے لگی، ان کو خود فخر ہے کہ ان کے دریائے سخن کی موجوں سے لوگوں کے دامن گہر آبدار سے بھرنے لگے،

چون زدریائے سخن موج سخا می زنم　　دامن از بار گہر صد پارہ بینی خلق را

اور اسی تیزی فکر اور بلندی ہمت میں اپنے کلام کو پرانے اساتذہ کے کلام کے ہم پلہ بنانے کی کوشش کی،

تحفۃ الصغر میں تو اپنے عجز بیان کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمت آسمان پیما رکھنے کے باوجود وہ خاقانی کی تقلید میں ناکام رہے، لیکن وسط الحیٰوۃ کے دیباچہ میں ان کا خود دعویٰ ہے کہ خاقانی کی تقلید کامیابی کے ساتھ کی، لکھتے ہیں:

"...... بعد از و (یعنی خاقانی) ہیچ صاحب سخن را دین قوت و قدرت نبود کہ این صناعت را متابعت کند مگر بندہ خسرو کہ بعض اشعار خود را ہم بہ طرز استاد خاقانی نام شعر را در شارع ابیات راندہ است ......" (ص ۱۵)

وسط الحیٰوۃ میں دیسی کئی قصائد ہیں جو خاقانی کے رنگ میں کہے گئے ہیں، کچھ تو ہم گذشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں، کچھ اور مثالیں بھی ملاحظہ ہوں، خاقانی نے بحر مضارع مثمن مکفوف محذوف میں ایک نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

قحط وفاست در بنہ آخر الزمان — ہان اے حکیم پردۂ عزلت بساز ہان

خسرو نے بھی خاقانی کے اسی طرز میں ایک نعت کہی جو بحر مخبون مجبون مقصور میں ہے، اس میں تقریباً ۱۱۰ اشعار ہیں، اس کا مطلع یہ ہے،

رسید کوکبۂ آفتاب در سرطان — سحاب گشت ہمی زین ستارہ فشان

پورے قصیدہ میں خاقانی ہی کی طرح الفاظ کی ہماہمی، مضامین کی سنگینی اور تلمیحات کی فراوانی ہے، جن کو سمجھنے کے لیے ذہن وشعور کو بیدار رکھنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں:

محمد ابن ذبیحین و صاحب قوسین — کہ زیب یافت از دو کمان دو قربان

نیامدست چنان فرخ اختری بشمار — حساب احسن تقویم را بہ ہیچ قران

از وچو مژدۂ لا تقنطوا رسد با مم — ز فیض رحمت رحمٰن کرا رسد حرمان

کسے کہ سنگ روان کرد سوے گوہر او | ہر آئینہ گہرے داد شش ازین دندان

کمونات ہمہ روزۂ عدم می داشت | بدان امید کہ قدرت اشد زہستی خوان

معلم اوست باوراقِ علّم الاسماء | خلیفہ آدم و ما طفل از دبیرستان

اسی طرح خاقانی کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

عروس عافیت آنگہ قبول کرد مرا | کہ عمر بیش بہا دادمش بشیر بہا

اس زمین مین بھی خسرو نے ایک طویل غیر نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جو انھون نے اس وقت کہا تھا جب وہ اختیار الدین کشلی خان کے لشکر کیساتھ دہلی سے باہر جارہے تھے، شدید گرمی کا زمانہ تھا باد سموم چل رہی تھی، آسمان سے آگ برس رہی تھی، اور موسم کی سختی کے ساتھ اعزہ واقربا کی مفارقت کا بھی غم تھا، ان ہی کیفیات کو خسرو نے خاقانی کے مذکورۂ بالا نعتیہ قصیدہ کی زمین مین منظوم کیا ہے اور اس کا نام مروحۃ الروح رکھا ہے، جس مین تقریباً ۱۱۲ اشعار ہین، اس کی ابتدا اس طرح کی ہے

دو رویہ بست کمر آفتاب در جوزا | بہ پشت ہفت زمین آتشے فگند صبا

بباد خانہ درون رفت گرم کرد مزاج | کہ سوے باد رود ہر کہ ہست در گرما

چنان بر آتش خورشید صبح می بدمد | کہ تف آن ز زمین می رود بہ اوج سما

خود آفتاب ندیدہ ز صبح جز دم صدق | شود کہ گرم شود از دو روی جوزا

خاقانی نے بحر خفیف مجنون محذوف مین ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع یہ ہے،

الصبوح الصبوح کامد کار | النثار النثار کامد یار

اسی بحر اور وزن مین خسرو نے بھی غیاث الدین بلبن کے لیے ایک قصیدہ کہا ہے، جس کو وہ اس طرح شروع کرتے ہین،

روئے بنمود صبح سیم عذار | ساقی صبح روے بادہ بیار

جام دہ، رونما بہ صبح کہ باز | روئے بنمود صبح سیم عذار
شمع را بر سر آمد ست حیات | شربتے از قنینہ بیروں آر

خسرو جب خاقانی کی تقلید کرتے ہیں تو وہی انداز، وہی ترکیبیں اور وہی استعارے استعمال کرتے ہیں لیکن خود خسرو وسط الحیوٰۃ کی قصائد نگاری کے زمانے ہیں اس سے زیادہ تعلی بھی نہیں کرتے، جیسا کہ اوپر ایک اقتباس میں ظاہر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ انھوں نے کسی دور میں بھی اپنے کو کسی طرز خاص کا موجد نہیں بتایا ہے، البتہ اپنی سخن وری اور شہ زوری میں کہیں کہیں خاقانی سے زیادہ لطیف تر اور پر کیف اشعار کہہ گئے ہیں، مثلاً دونوں کے حسب ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

خاقانی۔ جام فرعونی اندر آکہ صبح | دست موسی بر آرد از کہسار
خسرو۔ جام دہ رونما بہ صبح کہ بار | روئے بنمود صبح سیم عذار
خاقانی۔ چرخ بر کار و یار و ما بہ صبوح | می کند لعبتان دیدہ نثار
خسرو۔ شمع را بر سر آمد ست حیات | شربتے از قنینہ بیروں آر
خاقانی۔ در سفال خم آتشے ست کہ ہست | عقل حراق او و روح شرار
خسرو۔ آتش شرق از دمیدن صبح | می زند شعلہ بے دخان و شرار

خاقانی کے اشعار کے "جام فرعونی" اور "دست موسی" کے مقابلہ میں خسرو کا "صبح سیم عذار" زیادہ لطیف تر معلوم ہوتا ہے، اسی طرح خاقانی نے ستارے کے لیے "لعبتان دیدہ" کا استعارہ استعمال کیا ہے، اور عقل کو "حراق" اور روح کو "شرار شراب" کہا ہے، لیکن خسرو کے استعارے زیادہ موزوں اور برجستہ ہیں، وہ کہنا چاہتے ہیں کہ رات ختم ہونے کو ہے تو کہتے ہیں،

شمع را بر سر آمد ست حیات

خسرو نے شراب کو "آتش شرق" اور اس کے جوش کو "شعلۂ بے دخان و شرار" کہہ کر اپنے

شعر کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور قریب الفہم بنایا ہے،[1]

خسرو نے اسی قصیدہ مین مقامی رنگ پیدا کرکے اس کو اپنے ناظرین کے لیے اور بھی زیادہ پرکیف بنا دیا ہے، مثلاً کہتے ہین:

خاک عودی بہ صندلی زمین | صندلے سودہ شد ز باد بہار
می رود باد صبح و ہمی آید | زو مرا بوئے لالہ و گلنار
آب را لب پر از نبات شدہ است | از شکر خندۂ گل و گلنار
باز پیغام گل بہ بلبل گفت | چشم نرگس بہ نوک غمزۂ خار
کوژ گشتہ بنفشہ می جوید | درکہ باران بہ خاک کرد نثار
از ہوا آب می خورد غنچہ | دست در پیش داشتہ چو چنار

خسرو اور کمال اسماعیل

خسرو نے خلاق المعانی کمال اسمٰعیل اصفہانی کے رنگ مین بھی قصائد لکھکر اپنے زور طبع کا ثبوت دیا ہے، مثلاً کمال اسمٰعیل کے قصیدہ کا ایک مطلع ہے،

بگویم و نہ کند رخنہ در مسلمانی | تو ئی کہ نیست ترا در ہمہ جہان ثانی

اسی زمین اور قافیہ مین خسرو کا مطلع ہے،

چو زلف غالیہ گون بر عذار بتشانی | نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی

اسی قصیدہ مین خسرو کے بعض اشعار کمال کے اشعار سے زیادہ بہتر ہو گئے ہین، کمال کے اس قصیدہ کا تیسرا شعر یہ ہے،

زتاب چشم تو پیکانہائے لعل شود | بہ چشم خصم تو در لعل ہائے پیکانی

اس شعر مین پیکانہائے لعل اور لعل ہائے پیکان کے الٹ پھیر نے لذت ضرور پیدا کر دی ہے

[1] اسی طرح کی اور مثالون کے لیے دیکھو مقدمہ وسط الحیوٰۃ ص ۶۸-۷۲ مرتبہ فضل احمد خانصاحب علی گڈھ ایڈیشن،

لیکن خسرو کے قصیدہ کا تیسرا شعر اس شعر سے بلاشبہہ بلند ہے، وہ کہتے ہیں،

خراب کرد جہان چشم کافرت افسوس | کہ نیست ہیچ کسے را غم مسلمانی

کمال کی تاب چشم کو خسرو نے دوسرے رنگ مین پیش کیا ہے، چشم کافر کی غارتگری سے دنیا مین جو ویرانی پیدا ہوئی تو پھر فکر مذہب یعنی غم مسلمانی باقی نہ رہا، اس پر اظہار افسوس جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے خسرو کے شعر مین ندرت پیدا ہو گئی ہے،

دونون اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف کرتے ہین،

کمال۔ چو ابر جود تو باران جود بار اند | ہوا ز ابر بپوشد لباس بارانی

خسرو۔ حدیث بخشش او باد اگر بر ابر برد | ہزار بار کند ابر تیرہ بارانی

خسرو نے "ہزار بار" کہہ کر اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف مین جو نکتہ پیدا کر دیا ہے وہ کمال کے شعر مین نہین پایا جاتا،

اسی طرح ایک دوسرے ہم قافیہ اور ہم ردیف قصیدہ مین کمال کا قصیدہ ہے،

زہے سنبل تر کردہ لالہ را پردہ | بر آسمان زدہ عکس رخت سراپردہ

کمال کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ممدوح کے عکس رخ نے آسمان پر حسن کا ایک خیمہ بنا دیا ہے، اس لیے خط کو سنبل تر اور رخ کو لالہ قرار دیا ہے، اب خسرو کا مطلع ملاحظہ ہو،

بکش بگرد رخ از خط دلربا پردہ | کہ کس ز شب نہ کند آفتاب را پردہ

خسرو نے خط دلربا کو شب اور چہرۂ تابان کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے، اور تعجب کے لہجہ نے اس مین خاص ندرت اور بلاغت پیدا کر دی ہے،

اسی قصیدہ مین کمال کا ایک شعر ہے کہ

بیکے ز چہرہ بر انداز پردہ تا خورشید | فرو گذارد بر چہرہ از حیا پردہ

یعنی آفتاب رخ یار کے بے نقاب ہونے سے شرمندہ ہو کر پردہ نشین ہو جاتا ہے، اس کے مقابلہ مین خسرو کے شعر کے اسلوب کی لطافت اور برجستگی ملاحظہ ہو،

زبیم آنکہ رسد چشم آفتاب بتو　　　　به بندد ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ

یعنی ایسا نہ ہو کہ آفتاب کی نظرِ بد رخِ ممدوح پر پڑ جائے، اس لیے ابر ہر وقت ہوا مین بادلون کا پردہ کیے ہوئے ہے،

وسط الحیوٰۃ کے فاضل مقدمہ نگار فضل احمد حافظ نے اپنے مقدمہ مین بہت سی مثالین دے کر کمال پر خسرو کی فوقیت ثابت کی ہے،[۱] ممکن ہو کہ فضل احمد حافظ صاحب کی رائے سے بعض ارباب نظر کو اتفاق نہ ہو، لیکن اس مین شک نہین کہ خسرو نے باکمال قصیدہ نگارون کی تقلید مین قصائد کہہ کر نہ صرف اپنی غیر معمولی قدرت کلام جزالت بیان، پرواز فکر اور رفعتِ تخیل کا ثبوت دیا، بلکہ وہ اس طرح آسمانِ شاعری کے نیر اعظم بننے کے لیے ہفت خوان بھی طے کرتے جا رہے تھے،

خسرو کی غزل گوئی

خسرو جس طرح باکمال قصیدہ نگارون کے تتبع مین قصائد کہہ کر اپنے شاعرانہ ذہن کو جلا دے رہے تھے، اسی طرح باکمال غزل گویون کے طرز مین غزلون پر غزلین کہہ کر اپنی سخنوری کے جوہر آبدار مین چمک دمک پیدا کرنے کی بھی کوشش کر رہے تھے،

وسط الحیوٰۃ کے مطبوعہ نسخہ کے مقدمہ مین جناب فضل احمد حافظ صاحب لکھتے ہین کہ اس مین تقریباً تین سو غزلیات ہین، اور پھر شروع مین ان غزلون پر پر مغز تبصرہ بھی کیا ہے، یہی مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر ہے، مگر اس مین ایک غزل بھی نہین، شاید طبع ہونے سے رہ گئی ہون، اس لیے ہم ان پر اپنا مختصر تبصرہ ہدیۂ ناظرین کرنے سے قاصر ہین، پھر بھی جناب فضل احمد حافظ صاحب نے اپنی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور لطافتِ ذوق سے جو تبصرہ کیا ہے اسی کی خوشہ چینی

---

[۱] دیکھو مقدمہ وسط الحیوٰۃ ص ۶۰-۵۵

کرتے ہوئے، یہان پر ہم بعض ضروری باتین درج کرتے ہین،

وسط الحیٰوۃ کی غزلین اس کے قصائد کی طرح خسرو نے اپنے عالم شباب یعنی ۲۰ سے ۳۴ سال تک کی عمر مین لکھی ہین، اس زمانہ مین شیخ سعدی کی غزل گوئی کا غلغلہ بلند تھا، خسرو زیادہ تر ان ہی کی سادگی، صفائی اور شیرینی سے متاثر ہوئے اور اپنی غزلون مین ان ہی کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا، البتہ بعض غزلون مین انکا فطری رنگ یعنی سوز و درد زیادہ نمایاں ہوگیا ہی، ان مین یہ سوز و درد فطرت کی طرف سے تو عطا ہوا ہی تھا حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی صحبت نے ان مین اور بھی زیادہ چنگاریان بھر دین، لیکن اس سوز و درد کے ساتھ مجموعی حیثیت سے شیخ سعدی ہی کے تبع رہے، وسط الحیٰوۃ مین ایسی بہت سی غزلین ملین گی جو سعدی کی تقلید مین کہی گئی ہین، یہان پر ہم دونون کی بعض غزلونکے مطلعے ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

سعدی	گر درون سوختہ باتو برآرد نفسے	چہ تفاوت کند اندر شکرستان مگسے
خسرو	من ترا دارم و جز لطف توام نیست کسے	در جہانم نبود غیر تو فریاد رسے
سعدی	فراق دوستانش باد و یاران	کہ ما را دور کرد از دوستداران
خسرو	ہمی ریزی بہ بازی خون یاران	ہمی باشد سزائے دوستداران
سعدی	بسکہ در منظر تو حیرانم	صورتت را صفت نمی دانم
خسرو:	اے وجود تو دیدۂ جانم	جسم پیدا و جان پنہانم
سعدی:	من آن نیم کہ دل از مہر دوست بردارم	و گر ز غصۂ دشمن بجاں رسد کارم
خسرو	بدیدۂ کہ ترا دیدہ ام نمی یارم	کہ آن نظر ز تو بر روئے دیگرے آرم
سعدی:	شکست عہد مودت نگار دل بندم	برید عہد وفا یار سست پیوندم
خسرو:	چو من ز دوست بداغ درونہ خرسندم	نہ دوستی بود از دل بہ مرہمے بندم

سعدی: کس نگذشت در دلم تا تو بخاطر منی — یک نفس از درون جا خیمہ برون نمی زنی

خسرو: اے زغبار خنگ تو یافتہ دیدہ روشنی — چند بشوخی وجفا قصد ہلاک من کنی

اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حافظ شیرازی کی بعض غزلیں خسرو کے رنگ کی ہیں، اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ نے خسرو کی غزلیں سامنے رکھ کر غزلیں لکھی ہیں، مثلاً

خسرو: بیا جاناں کہ جانت را بمیرم — دگر میرم بجان منت پذیرم

حافظ: بتیغم گر زند دستش نگیرم — وگر تیرم زند منت پذیرم

خسرو: نظر گفتند داری با فقیران — من مسکین نہ آخر ہم فقیرم

حافظ: نصاب حسن در حد کمال ست — زکاتم دہ کہ مسکین وفقیرم

خسرو: نمی آید بگوشت نالۂ من — کہ گوش چرخ کر گشت از نفیرم

حافظ: من آن مرغم کہ ہر شام وسحرگاہ — ز بام عرش می آید صفیرم

خسرو: رحمے کہ بر در تو غریب افتادہ ایم — وز خون دل ز دست تو چون جام بادہ ایم

حافظ: ما سر خوشان مست دل از دست دادہ ایم — ہم راز عشق وہم نفس جام بادہ ایم

خسرو: آخر چہ شد کہ چشم بہ بستی بروئے من — زینسان کہ ما بروے تو ابرو کشادہ ایم

حافظ: بر ما بسے کمان ملامت کشیدہ اند — تا کار خود ز ابروئے جانان کشادہ ایم

خسرو: عزم آن دارم کہ از دل نقد جان بیرون کنم — آرزو در پیش وخود را از میان بیرون کنم

حافظ: دوش سودائے رخت گفتم ز سر بیرون کنم — گفت کو زنجیر تا تدبیر این مجنون کنم

خسرو: حال خود باز بر آئین دگر می بینم — باز کار دل خود زیر و زبر می بینم

حافظ: این چہ شورے ست کہ در دور قمر می بینم — ہمہ آفاق پُر از فتنہ وشر می بینم

خسرو: می رسد از پے من رنج کہ من روز بروز — روزگارے دل شوریدہ بتر می بینم

حافظ: ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام   مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم

خسرو نے شانِ خسروی میں اپنے خاص رنگ میں بھی غزلیں کہی ہیں، مثلاً وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سلوک کا اعلیٰ درجہ وجود ننگ سے چھٹکارا کرکے ہی حاصل ہو سکتا ہے، تو وہ ایک اچھوتے انداز سے ایک مسلسل غزل میں کہتے ہیں،

اگر اصحاب عشرت مے پرستند   بیا ساقی کہ من ساقی پرستم
مرا گویند در مستی چہ دیدی   کہ می گوئی دل اندر بادہ بستم
تعالی اللہ ازین بہتر چہ باشد   کہ از ننگ وجود خویش رستم

معرفت کے سلسلہ میں کہنا چاہتے ہیں کہ جلوۂ الٰہی ہر جگہ نمایاں ہے، لیکن اس حقیقت کا ادراک انسانی طاقت سے باہر ہے،

سخنت بسرو گویم خبرت زباد پرسم   تو درون دیدۂ دل زکسان چرات جویم
بدل و بدیدہ و جان ہمہ جا نہفتہ ہستی   چو نہ بینم آشکارا بکدام جات جویم
تو کہ بر در تو گم شد سر و تاج بادشاہان   چہ خیال فاسد ست این کہ من گدات جویم

یہ تو صوفیانہ رنگ کی غزلیں ہیں، عاشقانہ رنگ کی ایک غزل میں کہتے ہیں،

ما دل شدگان بے قراریم   ما سوختگان خام کاریم
آتش زدگان سوز عشقیم   رسوا شدگان کوئے یاریم
بودیم خراب بادۂ دوش   امروز ہم اندران خماریم

سوز عشق کی مصوری کی ہے، اس طرح کہ آتش دل، دود آہ، اور آخر میں طوفان دیدہ کی بدولت ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، بلندی عشق اور ہستی فانی کی تصویر کھینچتے ہوئے کہتے ہیں،

ما کہ در راہ عشق قدم زدہ ایم   بر خط عافیت رقم زدہ ایم

تا بطوفان عشق غرقہ شدیم | بر سر لنہ فلک علم زدہ ایم
چونکہ اندر وجود نیست ثبات | دست در نامۂ عدم زدہ ایم
ہم چو خسرو ز نیستی اے دوست | ہستی ہر دو کون کم زدہ ایم

ہم اس کتاب مین خسرو کی یہی دو چار غزلون کے نمونے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، انشاء اللہ آیندہ جلد مین غرۃ الکمال اور بقیہ نقیہ کا مطالعہ کرتے وقت یہ دکھانے کی کوشش کرینگے کہ خسرو نے غزلون کی بحرون کی موزونی، تشبیہات و محاورات کی جدت کے ساتھ سوز و گداز، تشنگی و نیاز عشق کی ہنگامہ آرائی حسن کی دلربائی، واردات عشق کی بے خودی، دنیا کی بے وفائی اور حقایق و معارف کی نکتہ آرائی سے خمخانۂ سعدی کی شراب کو دوبارہ کھینچ کر کس طرح تیز کر دیا،

حسن سجزی | حسن سجزی خسرو کے قلبی دوست تھے، وہ اپنی شاعری کے لحاظ سے خسرو کے ہم پلہ تو نہین ہین لیکن اپنے عہد مین خسرو ہی کی طرح ممتاز اور جلیل القدر رہے،

ان کا اصل نام نجم الدین حسن تھا، بعض تذکرہ نویسون نے ان کا نام نجم الدین بن علا سجزی لکھا ہے، علاء ان کے والد بزرگوار کا نام تھا اس لیے انھون نے شاید والد کے اسم گرامی کی مناسبت ہی سے فوائد الفواد کے دیباچہ مین اپنے آپ کو حسن علاء سجزی لکھا ہے، سجزی کی نسبت سے ظاہر ہے کہ ان کے آبا و اجداد سجستان یا سیستان کے رہنے والے تھے، نسباً ہاشمی تھے، دیوان حسن سجزی دہلوی کے لایق و فاضل مرتب جناب مسعود علی محوی بی، اے (علیگ) نے اس کے دیباچہ مین حسن سجزی کے اس شعر سے

پروردۂ فضل ایزدش ارشاد غیبی مرشدش | بودہ بدایون مولدش دہلی ازین نشو و نما

ان کا مولد بدایون بتایا ہے[1] لیکن ان کی نشو و نما دہلی مین ہوئی، اس لیے ان کے نام کے ساتھ دہلوی

[1] دیباچہ دیوان حسن دہلوی ص ۱۸، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدر آباد دکن، اس پر مغز عالمانہ دیباچہ مین حسن دہلوی سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کر دیے گئے ہین،

لکھا جاتا ہے، ان کا سنہ پیدائش ۶۵۲ھ ہے، یعنی خسرو سے ایک سال چھوٹے تھے،

تحصیل علم کی تفصیل تو معلوم نہیں، لیکن ان کے دیوان اور فوائد الفواد کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی پر انکو پورا عبور حاصل تھا، فارسی کے تو ایسے شاعر ہوئے کہ سعدی ہندوستان کے لقب سے مشہور ہوئے، عربی میں قواعد النحو کے نام سے ایک کتاب لکھی جو بہت مشہور ہوئی،[1] ان کے پیر بھائی مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ سلاطین، اکابر اور دہلی کے اولیاء اللہ کے بارہ میں ان کا علم بڑا حاضر تھا،[2]

مولانا ضیاء الدین برنی کی وساطت سے خسرو اور حسن میں محبت و یگانگت پیدا ہوئی جیسا کہ وہ خود اپنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں

"واز محبت من میان ایشان ہر دو اوستاد قرابتے شد"[3]

خود برنی کے تعلقات ان دونوں ارباب کمال سے بڑے گہرے اور مشفقانہ رہے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ ان دونوں کو میرے بغیر اور مجھکو ان دونوں کے بغیر چین حاصل نہ ہوتا تھا،[4]

خسرو کی طرح حسن کی شاعری کی بھی شہرت ان کی کمسنی ہی میں ہر طرف پھیلی، یہ تو تمام تاریخوں اور تذکروں میں ہے کہ وہ خسرو کے ساتھ شہزادہ محمد سلطان کے دربار سے وابستہ ہوئے لیکن پہلے ہم فوائد الفواد کے حوالہ سے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ شہزادہ بغرا خان اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی کی مہم پر گیا تو اس سفر میں حسن اپنے عزیز مولانا شمس دبیر کے ساتھ تھے،[5] اسی مہم میں

---

[1] دیباچہ دیوان حسن دہلوی ص ۷۷ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰ [3] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰- فرشتہ (جلد دوم ص ۴۰۲) نے حسن کے حسن و جمال اور خسرو کی شیفتگی کی جو روایت لکھی ہے، اسکی ناقدانہ تردید مسعود حسن محوی نے دیوان حسن سجزی دہلوی کے دیباچہ (ص ۲۶-۲۷) اور ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو (ص ۵۰-۷۴) میں کردی ہے [4] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰ [5] فوائد الفواد ص ۱۲۸

خسرو بھی شہزادہ بغرا خان کی معیت مین لکھنوتی گئے، خیال ہوتا ہے کہ شاید حسن بھی خسرو کے ساتھ شہزادہ بغرا خان کے یہان سامانہ جاکر اس کے ندیم خاص ہوگئے ہون، اور اس کے جلو مین لکھنوتی گئے ہون لیکن خسرو کی طرح وہ بھی لکھنوتی مین نہ ٹھہرے، اور دہلی آگئے، لکھنوتی کی فتح پر شہزادہ محمد سلطان باپ کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے ملتان سے دہلی آیا، اور جب پھر اپنے اقطاع پر واپس جانے لگا تو جوہر شناس شہزادہ خسرو کے ساتھ حسن کو بھی ساتھ لیتا گیا، اور ان کو اپنا دوات دار مقرر کیا[1]، اور ان دونون جلیل القدر شعرا کی وجہ سے شہزادہ کی بزم ادب مین پانچ سال تک بڑی گرماگرمی رہی، دونون نے اپنی کمسنی کے باوجود شہزادہ کی سرپرستی مین اپنی اپنی نظم و نثر کے کمال کا اچھی طرح اظہار کیا، شہزادہ نے بھی ان دونون کو اپنے جود و سخا سے خوب سیراب کیا اور ان دونون سے زیادہ کسی اور کو اس سے تقرب حاصل نہین رہا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین:

"امیر خسرو اور امیر حسن اس کی (یعنی شہزادہ محمد سلطان کی) ملازمت مین تھے، اور پانچ سال تک ملتان مین اس کے ساتھ رہے، اور شہزادہ کے ندیم کی حیثیت سے اس سے وظیفہ اور انعام پاتے رہے، شہزادہ مین جو دانشمندی تھی، اس کی بنا پر اس نے اپنی چند مجلسون مین ان دونون شاعرون کے فضل و کمال عقل اور ہنر کا اندازہ کرلیا، اور اپنے تمام ندیمون مین سے ان کو خاص طور پر پسند کیا، اور ان دونون اساتذہ کی نظم و نثر لے اس کو خوش رکھا، اور اس نے بھی ان کو اپنے مخلصون مین شمار کیا، اور دوسرے ندیمون کے مقابلہ مین ان کے ساتھ زیادہ لطف کا اظہار کیا، اور ان کو زیادہ انعام اور زیادہ بہتر کپڑے دیے" (ص ۶۷)

لیکن پانچ سال کے بعد ان ارباب کمال کی بزم درہم برہم ہوگئی، پہلے کہا جا چکا ہے کہ

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۷۰۲

شہزادہ محمد سلطان چنگیز خانیون کے خلاف ایک معرکہ مین لڑتا ہوا شہید ہوا، مولانا شبلی شعر العجم (ج ۲ ص ۱۱۲) مین تحریر فرماتے ہین کہ امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی اس معرکہ مین شریک تھے، چنانچہ تاتاری ان کو گرفتار کرکے ولخ لے گئے[1]۔ خسرو کی طرح حسن پر بھی شہزادہ کی شہادت کا بڑا گہرا اثر پڑا، اور انھون نے اپنے غم والم اور کرب واضطراب کا اظہار ایک منثور مرثیہ مین کیا، جو خسرو کے منظوم مرثیہ کی طرح بے حد مقبول ہوا، ان دونون مراثی کو ہم پہلے نقل کرچکے ہین، شہزادہ کی شہادت کے بعد حسن دہلی آکر گوشہ نشین ہوگئے اور اپنے مربی اور سرپرست شہزادہ کی یاد مین گھلتے رہے، اور ایک مدت کے بعد شاہی دربار سے وابستہ ہوئے، جیسا کہ سلطان علاء الدین خلجی کے سلسلہ مین آیندہ جلد مین ان کا ذکر آئے گا۔

---

[1] جناب مسعود علی صاحب محوی لکھتے ہین کہ ہمیں ابتک کوئی ایسا مواد نہیں ملا جس کی بنا پر یہ کہہ سکیں کہ امیر حسن بھی قطعاً شریک معرکہ اور گرفتاری اور قید میں امیر خسرو کے ساتھ تھے، ہمارے مکرم استاد مولانا شبلی مرحوم نے حیات خسرو میں ایک فقرہ تحریر فرمایا ہے جس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ حسن کو بھی تاتاری گرفتار کرکے بلخ لے گئے تھے......
اگر مولانا مرحوم کا مقصد دونون حضرات کی گرفتاری سے ہے تو غالباً مولانائے موصوف نے کسی سند کی بنیاد پر ایسا تحریر فرمایا ہوگا، جس سے ہم ناواقف ہین،

معزالدین کیقباد

۶۸۶ھ - ۶۸۸ھ
۱۲۸۷ء ۱۲۹۰ء

غیاث الدین بلبن کی وفات کے بعد ۶۸۶ھ مین دہلی کے تخت پر اس کے لڑکے نصیر الدین محمود بغرا خان کے بجائے اس کا پوتا یعنی بغرا خان کا لڑکا کیقباد بیٹھا، بغرا خان لکھنوتی مین خود مختار، آزاد حکمران بنا رہا، تخت نشینی کے وقت کیقباد کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی، اس نے اپنا لقب معزالدین اختیار کیا، شاہانہ حسن وجمال کے علاوہ شروع مین پاکیزہ عادت واخلاق کا بھی حامل تھا، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے،

"سلطان معزالدین بادشاہزادہ صاحب مکارم اخلاق بود وطبع نظم وخلقے پاکیزہ وجمالے وافر داشت" (ص ۱۲۷)

جب تک بلبن کے زیر سایہ رہا اس کو لہو ولعب سے باز رکھا گیا، حسین عورت اور شیشہ وپیمانہ پر اس کی نظر پڑنے نہ دی گئی، اس کے اتالیق اس کو شایستہ اور مہذب بنانے مین برابر مشغول رہے، اسکے اٹھنے بیٹھنے رہنے سہنے اور بولتے چالنے مین پوری آداب شاہی کا خیال رکھا گیا، شہزادہ کے لیے جو ضروری تعلیم ہونی چاہیے وہ سب اس کو دی گئی، فوجی تعلیم مین اس نے تیر مارنا، چوگان کھیلنا اور نیزہ چلانا خاص طور پر سیکھا، اس حربی تعلیم کے علاوہ اساتذہ اس کو علم وادب پڑھانے اور خطاطی سکھانے کے لیے برابر مامور رہے، اس کو شعر وشاعری کا ذوق فطری طور پر ودیعت ہوا تھا[۱]، لیکن مکتب سے

[۱] برنی ص ۱۲۷، فرشتہ ج ۱ ص ۸۴،

اٹھا کر یکا یک اس کو ایک عظیم الشان سلطنت کے تخت پر لا کر بٹھا دیا گیا، تو اس کا رنگ بالکل ہی بدل گیا، وہ شیشہ و ساغر، شاہد و ساقی اور طرب و نشاط میں ایسا مبتلا ہوا کہ بلبنی دربار کا سارا رعب و دبدبہ، اور جلال و وقار جاتا رہا، اس کمسنی میں وہ حکمرانی کیا کرسکتا تھا اس کی رنگینیوں اور سرمستیوں کا سارا سامان فراہم کر کے ملک نظام الدین باربک سلطنت کا گویا مختار کل بن بیٹھا، بغرا خان کو بیٹے کی بے راہ روی کی خبریں موصول ہوئیں تو اس کو بڑا دکھ ہوا، پہلے تو اس کو شفقت آمیز خطوط لکھکر غفلت سے بیدار کرنا چاہا لیکن وہ بے غل و غش عیش کرنا چاہتا تھا، اس لیے باپ کے پند و نصائح کا خیال مطلق نہیں کیا،

باپ نے جب صورت حال زیادہ بگڑتے دیکھی تو بیٹے کو راہ راست پر لانے کی خاطر ایک لشکر لے کر لکھنوتی سے اودھ کی طرف چلا، اس کا مقصد لشکر کشی نہ تھا، لیکن ملک نظام الدین چوکنا ہوا، اور وہ بھی کیقباد کے جلو میں ایک بڑی فوج کے ساتھ دہلی سے اودھ کی سمت بڑھا، اس فوج کا پہلا پڑاؤ دہلی کے قریب قصبہ سیری میں ہوا، لشکر کے میمنہ یعنی داہن بازو نے تلپت میں خیمے ڈالے جو دہلی سے پانچ چھ کوس پر اس وقت ایک مشہور پرگنہ تھا، اور اب متھرا جانے والی سڑک پر محض ایک گاؤں ہے، لشکر کے میسرہ یعنی بائیں بازو کا کیمپ اندپٹ میں نصب کیا گیا، یہ نواح دہلی میں ایک قصبہ تھا، جہاں بعد میں فیروز شاہ تغلق نے اپنا شاہی محل بنایا، لشکر کا قلب جس میں زیادہ تر ہاتھی تھے، اندپٹ اور تلپت کے درمیان مقیم ہوا، کیقباد با دل ناخواستہ اپنے عشرت کدہ سے نکل کر فوج کے ساتھ چلا، اور پہلی منزل تلپت اور افغان پور کے حدود میں کی، افغان پور اس مقام سے جو بعد میں تغلق آباد کہلایا تین کوس مشرق کی طرف واقع تھا، یہاں دو روز ٹھہر کر لشکر آگے بڑھا، اور دریائے جمنا کو پار کر کے جیور پہنچا، جو ضلع بلند شہر کے مضافات کا ایک قصبہ ہے،

یہ تفصیل ہم قران السعدین سے اخذ کر کے لکھ رہے ہیں تاکہ آیندہ اس مثنوی کو سمجھنے میں ناظرین کو آسانی ہو۔

ملک نظام الدین باربک یہاں سے ہراول لشکر لے کر آگے بڑھ گیا، اور گنگا عبور کر کے دریائے سرجو کے قریب جا پہنچا، اور یہیں کٹرہ اور اودھ کے اقطاع دار اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ اس سے آکر ملے، دریا کی دوسری جانب بغرا خان کی فوج تھی، اس نے نظام الدین باربک کا لشکر دیکھا تو اس کو غصہ اور اشتعال پیدا ہوا لیکن صبر سے کام لے کر اپنے دبیر شمس الدین کو اس کے پاس اس پیام کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ لڑائی پر آمادہ ہے، تو وہ نمک حرامی کا ثبوت دینا چاہتا ہے، نظام الدین باربک نے کہلا بھیجا کہ وہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے لیکن حضور کو دور سے بھی دیکھوں گا تو از راہ تعظیم ہٹ جاؤں گا، یہ جواب سن کر بغرا خان کو کچھ اطمینان ہوا، اسی اثنا میں کیقباد بھی نظام الدین باربک کے پاس اودھ آپہونچا، اور اس کا خیمہ گھاگرہ اور سرجو ندی کے بیچ میں لگایا گیا، بغرا خان نے کیقباد کو سرجو کے کنارے سیر و تفریح کرتے دیکھا تو غایت محبت پدرانہ میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور ایک کشتی میں اپنے حاجب کو بھیجا کہ اس کی طرف سے بیٹے کو شوق ملاقات کا پیام دے، اور جب کشتی سرجو ندی کے بیچ میں پہنچی تو اس کو ہدف تیر بنا کر ڈبو دیا گیا، حاجب بمشکل تمام اپنی جان بچا کر بغرا خان کے پاس واپس آیا، کیقباد کے ہمراہی باپ بیٹے کی ملاقات پسند نہ کرتے تھے، اسی لیے یہ کشتی راستے میں غرقاب کر دی گئی، اس واقعہ سے بغرا خان کو بڑا دکھ ہوا لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، دوسرے دن پھر ایک پیامبر کو اس کے پاس بھیجا اور باپ بیٹے کے پاس کئی بار پیامبروں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر دونوں میں ملاقات طے پائی، بغرا خان نے پہلے اپنے چھوٹے لڑکے کیکاؤس کو نادر تحفے، اسلحہ اور ہاتھی دے کر کیقباد کے پاس بھیجا، جس نے اس کی خاطر و مدارات میں جشن منایا، پھر اس نے اپنے لڑکے کیومرث کو تحفے دے کر باپ کی خدمت میں روانہ کیا؛ دادا نے پوتے کی بڑی آؤ بھگت کی، اور جب پوتا واپس جانے لگا تو دادا

نے اس کو بھی بہت سے تحائف دیے، دوسرے دن بغرا خان خود اپنے بیٹے کے یہان گیا، کیقباد نے باپ کی آمد مین اپنا دربار پورے تزک و احتشام سے آراستہ کیا، اور جب دونون ایک دوسرے سے ملے تو بغل گیر ہو کر دیر تک زار و قطار روتے رہے، اور جب دونون کے آنسو رکے تو باپ نے بیٹے کو اصرار کرکے تخت پر بٹھایا، اور دربار کی رسم کے مطابق خود دست بستہ تخت کے سامنے کھڑا ہوا لیکن کیقباد تخت سے فوراً ہی اتر آیا، پھر امرا نے دونون بادشاہون پر لعل و گہر نچھاور کیے، اس کے بعد دربار ختم کر دیا گیا، اس رسمی اور درباری ملاقات کے بعد نجی ملاقاتین شروع ہوئین، جن مین دونون طرف سے تحفے بھیجے گئے، بیٹے نے باپ کی ایک دعوت بہت دھوم دھام سے کی جس مین رقص و سرود کا جشن بھی منایا گیا، اس موقع پر باپ نے ایک تاج، ایک تخت اور ایک ہاتھی بیٹے کو عطا کیا، اور بیٹے سے فرمایش کرکے بلبن کی یادگارون مین سے چتر سپید اور کلاہ سیاہ اپنے لیے لی، ایک اور رات پھر دونون مین ملاقات ہوئی جس مین باپ نے بیٹے کو اور کو بہت سی نصیحتین کین، وداعی ملاقات کے موقع پر بھی باپ نے کچھ رموز حکمرانی بتائے، اور جب رخصت ہونے کا وقت آیا تو دونون کی آنکھون سے آنسو جاری تھے، اور کیقباد کی نظرون سے ناصر الدین بغرا خان اوجھل ہو گیا تو وہ دھاڑین مار مار کر رونے لگا، بغرا خان نے لکھنوتی کی طرف رخ کیا، اور کیقباد نے دہلی کی طرف مراجعت کی، اور جب وہ دہلی پہنچا تو کئی دن تک شاہانہ جشن ہوتا رہا، اور دہلی پہنچنے کے چھ مہینے بعد اس نے خسرو کو بلا کر اس تاریخی ملاقات کو منظوم کرنے کی فرمایش کی،

پہلے کہا جا چکا ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد خسرو دہلی اور پٹیالی مین آ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے، سلطان معز الدین کیقباد جب تخت نشین ہوا تو اس موقع پر انھون نے اس کی مدح مین ایک ترجیع کہا جس مین سات بند ہین، اس کا آخری بند یہ ہے،

بادا جہان ہمیشہ بکام تو شہریار | شاہان روزگار غلام تو شہریار
محمود چون بدی شدی اندر پناہ ملک | محمود از تو باد مقام تو شہریار
ہموارہ بام فضل تو از نہ فلک یکے | بانہ فلک یکے شدہ نام تو شہریار
آن ابلق زمانہ کہ کس ندہدش نشان | بربستۂ دوال ستام تو شہریار
تا صیت دولت تو برد شرق را بہ غرب | باد صبا اسیر بکام تو شہریار
تا ہر زمان نشستہ چہ خوش با مراد و کام | ہر دم مئے مراد بکام تو شہریار
از ہفت شیشۂ فلکی دور تو مدام | وآفاق مست دور مدام تو شہریار
خسرو ز جام جود تو سیراب کے کہ ہست | امید وار جرعۂ جام تو شہریار
بادا ہمیشہ سکۂ تو چون درم درست | بر روے سکہ خطبہ بنام تو شہریار
سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاہ | یک دیدہ و دو مردمک چار بادشاہ

چار بادشاہ سے مراد یہاں پر غیاث الدین بلبن، ناصر الدین محمود (داماد بلبن) سلطان التمش (ناصر الدین محمود کا باپ) اور قطب ایبک (خسر التمش) ہے، کیقباد ان ہی کا جانشین تھا، تخت نشینی کے بعد خسرو کو اپنے دربار کی ملازمت کے لیے طلب کیا، لیکن نظام الدین باربک کا دل ان سے صاف نہ تھا، اس لیے معزی دربار سے منسلک ہونا پسند نہین کیا، اور حاتم خان خان جہان کی منادمت اختیار کر لی جس نے ان کو لطف و کرم اور مال و دولت ہر طرح سے نوازا، وہ اس کے ساتھ اودھ مین دو سال رہے، اور جب کیقباد اپنے باپ سے اودھ مین ملا ہے تو اس وقت اپنے آقا کے ساتھ خسرو بھی موجود تھے، اور جس طرح باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کر مسرور ہوئے، اسی طرح خسرو اپنے پرانے مربی اور دوست شمس دبیر اور قاضی اثیر سے مل کر بے انتہا خوش ہوئے، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، بغرا خان اور کیقباد کی

جب دوسری ملاقات ہوئی تو شعرا نے اپنے اپنے قصیدے سنائے، خسرو نے بھی اپنا قصیدہ سنایا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

زہے! ملک خوش چون دو سلطان یکے شد	زہے! عہد خوش چون دو پیمان یکے شد
دو چتر از دو سو سر بر آورد از در	زمین زان دو ابر دُر افشان یکے شد
پسر بادشاہ و پدر نیز سلطان	کنون ملک بین چون دو سلطان یکے شد
زبہر جہان داری و بادشاہی	جہان را دو شاہ جہانبان یکے شد
یکے ناصر عہد محمود سلطان	کہ فرمانش در چار ارکان یکے شد
دگر شہ معز جہان کیقباد ے	کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد
بہ دیو و پری گوے اے باد اینک	دو وارث بملک سلیمان یکے شد[1]

کیقباد باپ سے مل کر دہلی واپس جانے لگا تو حاتم خان خان جہان کو اودھ کا اقطاع عطا کیا، خسرو بھی اپنے آقا کے ساتھ اودھ ہی میں ٹھہر گئے، لیکن کیقباد کے جانے کے چھ مہینے بعد ان کو وطن خصوصاً ماں کی یاد ستانے لگی، چنانچہ وہ خان جہان سے اجازت لے کر دہلی پہنچے، اور ماں سے مل کر آنکھوں سے محبت کے دریا بہائے، ان کا دہلی پہنچنا تھا کہ دو روز کے بعد کیقباد نے ان کو اپنے حاجب کے ذریعہ دربار میں طلب کیا، اور جب اس کے حضور میں حاضر ہوئے تو ایک قصیدہ خوش الحانی سے سنایا، جس کے کچھ اشعار یہ ہیں،

منت ایزد کہ شہ بر تخت سلطانی نشست	در دماغ سلطنت باد سلیمانی نشست
شہ معز الدین و الدنیا کہ از دیوان غیب	تا مہر بر نامۂ دولت بہ عنوانی نشست

[1] وسط الحیاۃ، علی گڑھ اڈیشن ص ۱۳، مقدمہ مثنوی قران السعدین نوشتہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم میرٹھی، ص ۹۴ نیز دیکھو شعر العجم حصہ دوم ص ۱۱۰، و منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۶۰

کیقباد آن گوہر تاج کیان کز زخمِ تیغ ۔۔۔ باج از ایران بستد و بر تخت تورانی نشست

بخت را بنمود کاین پیشانی دولت کراست؟ ۔۔۔ تاج زر بنش کہ بر بالائے پیشانی نشست

قصۂ دریا نگر بر گوہر والائے خویش ۔۔۔ تا بگستاخی چرا بر تاج سلطانی نشست

بر سرش چون سائبان شد چتر می گفت آسمان ۔۔۔ سایہ را دیدی کہ با خورشید نورانی نشست

ابر صد بار آبروئے خویش را بر خاک ریخت ۔۔۔ پیش ابر دستِ تو کاندر زر افشانی نشست

بر در قصر چو فردوس تو رضوانِ بہشت ۔۔۔ شاخ طوبیٰ را عصا کرد و بدربانی نشست

دید قصر شاہ را با برج جوزا ہم کمر ۔۔۔ بندہ خسرو چو عطارد بہ ثنا خوانی نشست

چشم تو بیدار و دولت باد تا از عون بخت ۔۔۔ جملہ بیداران بخسپند و تو بتوانی نشست[1]

خسرو کا خود بیان ہے کہ بادشاہ نے جب یہ قصیدہ سنا تو خلعت اور دو تھیلے دینار مرحمت کیے،

شہ کہ ڈر چیدۂ من دیدۂ تر ۔۔۔ صرہ بخشید از ندمائے دگر

داد با حسان رہے بہ درم ۔۔۔ جاگی خاص و دو بدرہ درم[2]

اس کے بعد بادشاہ نے ان کو اپنا ندیم خاص بنا لیا، اور ان کا روزینہ بھی مقرر کر دیا، پھر اس نے ان کی سخن وری کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم میری اور میرے والد کی ملاقات کا حال اس سحر بیانی سے نقل کر دو کہ جب میں والد کو یاد کر کے پریشان ہو جاؤں تو وہ نظم پڑھ کر اپنے کو تسلّی دے لوں۔

---

[1] یہ قصیدہ غرۃ الکمال میں درج ہے جس میں تقریباً ۲۳ اشعار ہیں، اسکے شروع میں لکھا ہے کہ "این مدح کیقباد کہ از نام ہو نہاد۔ فرہنش بر جبین کیان داغ امتثال" جناب سید ماہروی اور مولانا اسمٰعیل میرٹھی دونوں کا خیال ہے کہ قصیدہ اس وقت پیش کیا گیا جب کیقباد نے خسرو کو اپنے دربار میں طلب کیا [2] قران السعدین ص ۲۲۳

گفت چنان باید م اے سحر سنج | کز پے من روے نپیچی ز رنج
جسم سخن را بہ ہنر جان دہی | شرح ملاقاتِ دو سلطان دہی
نظم کنی جملہ بہ سحر زبان | قصۂ من با پدر مہربان
تا اگرم ہجر در آرد ز پائے | آیدم از خواندن آں دل بجائے

اور ابھی خسرو نے کوئی جواب بھی نہین دیا تھا کہ بادشاہ نے خازن دولت کو اشارہ کیا کہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے جا کر اشرفیان اور خلعت شاہانہ عطا کرے ،

این سخنم گفت و بگنجور جود | از نظر لطف اشارت نمود
برد مرا خازن دولت چو باد | مہر زر و خلعتِ شاہیم داد

خسرو اپنی آیندہ خدمت کا پیشگی صلہ پا کر بے حد متاثر ہوئے ، اور گھر آ کر اس خدمت کی بجا آوری مین ہمہ تن مصروف ہو گئے ،

ان کی عمر اس وقت ۳۶ سال کی تھی ، تحفۃ الصغر اور وسط الحیٰوۃ مین اساتذہ کے رنگ مین قصیدے اور غزلین کہہ کر اپنا کمال دکھا چکے تھے ، چھوٹی چھوٹی مثنویان بھی کہی تھین ، لیکن اب تک کوئی طویل مثنوی لکھ کر اپنی جودت طبع کا اظہار نہین کیا تھا ، نظامی گنجوی کی مثنوی نگاری کو پسند تو کرتے تھے ، لیکن اس سے مرعوب تھے ، اس لیے اس فن کو ہاتھ لگانا بہت ہی مشکل کام سمجھتے تھے ، خود کہتے ہیں :

در ہوس مثنویت در دل ست | حل کنم این رہ تو کہ بس مشکل ست
در روشے کز تو نیاید مرو | گفت بدم مشنو و نیکو شنو
نظم نظامی بہ لطافت چو دُر | وز دُر او سر بسر آفاق پُر
پس چو تو کم مایۂ بسیار لاف | در شمری مہرۂ خویش از گزاف

چیست در ان کم کہ بجوئیش باز	تا چہ نہ گفت ست کہ گوئیش باز
پختہ از و شد چو معانی تمام	خام بود پختن سودائے خام
زین دو خیالی کہ ترا گرشتہ ست	جستن آن مایہ خیال گرشتہ ست
بگذر ازین خانہ کہ جائے تو نیست	وین رہ باریک بپائے تو نیست[۱]

پھر بھی کیقباد کی فرمایش پر انھون نے اپنی جدت پسند طبیعت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس فن مین بھی طبع آزمائی کی، چھ مہینے خون جگر پی پی کر تین ہزار نو سو چالیس[۲] اشعار کی ایک مثنوی لکھی، اور قران السعدین نام رکھ کر کیقباد کی خدمت مین پیش کی، یہ رمضان المبارک ۶۸۸ھ مین ختم کی گئی تھی،[۳]

اس کے خاتمہ کا پہلا حصہ بعد مین اضافہ کیا، اس وقت ان کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان تھی،[۴]

اوپر ابھی کہا گیا ہے کہ خسرو کو یہ مثنوی لکھنے مین ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ تھی لیکن جب قران السعدین ختم کی تو فخر و پندار محسوس کرنے لگے، خود لکھتے ہین:

دید چون این مثنوی بیش را	تیر قلم کرد سر خویش را
ہر یک ازین بیت کہ جنت وش ست	شد خوشی دل کہ چہ بیت خوش ست[۵]

اور ان کو اپنی مثنوی نگاری کی کامیابی پر کچھ ایسا سرور حاصل ہوا کہ شاہانہ انعام و اکرام

۱؎ قران السعدین علی گڈھ اڈیشن ص ۲۴۰ - ۲۴۱ ۲؎ ایضاً ص ۲۳۱، علی گڈھ اڈیشن مین ۴۲۵ اشعار کم ہیں،

۳؎ ایضاً ص ۲۳۱ ۴؎ مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے لکھا ہے کہ اس وقت خسروؒ کی عمر ۵۰ سال کی ہوگی (مقدمہ قران السعدین ص ۶۸)

ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہین کہ اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی، (دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسروؒ ص ۷۴)

۵؎ قران السعدین ص ۲۳۶

سے بے نیاز اور مستغنی ہو گئے، کہتے ہیں کہ

هر همه داند که چندیں گهر | کش فشاند بدو سه بدره زر
در دو بدم گنج فریدون و جم | هدیۂ یک حرف بود بلکه کم
کام از ین نامۂ عنوان کشائے | نام بلندست که ماند بجائے[1]

یہ فخر و مباہات بے جا نہیں، اس مثنوی کو لکھے ہوئے تقریباً سات سو برس گذر گئے، لیکن آج بھی یہ اپنی جدت ذہنی، واقعہ نگاری، سحر بیانی، وصف نگاری، تخیل آفرینی، تمثیل نگاری اور لفظی صنعت گری کے لحاظ سے ادب العالیہ میں شمار کیے جانے کے لائق ہے، یہ ۱۸۸۵ء میں پہلے نولکشور پریس میں چھپی، پھر اس کا ایک عمدہ اڈیشن نظام حیدر آباد دکن کی سرپرستی میں ۱۹۱۸ء میں آرٹ پیپر پر دیدہ زیب طباعت و کتابت کے ساتھ علی گڈھ سے شائع ہوا، اور گو اس کا متن ۲۵۶ صفحے ہی پر مشتمل ہے، لیکن اس پر مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے ۱۶۶ صفحے کا ایک مقدمہ لکھا، جس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں تھی، اگر جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی تھی اس کو جناب سید حسن برنی نے ۱۶ صفحے کی تمہید لکھ کر پورا کیا، مولانا اسمٰعیل نے اس مثنوی کو اتنے مختلف زاویوں سے مطالعہ کیا ہے کہ ان کے مقدمہ کو پڑھ کر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ آیندہ نسلوں میں خسرو کے کلام کو سمجھنے والا ایسا دیدہ ور اہل قلم پیدا نہ ہو سکے گا، اس مقدمہ اور جناب سید حسن برنی کی تمہید کے بعد اس عاجز راقم کے لیے قران السعدین پر لکھنے کو کچھ باقی نہیں رہ جاتا، پھر بھی ناظرین کو اگر ذیل کی سطروں میں ایک دو باتیں بھی نئی نظر آجائیں تو راقم کو اس کی محنت و کاوش کا صلہ مل جائے گا،

مثنوی کے قصہ کا خلاصہ ہم شروع میں پیش کر چکے ہیں، یعنی یہی کہ ناصر الدین بغرا خان اپنے

[1] قران السعدین ص ۲۳۹

لڑکے کیقباد کی بے راہ روی اور رندی کی خبریں سن کر اس کو راہ راست پر لانے کے لیے دارالسلطنت لکھنوتی سے ایک لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا، کیقباد سمجھا کہ باپ کی طرف سے یہ فوج کشی ہے، اس لیے وہ بھی اپنا لشکر لے کر دہلی سے چلا، باپ بیٹے کی ملاقات اودھ میں ہوئی اور پھر دونوں ایک دوسرے سے مل کر اپنے اپنے دارالسلطنت کو لوٹ گئے، خسرو کو اسی غیر دلچسپ اور خشک واقعہ کو مثنوی میں منظوم کرنا تھا، ان کے سامنے گوناگون مشکلات تھیں، طویل مثنوی لکھنے میں مہارت نہ تھی، پھر قصہ کے پلاٹ میں کوئی دلآویزی اور رومانیت نہ تھی، ایک تاریخی واقعہ کی کثافت و خشکی کو لطافت و رنگینی میں اس طرح تبدیل کرنا تھا کہ ایک سرمست اور رند مشرب بادشاہ بھی خوش ہو اور خود ان کی شاعرانہ عظمت بھی دوبالا ہو، بالآخر اپنی طباعی اور سحرکاری سے ساری مشکلوں پر قابو پا لیا، اور جب ان کا قلم اعجاز رقم چل کر رکا تو یہ عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی مثنوی نہ صرف عیش پرست اور رنگیلے بادشاہ کو پسند آئی، بلکہ ایک اہم تاریخی لٹریچر بھی بن گئی اور فن و ادب کے جلوۂ صد رنگ سے بھی اس طرح معمور ہو گئی کہ ہر دور میں ارباب نظر اس کو پڑھ پڑھ کر سر دھنتے رہے ہیں، ذیل کی سطروں میں ہم پہلے اس کی تاریخی پھر ادبی حیثیت کا ناقدانہ مطالعہ کرنے کی کوشش کریں گے،

مثنوی کی تاریخی حیثیت مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ قران السعدین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نظم اور لطائف نظم کی پابندی کے ساتھ تاریخی حیثیتیں تمام ملحوظ رکھی گئی ہیں، اس طرح کہ کوئی نثر لکھتا تو اس سے بڑھ کر ان باتوں کو نہ لکھتا (شعر العجم حصہ دوم ص ۱۵۷) اور اسی خصوصیت کی بنا پر مورخوں نے کیقباد کے عہد کے ذکر میں اس مثنوی کو ایک مستند ماخذ قرار دیا ہے، بلکہ بعض لحاظ سے یہ اس عہد کا تنہا معاصر ماخذ ہے، مولانا ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں کیقباد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے لیکن وہ اس وقت سن شعور کو نہیں پہنچے تھے، بلکہ وہ عہد ان کے بچپن کا تھا، انھوں نے ناصر الدین بغرا خان اور کیقباد کی ملاقاتوں کی تفصیل قران السعدین ہی کو سامنے رکھ کر کی ہے،

البتہ ناصر الدین بغرا کی روانگی کے بعد کیقباد کی رندی اور سرمستی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ شاید خود ان کے شاعرانہ ذوق کا نتیجہ ہے، شاید قران السعدین ہی سے متاثر ہو کر کیقباد کی بوالہوسی اور عشرت پرستی کی مصوری ایسے انشاء پردازانہ انداز مین کی ہے کہ اس پر خود ان کو ناز ہو گیا، اور اس کو اپنی انشاء پردازی کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہوئے اس کا نام قبۃ التواریخ رکھا، (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۶۵)۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی قران السعدین سے استفادہ کیا ہے اور اپنی تاریخ مین اس کا حوالہ دیا ہے[1]، فرشتہ نے تو اپنی تاریخ مین باپ بیٹے کی ملاقات کے ذکر مین جا بجا قران السعدین کے بہت سے اشعار بھی نقل کر دیے ہین[2]، موجودہ دور کے مورخون مین سر ہنری الیٹ نے اپنی مشہور و معروف تالیف ہسٹری آف انڈیا مین اور مستند تاریخون کی طرح اس مثنوی کے بھی اقتباسات نو دس صفحون مین دیے ہین[3]، پروفیسر کو ول نے ۱۸۶۰ء کے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مین اس مثنوی پر ایک مضمون لکھا تھا جس مین ان کا یہ بیان ہے کہ اس مثنوی مین تاریخی واقعات صحت کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہین، کسی اوزبان

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۶۰ [2] فرشتہ ص ۸۶ - ۸۵ [3] الیٹ جلد ۳ ص ۴۴ - ۵۲۴ [4] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۶۰ء ص ۲۸ - ۲۲۷، اس مضمون کے آخر مین پروفیسر مذکور نے اپنے کچھ غصہ کا بھی اظہار کیا ہے، ان کو شکایت ہے کہ کیقباد کے بدطینت اور مکار وزیر نظام الدین کے متعلق خسرو نے اتنا کچھ نہیں لکھا ہے جتنا کہ انکو لکھنا چاہیے تھا، اور اسکو انکی اخلاقی بزدلی پر محمول کیا ہے، خسرو کو خود نظام الدین سے بہت سی شکایتیں تھین، لیکن یہ انکی اخلاقی شرافت کی دلیل ہے کہ اس وزیر کو اپنے قلم سے مجروح نہیں کیا، پھر ایک عیش و عشرت مین ڈوبی ہوئی مثنوی مین وہ اگر اپنے تکدر، اور غصہ کا اظہار کرتے تو اسکی رنگینی اور دل آویزی مین فرق آجاتا، پروفیسر مذکور کو یہ بھی شکایت ہے کہ اس مثنوی مین بہت سی ایسی چیزون کی کمی ہے جس سے یہ واقعۃً ایک اچھی مثنوی نہین کہلائی جا سکتی ہے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ خسرو دقت پسند۔ اور تخیل پسند بننے کی کوشش مین نظری باتون سے تجاوز کر گئے ہین، یہ اعتراض کہ قران السعدین اچھی مثنوی نہین کہلائی جا سکتی ہے، بالکل قابل قبول نہیں، جیسا کہ ہمارے مباحث

(باقی ص ۳۳۵ پر)

کی تاریخی نظمون مین واقعات کی صحیح ترتیب کی ایسی مثال کم ملے گی ...... اس مین رزمیہ اور بزمیہ دونون قسم کے اشعار کا دلچسپ امتزاج ہے"۔

مورخون نے اس مثنوی کے صرف اسی حصہ کو زیادہ اہمیت دی ہے جس سے باپ بیٹے کی ملاقات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، لیکن اس سے اور بھی بہت سی اثری، تمدنی اور عمرانی باتین معلوم ہوتی ہین، مثلاً اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہر دہلی اس وقت تین حصار سے گھرا ہوا تھا، دو پرانے حصار تھے اور ایک نیا، نئے حصار سے غالباً کیلوکھری مراد تھا،[1] یہ شہر اپنی خصوصیات کی وجہ سے قبۂ اسلام کہلاتا تھا، یہان بڑے بڑے بزرگ تھے، ہر گھر اپنی زینت و آرایش کے لحاظ سے گوشۂ بہشت کا نمونہ تھا، اس کی صنعت کاریون مین بکثرت روپے لگائے تھے،[2] پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر پہاڑی پر واقع تھا، اس کے اردگرد دو دو میل تک باغ تھے، جن کی آب یاری دریائے جمنا سے ہوتی تھی، یہان سردی اور گرمی دونون زیادہ پڑتی تھی، پھول سال کے ہر موسم مین نظر آتے تھے، پھولون سے چمن چاندی اور سونے کی طرح جگمگاتا رہتا تھا، روئے زمین پر سبزون کی لہلہاہٹ سے سواد بہشت کا لطف آتا تھا، ہند و خراسان کے میوون سے بازار بھرا رہتا تھا، عام طور سے لوگ فرشتہ خصلت ہونے کے علاوہ صنعت، علم، ادب اور آہنگ و ساز سے دلچسپی رکھتے تھے، نیزہ، پیکان اور تیر کے فن کے بھی واقف کار تھے،[3]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) سے اندازہ ہوگا، پروفیسر مذکور نے شروع مین تو اس مثنوی کی بہت تعریف کی ہے، لیکن آخر مین کچھ متضاد باتین لکھ دی ہیں، شاید ان کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ ایک مشرقی شاعر کے محاسن کو اپنے ناظرین کے سامنے اچھالنے کے بجائے زائل ہی کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

[1] تمہید قران السعدین از جناب سید حسن برنی صاحب ص ۴۱ [2] قران السعدین ص ۲۹ [3] ایضاً ص ۳۱

دہلی مین اس وقت تین چیزین خاص طور پر نمایان تھین، مسجد جامع، منارہ اور حوض سلطانی، مسجد مین نو گنبد تھے، اس کے سامنے دونون کا سلسلہ مسقف نہ تھا، منارہ کے اوپر ایک قبہ تھا جس کا بالائی حصہ سونے کا تھا،[1] حوض شمسی دو پہاڑون کے درمیان واقع تھا، اس کا پانی ایسا صاف اور شفاف تھا کہ رات کے وقت بھی اس کی تہ کی ریگ دکھائی دیتی تھی، پہاڑی زمین ہونے کے باعث اس کا پانی اندر جذب نہین ہوتا تھا، اس کی موجین دامن کوہ سے ٹکراتی تھین، شہر کے تمام لوگ اسی کا پانی پیتے تھے۔ دریائے جمنا سے اس حوض تک بہت سی نہرین نکالی گئی تھیں اس کے بیچ مین ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ایک عمارت بھی تھی، حوض کے مرغ و ماہی کی وجہ سے بڑا دلکش منظر رہتا تھا، اسی لیے یہان شہر کے لوگ تفریح کے لیے آتے اور دامن کوہ مین خیمہ زن ہوتے تھے،[2]

جمنا کے کنارے کیلوکھری مین شاہی محل واقع تھا، جو آراستہ و پیراستہ ہونے کی وجہ سے بہشت معلوم ہوتا تھا، اس کا عکس دریا مین پڑتا تھا، نیچے کا حصہ اینٹون سے بنا ہوا تھا جس پر آئینہ کی طرح صاف و شفاف چونے کا گچ تھا، اوپر کے حصہ مین سنگ سفید لگا ہوا تھا، اس کے ایک طرف دریا تھا، دوسری طرف باغ تھا جس کے درختون کی شاخین محل کے اندر آ کر لٹکتی رہتی تھین،

موسم بہار مین باغون پر جو ایک عالم طاری رہتا تھا خسرو نے اس کی بھی مصوری کی ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین سرو، شمشاد، سنبل، چنار، بید، گربہ بید کے علاوہ حسب ذیل پھولون سے چمن آرائی ہوئی تھی،

سوسن، سمن، بنفشہ کبود، نرگس، لالہ، گل سرخ، ریحان، گل کوزہ، گل یالا، گل زدیعی، گل لعل، گل سفید، سپرغم، صد برگ، نسترن، یاسمین، دوانہ، کرنہ، نیلوفر، ڈھاک (پلاس) چمپا، جوہی

---

[1] قران السعدین ص ۳۳ [2] تمہید ص ۴ [3] ایضاً ص ۳۳-۳۲

کیوڑہ، سیوطی، گلاب، بیلا، مولسری وغیرہ[۱]

کیقباد نے محل میں جس طرح جشن نوروزی منایا تھا، اس سے شاہی دربار کے تمدن کا اندازہ ہوتا ہے، اس موقع پر محل میں ہر قسم کی زینت و آرایش کی گئی، اس کے کنگرے بھی سجائے گئے، محل کی نو محرابوں میں زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے، جشن گاہ میں پانچ "چتر" تھے، ایک سیاہ، دوسرا سپید، تیسرا سرخ، چوتھا سبز اور پانچواں پھولوں کا تھا، سیاہ چتر پر غیر معمولی نقش و نگار بنے تھے، اس میں جابجا موتی اس طرح لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے، جیسے سیاہ ابر میں بوندیں پڑ رہی ہوں، سفید چتر مدور تھا، اس کی چھت دروازے اور ستون سنہرے تھے، اور یہ بھی موتیوں سے جگمگا رہا تھا، سرخ چتر میں موتیوں کے علاوہ یاقوت بھی تھے، سبز چتر میں سبز اطلس لگائی گئی تھی، اس پر موتیوں سے ایک سبز سایہ دار اور بار آور درخت بنایا گیا تھا جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے سبزہ کو زمردیں بنا رہا ہے، پھولوں کا چتر چمن کی طرح کھلا ہوا تھا، دریا کے داہنے بائیں سیاہ اور سرخ شاہی پرچم لہرائے گئے تھے، دونوں طرف دو ہزار گھوڑوں کی صفیں کھڑی کی گئی تھیں، گھوڑے جڑاؤ زیور پہنے تھے، داہنی طرف گھوڑوں پر سیاہ جھولیں پڑی تھیں، بائیں طرف کے گھوڑوں کی جھولیں سرخ تھیں، ان کے پیچھے ہاتھیوں کی صف تھی، ہاتھی اس طرح کھڑے تھے کہ گویا لوہے کے قلعہ پر پاکھر پڑی ہے، پھر دریا کے بیچ میں زر و جواہر سے ایک مصنوعی چمن بھی بنایا گیا تھا، مصنوعی درختوں کی شاخ میں پھل اس طرح لٹک رہے تھے، جیسے وہ ابھی ٹپک پڑیں گے، ان میں چڑیاں ایسی دکھائی دیتی تھیں کہ گویا ابھی ابھی اڑنا چاہتی ہیں، بہت سے درخت موم کے بھی بنائے گئے تھے، پھر ایسے دل فریب گلدستے بھی تیار کیے گئے تھے کہ سبزہ

---

[۱] قران السعدین ص ۶۷، ۶۸، ۴۱، ۵۸، وغیرہ ان کے نام قران السعدین میں تو نہیں ہیں، لیکن مثنوی دول رانی خضر خان میں ہیں،

لالہ، ریحان اور بید کا ایک چمن نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ زری کے کام سے بھی دربار کو جنت بنایا گیا تھا۔
اطلس، زربفت اور یاقوت کے پردے دیواروں پر لٹکے تھے۔ اس طرح کہ دیوار کے پتھر بھی یاقوتی
رنگ کے معلوم ہو رہے تھے۔ فرش میں بھی موتی اور سونے کا کام تھا۔ غرضیکہ پورا محل سونے سے
ایسا آراستہ کر دیا گیا تھا کہ فردوس بریں کا دھوکا ہوتا تھا، اور جب جشن منانے کے لیے بادشاہ کی
آمد آمد کا غلغلہ ہوا تو چاؤش نے نعرے لگائے، حشم الحشم یعنی بادشاہ کے محافظ دستے ادھر ادھر
جنبش کرنے لگے، شحنۂ بارگاہ نے صفیں سیدھی کیں، کچھ دستے تلواریں لیے دائیں بائیں متعین ہو گئے،
بادشاہ سونے کے تخت پر آ کر بیٹھا، تو اس کا تاج جگمگانے لگا، اس کی قبا میں سونے کی بہت سی
صنعتیں دکھائی گئی تھیں، اس کے تاج، قبا اور پٹکے میں موتی اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ پٹکے
کی جھمک کمر تک اور قبا کی گلے تک اور تاج کی سر تک تھی، اس کی آمد پر دربار کی زمین اور فضا
نافۂ چینی سے معطر کر دی گئی، اور جب وہ تخت پر جلوہ افروز ہو گیا تو نذریں پیش ہونے لگیں، سب کا
حساب لکھتا جاتا اور حاجب پکار پکار کر تفصیل بیان کرتا جاتا تھا[۱]۔

کیقباد نے باپ کی ملاقات کے موقع پر ایک بڑی شاندار دعوت دی، جس کو خسرو نے
بہت لطف و لذت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس سے اس زمانہ کے شاہی دسترخوان کے کھانوں کی
تفصیل معلوم ہوتی ہے، خسرو رقم طراز ہیں کہ دسترخوان پر ایک ہزار سے زیادہ قسموں کی نعمتیں تھیں،
شربت قند کے سیکڑوں پیالے رکھے گئے تھے، منہ کا مزہ بدلنے کے لیے شربت گلاب بھی تھا، انواع
و اقسام کے حلوے بھی تھے، نان تنک، نان تنوری، کاک کے علاوہ سنبوسے بھی تھے۔ پلاؤ کی بھی کئی
قسمیں تھیں جن میں سے ایک میں خرمے اور انگور پڑے تھے، بکرے، دنبے اور ہرن کے بھنے ہوئے

[۱] خسرو نے جشن کی جو ترتیب لکھی ہے اس میں راقم نے اپنی سہولت کے مطابق تقدیم و تاخیر کر دی ہے، کسی شعر کا لفظی ترجمہ
نہیں کیا گیا ہے، بلکہ تمام اشعار کو سامنے رکھ کر ان کا خلاصہ لکھ دیا گیا ہے۔ دیکھو ص ۵۸ - ۳،

گوشت کی مختلف شکلیں تھیں، پرندوں میں بٹیر، تیتر، تیہو اور چرز وغیرہ کے بھی گوشت تھے، آخر میں پان بھی تقسیم کیے گئے، جس کی تعریف میں خسرو نے ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے[1]

باپ بیٹے میں تحفے وہدایا کا جو تبادلہ ہوا، ان میں خاص خاص چیزیں یہ تھیں، عود، قرنفل، مشک ختن، عنبر، کافور، صندل خالص، زر وجواہرات، موتی، یاقوت، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، تیغ، شمشیر، تیر، کمان، تاتاری وختائی غلام، حریر، پرنیان اور زربفت کے لباس وغیرہ، ان میں بعض ہندوستانی کپڑے اتنے باریک تھے کہ پہننے پر جسم نظر آتا تھا، اور بعض کپڑے ایسے بھی تھے جنکو لپیٹو تو انگلیوں کے ناخن میں آجائیں، اور کھولو تو بہت بڑا تھان ہو جائے،

جامۂ ہندی کہ ندانند نام	گر تنگی تن بنماید تمام
ماندہ بہ پیچیدہ بناخن نہان	بازکشائیش بپوشد جہان[2]

پوری مثنوی بقول جناب سید حسن صاحب برنی عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی اور سراپا مرقع عیش ہے، لیکن اس سے اس زمانہ کے تمدنی حالات اس قدر معلوم ہوتے ہیں کہ اس عہد کی تہذیب وثقافت کا بھی یہ مرقع ہے،

اس مثنوی کو ختم کرنے کے بعد رند مشرب کیقباد سے تکدر پیدا ہونے کے بجائے اس سے ایک خاص قسم کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ خسرو کے سحرانگیز بیان کا اثر ہو، لیکن مولانا ضیاء الدین برنی نے کیقباد کی رندی اور بوالہوسی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بھی انشا پردازی کا ایک اچھا نمونہ ہے، مگر اس سے کیقباد سے رغبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ صریحاً نفرت پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ مولانا ضیاء الدین برنی نے خود اس کے مجموعی اوصاف کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

[1] قران السعدین ص ۸۶ - ۱۸۳ [2] ایضاً ص ۱۳۲

"سلطان معزالدین بادشاہے خوب طبع، صاحب مکارم وسہل گیر و آسان گذار بود

وقہر سطوت پادشاہی انقیاد آزندہ متمردان و قوت ناکان است در طبیعت او نبود.

ود۔ بادشاہی خود ہمہ آسان وسہل گیر داکار فرمود و نخواست کہ مورچہ ازو آزردہ شود......"[۱]

قران السعدین کا ادبی جائزہ

یہ مثنوی بحر سریع مین لکھی گئی ہے، یعنی اس کی بحر وہی ہے جس مین نظامی گنجوی نے اپنی مشہور و معروف مثنوی مخزن الاسرار لکھی ہے، لیکن خسرو کی ایجاد پسند طبیعت نے اس مین اتنی مختلف قسم کی نئی باتین پیدا کر دی ہین کہ یہ اپنے رنگ کی ایک خاص مثنوی ہو گئی ہے، اور بقول جناب سید حسن برنی "یہ مثنوی فارسی لٹریچر مین اپنا جواب نہین رکھتی، اور اپنے رنگ مین بالکل انوکھی کتاب ہے۔ اس مثنوی کے لیے خسرو کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ تھا، اور ہمارے علم مین خسرو کے بعد اس کا جواب نہین لکھا گیا۔"[۲]

پوری کتاب مین غزل اور مثنوی کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ نظم کے اصناف ثلثہ کا پورا لطف حاصل ہوتا ہے، خسرو قصیدہ نگاری اور غزل گوئی مین مہارت حاصل کر چکے تھے، اس لیے مثنوی مین قصیدہ اور غزل کا پیوند لگانا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا، جہان خشکی پیدا ہونے لگتی ہے وہان موقع سے اس طرح مختلف بحرون کی غزلین آجاتی ہین کہ یہ خشکی رنگینی مین بدل جاتی ہے، مثنوی کی ابتدا قصیدہ کے رنگ کے اشعار سے ہوتی ہے،

شکر گویم کہ بتوفیق خداوند جہان | بر سرنامہ ز توحید نوشتم عنوان

نام این نامۂ والاست قران السعدین | کز بلندیش بہ سعدین سپہرست قران

پھر عنوان کی سرخی ایک شعر لکھ کر قائم کی گئی، سرخی کے تمام اشعار یکجا لکھ دیے جائین تو مستقل ایک قصیدہ بن جاتا ہے،[۳] مثنوی کا آغاز اگر قصیدہ کے اشعار سے کیا گیا ہے تو اس کا خاتمہ

---

[۱] برنی ص ۱۴۷ [۲] تمہید قران السعدین ص ۹ [۳] یہ التزام وسط الحیوۃ مین بھی رکھا گیا ہے۔

غزل پر ہوا ہے، اس تنوع سے ایک خاص قسم کی رنگا رنگی پیدا ہو گئی ہے، جناب سید حسن صاحب
برنی رقمطراز ہین کہ اس مثنوی مین غزلین موقع بموقع اس طرح لکھی گئی ہین کہ گویا خارجی واقعات کو
مجرد جذبات کا جامہ پہنایا گیا ہے، اور ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ جس داستان کے بعد آتی ہین داخلی
حیثیت سے پچھلے واقعات کا اعادہ کرتی اور اگلی داستان کی طرف اشارہ کرتی ہین،[1] پروفیسر کوول
نے لکھا ہے کہ اس مثنوی مین ان غزلون کی وہی حیثیت ہے جو ٹے نی سن کی نظم "پرنسس" میں اس کے
گیتون اور یونانی ڈرامون مین "کورس" کی ہے،[2] مثنوی مین قصیدہ اور غزل کے پیوند لگانے کے
سلسلہ مین مولانا اسمٰعیل فرماتے ہین کہ ہمارے نزدیک یہ جدت طرازی نہایت پرلطف و بامزہ ہے،
مگر اس کی تقلید یک فنے شاعر کا کام نہین، جو شاعر مثنوی، قصیدہ اور غزل ان سہ اصناف مین
ید طولیٰ رکھتا ہو وہی خسرو کی تقلید کر سکتا ہے، علاوہ برین حضرت خسرو کو اس مثنوی کا ممدوح
بھی خوش قسمتی سے ایسا ہاتھ لگا ہے کہ ساقی و مغنی و شاہد و بادہ و ساغر کا ذکر محتاج تکلف نہیں،
بلکہ اس کی بزم کا ایک معمولی ہنگامہ ہے، انوری کی طرح خسرو کو یہ شکایت ہرگز نہ تھی کہ

نیست معشوقے سزاوار غزل[3]

مثنوی مین قصہ کے علاوہ بظاہر بہت سی غیر متعلق باتین نظر آتی ہین، اور یہ غیر متعلق چیزین وہی
ہین جو خسرو نے وصف نگاری کے سلسلہ مین لکھی ہین، اور اس طرح ان کو ۱۵ چیزون کا وصف بیان
کرنا پڑا ہے، جس سے قصہ کا تسلسل قائم نہین رہتا ہے، اور اسی کے ساتھ ان اوصاف کا بیان اصل قصہ
سے زیادہ بڑھ گیا ہے، اس نقص کا احساس خسرو کو خود ہی تھا، لیکن وہ کہتے ہین کہ قصہ میں کوئی

---

[1] تمہید مثنوی قران السعدین ص ۲۸ - ۳۰
[2] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، نمبر ۳ سنہ ۱۸۶۰ء ص ۲۲۸
[3] مقدمہ مثنوی قران السعدین ص ۸۰

جان نہ تھی[1]، اسی لیے ایک پھیکے اور بدمزہ قصے کی بے مائگی کو دور کرنے کے لیے انھون نے مختلف اشیا کا وصف بیان کرنا شروع کیا، لیکن اپنی سحر کاری اور اسلوب بیان کی تازگی سے کچھ ایسا کام لیا کہ یہ نقص ان کی مثنوی کا وصف بن گیا، اور یہ وصف نگاری اتنے متنوع اور گوناگون مضامین پر مشتمل ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے ذوق اور جذبات کی تسکین کے لیے اس مین پورا سامان مل جاتا ہے، کہین تاریخی عمارتون کا ذکر ہے تو کہین فصل خزان مین نرگس ولالہ کی بے نوری اور زاغ وزغن کی ہنگامہ خیزی کا بیان ہے، کہیں موسم بہار مین شاخ گل کی شمیم انگیزی اور عندلیب وقمری کی نغمہ سرائی کی مصوری ہے تو کہین نوروز کی نشاط انگیزی اور اس کے جشن کے کیف و ابنساط کی نقاشی ہے، کہین تیغ و دورباش اور تیروکمان کی قلمی تصویرین کھینچی گئی ہین توکہین ہاتھی، گھوڑے، کشتی خربزے، قلم، دوات، کاغذ پر مسلسل نظمین لکھی گئی ہین، کہین بادہ وساغر کی گردش اور جام ومینا کے ذریعہ مدہوشی وسرمستی، چنگ ورباب، دف ونے اور مطرب ومغنیہ کے طرب ونشاط کی نقش آرائی ہے، توکہیں چتر مرصع، تاج مکلل، اور تخت زرین کی وصف نگاری ہے، کہیں انواع واقسام کے لذیذ کھانون کی تفصیل ہے، توکہیں مختلف برجون کی بھی سیر کرائی گئی ہے، قران السعدین کی یہی بوقلمونی اور رنگارنگی اس کو فارسی زبان مین ایک امتیازی درجہ بخشتی ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض بعض چیزون مثلاً کاغذ، قلم، دوات اور خربزہ کا جو وصف بیان

---

[1] خسرو گویا معذرت کرتے ہین (۲۵۴)

چون سخن از لطف نشانے نہ داشت	کالبدش صورت جانے نہ داشت
وصف برآن گونہ فرو راندہ ام	کز غرض قصہ فرو ماندہ ام
خال تکلف زدمش بر جمال	نغز نماید مگر اندر خیال
عیب چنان نیست کہ بہ نہفتہ ام	کانچہ بگوینہ ہمہ گفتہ ام

(۱ . بزم
۲۸

کیا گیا ہے۔ اس سے موجودہ ذوق کو تسکین نہین ہوتی ہے، بلکہ بقول مولانا شبلیؒ اس مین تکلف اور مضمون آفرینی کا رنگ چڑھ گیا ہے، مگر مجموعی حیثیت سے تمام ارباب کمال نے خسرو کی وصف نگاری کی داد دی ہے، مولانا شبلیؒ فرماتے ہین کہ ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ خاص خاص چیزون پر نظمین نہین لکھی گئیں، مثلاً قلم، کاغذ، کشتی، دریا، شمع، صراحی، جام، خاص خاص میوون اور پھولون وغیرہ وغیرہ، پر ایسی مسلسل اور لمبی نظمین نہیں ملتین، جن سے ان کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، امیر خسرو نے ایشیائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہے، انھون نے قران السعدین مین اکثر اسی قسم کی نظمین لکھی ہین اور اس کتاب سے ان کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ قائم کرنا تھا۔[۱]

مولانا اسمٰعیل میرٹھی رقم طراز ہین کہ خسرو نے اس مثنوی کو وصف نگاری کے ذریعہ سے نگارستان بنا دیا کہ شاہ و گدا سب کے لیے موجب انبساط خاطر ہو۔[۲] ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہین کہ خسرو نے ایک مشکل کام مین ہاتھ لگایا، اور یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ انھون نے اس کام کو حسن و خوبی سے انجام دیا، ممکن ہے کہ اس مثنوی مین یہان وہان کچھ چیزین بے جوڑ معلوم ہون، کچھ چیزین ایسی بھی نظر آئین جن پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہو، یا غیر ضروری طور پر ان کو نمایان کیا گیا ہو لیکن مجموعی حیثیت سے پوری مثنوی مین ہم آہنگی اور ہمواری ہے جس کو ایک بہت ہی مشاق آرٹسٹ ہی نباہ سکتا تھا۔[۳]

اس مثنوی مین نادر تشبیہات و استعارات کی مثالین اتنی کثرت سے ملتی ہین کہ ان کو سمیٹنا آسان نہین، پھر بھی ہم بیان پر ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے دو چار مثالین پیش کرتے ہین، آفتاب کی صفت بیان کرتے ہوئے اس کو کبھی تو گازر آلودگی آب و خاک (پانی اور مٹی کی

[۱] شعر العجم جلد دوم ص ۱۵۱ [۲] مقدمہ قران السعدین ص ۸۲ [۳] لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو ص ۱۷۵

کثافت کا دھونے والا) کبھی چشمہ آتش کبھی طفل کہن سال، کبھی آہوئے پوئیدہ، کبھی شاہ جہانگیر اور کبھی بیلک گردون گزار (آسمان مین پیوست ہوجانے والا پیکان) کہتے ہین، اور اس کی شعاعون کو کبھی "لعاب روان"، کبھی قرطۂ زرد (زرد لباس) کبھی جبۂ مسکین اور کبھی شمشیر تیز اور کبھی خنجر سے تعبیر کرتے ہین، ایسے اشعار ملاحظہ ہون:

روے زمین کردہ بیک چشمۂ پاک   گازر آلودگیِ آب و خاک

چشمۂ آتش نشنیدہ است کس   چشمہ بر آن آب ندیدہ است کس

حسب ذیل شعر مین یہ کہنا چاہتے ہین کہ آفتاب جاذب رطوبت بھی ہے تو یہ پیرایۂ بیان اختیار کرتے ہیں،

چشمہ کہ داد آب فراوان شود   آب خورد چشمہ عجب آن بود

اس شعر مین آفتاب کو "طفل کہن سال" اور اس کی شعاع کو لعاب روان کہکر آسمان کو اس کی دایہ کہتے ہین

طفل کہن سال و لعابش روان   دایۂ او چرخ دے مہربان

اس مطلب کو کہ موسم سرما مین غریب آفتاب کی روشنی مین پناہ لیتے ہین، اس اچھوتے طریقہ پر ادا کرتے ہیں:

قرطۂ زردش کہ ز خزہ و بافتہ   جبۂ مسکین ہمہ زو یافتہ

اسی طرح یہ کہنا چاہتے ہین کہ آفتاب کی روشنی ہر جگہ پہنچتی ہے، تو کہتے ہین کہ آفتاب کا کاخ شیر یعنی برج اسد سے نکل کر ہرن کی طرح ہر طرف چوکڑی بھرتا رہتا ہے،

آہوئے پوئیدہ صبا لاذنیہ   خانۂ خود ساختہ در کاخ شیر

اسی قسم کے اور اشعار یہ ہیں:

شاہ جہانگیر بہ شمشیر تیز | چتر سیاہ شب ازو در گریز
لشکر انجم ہمہ چرخ کبود | او بکشد خنجر و گوئی نبود
شمع و چراغے کہ بود شب فروز | کشتہ شود گر برون آید بروز
الغرض آن بیلک گردون گزار | رفت چو بر چرخ یک آماج وار

ہاتھی کی صفت بیان کرتے ہوئے ہاتھی کو کوہ بے ستون کہتے ہین، کوہ بے ستون اس پہاڑ کا نام ہے جس سے فرہاد نے جوے شیر نکالنے کی کوشش کی تھی، ہاتھی کی سونڈ کو اژدرسے تشبیہہ دیتے ہین، اور ایسے اژدرسے جو پہاڑ کی اونچائی سے گر رہا ہو، اور اس کی سونڈ کے پیچ وخم کو کمند، ہودج کو کشتی اور ہاتھی کے دونون کان کو دو بادبان کہتے ہین،

پیل چو کوہے کہ بود بے ستون | چار ستون زیر کہ بے ستون
پیچش خرطوم بسان کمند | اژدر افتادہ زکوہ بلند
اژدر آن کوہ شدہ مار پیچ | مار ازو یافتہ در غار پیچ
کشتی عاج ست تو گوئی روان | گشتہ دو گوشش زدو سو بادبان

موسم خزان کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہین کہ چنار کے پتون پر نمی اس طرح حرکت کرتی ہے جیسے رعشہ والے کی ہتھیلی پہ پارہ کانپتا ہو تو کہتے ہین

نم بکف دست چنار از روش | زیبق لرزان بکف مرتعش

ناصرالدین بغرا خان اور کیقباد مل کر جب ایک ساتھ تخت پر بیٹھے ہین تو خسرو نے اس موقع پر دونون باپ بیٹے کے لیے عجیب و غریب تمثیلین و تشبیہین استعمال کی ہین، کہتے ہین کہ دونون برج جوزا (دو پیکر) کی طرح معلوم ہوتے تھے، جوزا مین دو صورتین آدمی کی طرح ہوتی ہین، پھر کہتے ہین دونون تخت پہ جلوہ فرما اس طرح نظر آتے تھے جیسے ایک برج مین دو قمر یا دو ستارے

ہون، یا ایک تخت پر دو دارا ہون، یا زمین پر دو جمشید کی شان و شوکت آگئی ہو، یا چشم جہان مین دو خورشید کا نور پیدا ہو گیا ہو، یا دو لوح جبین اور دو نور یقین کو ایک ہی روشنی مل رہی ہو، یا دو سرو کی شاخین آپس مین مل رہی ہون، یا دو آب روان مین ایک ہی موج بلند ہو رہی ہو، یا دو نہرین ایک باغ وفا مین جاری ہو گئی ہون یا ایک تلوار مین دو دھارین پیدا ہو گئی ہون، یا کشت زمین دو بارش سے سیراب ہوئی ہو، اور دنیا نے دو باغ کی خوشبو سونگھی ہو، یا آسمان دو چاند سے ایک ہو گیا ہو، وغیرہ وغیرہ۔

ہر دو بیک تن چو دو پیکر شدند	بر فلکِ تخت چو مہ بر شدند
گشت بہ برجے دو قمر جائے گیر	گشت قرین بد و سلطان سریر
برج شرف کرد دو اختر یکے	سلک نسب کرد دو گوہر یکے
ملک بیک تخت دو دارا نمود	دہر بیک آب دو دریا نمود
روے زمین فرِ دو جمشید یافت	چشم جہان نور دو خورشید یافت
نور یکے داد دو لوحِ جبین	لمعہ یکے داد دو نور یقین
شاخ بہم سود دو سرو جوان	موج بہم داد دو آبِ روان
گشت یکے باغ وفا را دو جوئے	گشت یکے تیغ صفا را دو روئے
کشت زمین آب ز دو باران چشید	مغز جہان بوے دو بستان کشید
چرخ یکے شد بہ دو ماہ تمام	بزم یکے شد بہ دو دور مدام

اس مثنوی مین معنوی اور لفظی صنعتون کی مثالین بھی بکثرت ملتی ہین۔ مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے اپنے مقدمہ کے ستائیس انتیس صفحون مین وہ تمام اشعار جمع کر دیے ہین جن پر کسی نہ کسی صنعت کی تطبیق ہوتی ہے، ہم یہان پر اس مثنوی کے صنائع و بدائع کی صرف چند مثالون ہی پر اکتفا

کرتے ہین، گو آج کل ان صنعتون کی کوئی قدر نہین، لیکن پھر بھی ہم اپنے ناظرین کو اس فن سے روشناس کرنے کی کوشش کرتے ہین، جس کی داد آج سے پہلے بہت ملا کرتی تھی، پہلے صنائع معنوی کی مثالین ملاحظہ ہون،

تضاد[1] - یعنی شعر مین ایسے الفاظ آئین جن کے معنی ایک دوسرے کے متضاد ہون، مثلاً

پُر دل وخالیِ دلِ شان از ہراس	پاکِ بازندہ برون از قیاس
خفتہ ہمہ خلق ز بیداریش	مستیِ او مایۂ ہشیاریش

مذکورۂ بالا اشعار مین الفاظ "پر" اور "خالی" "مستی" اور "ہشیاری" "خفتن" اور "بیداری" ایک دوسرے کے مخالف ہین،

ارصاد یا تسہیم - یعنی ابتداے کلام مین ایسے الفاظ لانا جن سے معلوم ہو جائے کہ قافیہ یا کلام کے آخر مین فلان لفظ آئے گا، بشرطیکہ روی کا حرف پہلے سے معلوم ہو، حرف روی وہ ہے جس پر قافیہ کی بنیاد ہوتی ہے مثلاً

سیم بر ان صورتِ دیبا شدہ	شقۂ دیبا بر زیبا شدہ
صورتِ ادراک ز آئینہ رفت	آئینہ صور نقش از سینہ رفت

عکس[2] - یعنی کلام کے جزو مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کرنا

خانۂ یک مردم و صد مردمی	مردم یک خانہ و صد خرمی

حسن تعلیل[3] - یعنی کسی صنعت کے لیے اس کے مناسب ایسی علت ٹھہرانا جو حقیقت مین اس کی علت نہ ہو، مثلاً

---

[1] اردو مین مثال ملاحظہ ہو: نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا + گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجران کا

[2] اردو کی مثال: باقی ساقی جو کچھ ہووے لے + ساقی باقی شراب دے دے

[3] " بے سبب زلزلہ عالم مین نہین آتا ہے + کوئی بے تاب تہ خاک تڑپتا ہوگا

پشتِ بنفشہ بہ سمن زارہا　　　　　　　گوژ شد از چیدنِ دینارہا

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ بنفشہ کی پیٹھ چمن مین دینار چننے کی وجہ سے ٹیڑھی ہوگئی ہے۔ دینار سے مراد پھول ہے، بنفشہ کا پودا قدرتی طور پر جھکا رہتا ہے، شاعر کا خیال ہے کہ پھول چننے کی کوشش مین اس کی پیٹھ اسی طرح جھکی رہتی ہے، جیسے کوئی شخص دینار چننے کے لیے جھکے۔

ادماج - ایک کلام سے دو یا دو سے زیادہ معنی کا اس طرح حاصل ہونا کہ دوسرے معنی کی صراحت نہ کی جائے۔ اسکی مثال میں عام طور سے خسرو کا حسب ذیل مشہور شعر پیش کیا جاتا ہے۔

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم　　　　　　　چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

زیر نظر مثنوی کا یہ شعر بھی اسی صنعت کی مثال ہے،

لالہ چون از کوہ برفت آن شکوہ　　　　　　　کبک ببرید دل از تیغِ کوہ

مطلب یہ ہے کہ پہاڑ پر سے لالہ ختم ہوا تو کبک کا دل بھی پہاڑ کی چوٹی سے اچاٹ ہوگیا، لیکن دوسرے مصرعہ کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ لالہ کے نہ رہنے کی وجہ سے کبک نے تیغ کوہ سے خودکشی کر لی ہے،

استخدام - یعنی دو معنی والے لفظ سے ایک معنے مراد لے کر اس کی ضمیر سے دوسرے معنے مراد لینا، مثلاً

سوئے سواد اودھ آمد چو باد　　　　　　　کرد حک از خنجرِ تیز آن سواد

اس کے یہ معنی ہین کہ جب ہوا اودھ کے گرد و نواح (سواد) مین آئی تو ہوا نے خنجر تیز کی طرح سیاہی (سواد) کو دور کر دیا،

ایہام[۱]، تبلیغ[۲]، اغراق[۳] اور غلو[۴] کی مثالین تو بکثرت ہین،

---

[۱] یعنی کلام مین ایسا لفظ لانا جو دو معنی رکھتا ہو [۲] ایسا مبالغہ جو عادۃً و عقلاً ممکن ہو [۳] ایسا مبالغہ جو عادۃً ممکن نہ ہو اور عقلاً ممکن ہو، [۴] ایسا مبالغہ جو عادۃً و عقلاً دونون ممکن نہ ہو،

اسی طرح صنائع لفظی مین تجنیس[1]، اشتقاق[2] و شبہ اشتقاق[3] اور تنسیق الصفات[4] کی بھی مثالین بہت ملین گی، ان کے علاوہ حسب ذیل لفظی صنعتون کی مثالین ملاحظہ ہون،

ترصیع - یعنی پہلے مصرعہ کے تقریباً تمام الفاظ دوسرے مصرعہ کے تمام الفاظ کے وزن اور روی مین مطابقت رکھتے ہون، مثلاً

بے کرمے نام فروشی کنند — بے گہرے مرتبہ کوشی کنند

مہرچہ جوئی ز وفائے کہ نیست — روئے چہ بینی بصفائے کہ نیست

سجع - یعنی ایک شعر مین تین تین قافیے ہون اور چوتھا قافیہ قصیدہ یا غزل کا ہو، مثلاً[5]

گرشہد باشد بر زبان۔ یا آب حیوان در دہان — گفتار می گویم کہ آن نبود دگر گفتار تو

زین پس بخوبان ننگرم۔ در کوے ایشان نگذرم — گر ہیچ یکرہ جان برم از غمزۂ خونخوار تو

رد العجز علی الصدر - یعنی پہلے مصرع کا شروع (صدر) مین جو لفظ آئے وہ دوسرے مصرع کے آخر مین بھی آئے[6]، خواہ یہ لفظ بعینہ ہو یا صنعت تجنیس یا صنعت اشتقاق یا شبہ اشتقاق کے طور پر ہو،

عود قماری کہ ہمی داد دود — غالیہ می ساخت گل از دود عود

باد کہ اندر سر ہدہد فتاد — تاج سلیمان ز سرش برد باد

خسرو نے آگے چل کر صنائع و بدائع مین ہر قسم کی زور آوری دکھائی، اپنی تصنیف اعجاز خسروی مین انھون نے تو بعض خاص خاص قسم کے صنائع مین ورق کے ورق لکھے ہین، بعض صنعتین تو ان ہی کی ایجاد ہین، جیسا کہ آیندہ جلد مین ذکر آئے گا،

---

[1] دو یا زیادہ لفظون کا تلفظ اور تحریر مین مشابہ ہونا اور معنی مین مختلف ہونا [2] چند الفاظ کا ایک ہی مادہ سے اشتقاق کر کے کلام مین لانا،

[3] چند الفاظ کا ایک دوسرے سے مشابہ ہونا لیکن مادے مین مختلف ہونا [4] کسی چیز یا کسی شخص کا ذکر بہت سی صفتون کے ساتھ کرنا،

[5] یہ پوری غزل مسجع ہے [6] اس شعر کی مثال: محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی — خدا سے پوچھیے شان محمدؐ

غلط نامہ بزم مملوکیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۱۳	بادشاہون	بادشاہ ہونے	۷۴	۱۳	سپاہ	سیاہ
۱۰	۱۷	بمہر	مہر	۷۴	۱۵	چو	چون
۱۱	۹	اشک	رشک	۷۴	۱۷	آب چون	آب جون
۱۲	۱۱	ماس	باس	۱۰۰	۵	خط	برخط
۱۲	۱۶	عالی	عالمی	۱۰۰	۱۳	بنا	بنان
۱۲	۱۸	آمد	آنکہ	۱۰۲	۸	آمدہ	آمدہ است
۱۶	۷	صفت	صنعت	۱۰۳	۱	ہے	کا ہے
۲۰	۱۵	چیتوان	جتوان	۱۰۵	۶	آنکہ	کہ
۲۱	۳	چیتوان	جتوان	۱۰۷	۱۷	بر	ہر
۲۹	۲	کتاب الانساب	بحر الانساب	۱۱۰	۱۱	آ	آر
۲۹	۱۳	چاغان (صغان)	صاغان (صغان)	۱۱۰	۱۷	موشی	موسیٰ
۳۹	۱۶	طغر	طغرا	۱۱۱	۱۳	پردرد	پردردہ
۵۲	۳	راہ	ماہ	۱۱۱	۱۶	برسہ	برسر
۵۶	۱۰	نہ ہیک	مہ پیک	۱۱۷	۱۱	طغر	ظفر
۵۶	۱۰	قہرجان	مہرجان	۱۳۷	۱۳	تاریافت	تارتاریافت
۶۲	۱۱	کرلیگا	کریگا	۱۶۰	۷	طرہ	طرح

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۴	۱۶	وہ بھی	یہ بھی	۲۵۸	۶	زتقدیر	نہ زتقدیر
۱۷۷	۹	باشش	بالشش	۲۶۴	۹	بادباد	باباد
۳۰۰	۳	مضامین ندرت	مضامین مین ندرت	۲۶۵	۱۲	فوائد الفوائد	فوائد الفواد
۲۰۸	۱۰	دریاے	درپاے	۲۷۸	۹	نقش	سخنش
۲۱۴	۱۰	کہ زرنج	زرنج	۲۸۳	۹	تابتہٗ	تابتہٗ
۲۱۴	۱۰	چہ	چون	۲۸۳	۱۰	دولت بجنت	دولت وبخت
۲۴۵	۴	زرپاشی کے ذکرمین	زرپاشی مین	۳۰۵	۴	پاپہاے	باپہائے
۲۵۲	۶	نادانی	ناوانی	۳۰۵	۷	خواشس	خراش
۲۵۲	۱۴	اژدم	تااژدم	۳۰۵	۸	عروسی ہا	عروسی ہار
۲۵۳	۱۷	پاخنجر	باخنجر	۳۱۲	۳	راسر	رابرسر
۲۵۴	۲	ساقیا	ساقیان	۳۱۲	۱۲	روح	ورروح
۳۵۶	۱۱	دیبا پور	دیبال پور	۳۲۸	۱۷	ۂ	شہ

نقطے اور مرکز کی غلطیان ناظرین خود درست کرلین۔
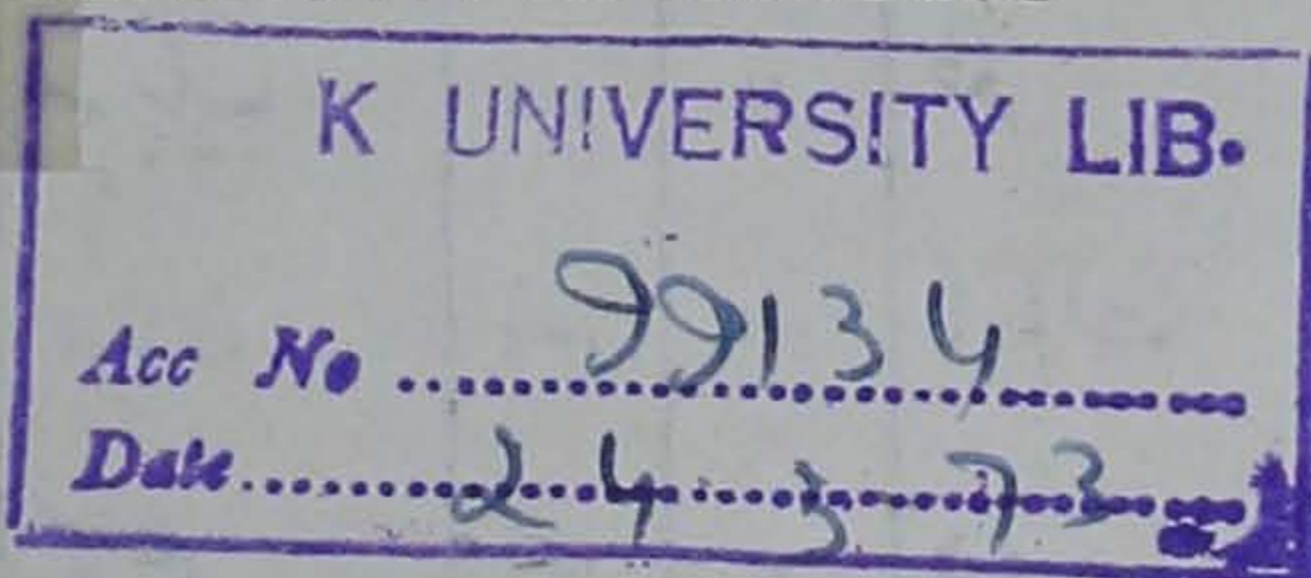
مؤلف کی اور دوسری کتابیں

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایون نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب وانشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء و فضلاء کو سیم و زر مین تلوایا، عالمگیر نے انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شاہزادون اور شہزادیون نے بھی علم و ادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء کے گونا گون کمالات وغیرہ کی تفصیل اس کتاب مین ملاحظہ فرمایئے،

قیمت

معہ ر

بزمِ صوفیہ

جس مین عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام حضرت شیخ ابو الحسن علی ہجویریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ، حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ، حضرت برہان الدین غریبؒ، حضرت ضیاء الدین نخشبی، حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت جہانیان جہان گشتؒ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ، اور حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے مستند حالات اور تعلیمات پیش کی گئی ہین،

قیمت

ہے ر

(طابع و ناشر صدیق احمد)